

# مشاہد اسلام

اکٹر حسن ابراہیم حسن ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی، ڈی۔ لک

پروفیسر تاریخ اسلام فواد اول یونیورسٹی

(قاہرہ)

کی

## کتابِ اَعلامِ الاسلام

کا

اردو ترجمہ

پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی

(۳۰۔ نیوکراچی کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی۔ کراچی)

قیمت پانچ روپے (۵)

# فہرست مضامین

نمبر سلسلہ	مضمون	صفحہ
۱	مقدمہ	
۲	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	۱
۳	حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ	۱۳
۴	حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ	۲۳
۵	حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ	۳۷
۶	اسامہ بن زید	۵۵
۷	عمار بن یاسر	۶۵
۸	صہیب بن سنان	۷۹
۹	سلمان فارسی	۸۹
۱۰	سعد بن عبادہ انصاری	۱۰۲
۱۱	سعد بن معاذ	۱۱۵
۱۲	سعد بن ابی وقاص	۱۲۸
۱۳	خالد بن الولید	۱۳۹
۱۴	عمرو ابن العاص	۱۵۲
۱۵	زبیر بن العوام	۱۶۱
۱۶	طلحہ بن عبید اللہ	۱۶۲
۱۷	مقداد بن الاسود	۱۸۰
۱۸	عبد اللہ بن مسعود	۱۸۸

۴۰۵۰۷۱

کتاب اللہ طہار اللہ

۱۰

۷۰۷

صفحة	مضمون	نمبر
۱۹۶	ابوزر الغفاری	۱۹
۲۰۷	عبد اللہ بن عمر	۲۰
۲۲۱	عبد اللہ بن عباس	۲۱
۲۳۲	حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ	۲۲
۲۵۳	حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ	۲۳
۲۶۳	امیر معاویہ بن ابی سفیان	۲۴
۲۷۸	عبد اللہ بن الزبیر	۲۵
۲۹۱	عبد الملک بن مروان	۲۶
۳۰۳	ولید بن عبد الملک	۲۷
۳۱۶	حضرت عمر بن عبد العزیز	۲۸
۳۲۷	طارق ابن زیاد	۲۹
۳۴۱	عبد الرحمن الداخل	۳۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# مکتبہ

قبل اس کے کہ شاہراہ اسلام ترجمہ علامہ الاسلام کی چند خصوصیات کے متعلق کچھ لکھا جائے۔ سب معلوم ہوتا ہے کہ ان حالات اور مقاصد کی وضاحت کر دی جائے جو اس کی اشاعت کے محرک ہوئے۔ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کے موجودہ صدر مسٹر فضل الرحمن اپنی وزارت تعلیم کے زمانے میں حکومت مصر کی دعوت پر فواد اول یونیورسٹی کی صہد سالہ سالگرہ میں شرکت کیلئے قاہرہ گئے تھے۔ اس موقع پر اور محققین کے علاوہ ان کی ملاقات ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن سے بھی ہوئی جو اس وقت فواد اول یونیورسٹی میں تاریخ کے پروفیسر تھے۔ فضل الرحمن صاحب نے ان سے دریافت کیا کہ آیا وہ چند شاہراہ اسلام پر ایک ایسی کتاب لکھنے کیلئے تیار ہیں جو مسلمان نوجوانوں اور خاص کر اسکولوں اور کالجوں کے طالب علموں کے لئے مفید ہو اور ساتھ ہی معتبر بھی ہو۔ ڈاکٹر حسن نے اس پر سرگرمی سے آمادگی ظاہر کی اور کچھ مدت بعد ”اعلام الاسلام“ کے نام سے چند مقالات کا مجموعہ مرتب کر کے حکومت پاکستان کو بھیج دیا۔ حکومت نے یہ مسودہ سو پائی کو دیا اور خواہش کی کہ سوسائٹی اس کا اردو میں ترجمہ کرے اور شائع کرے۔ ساتھ ہی اس کام کیلئے سوسائٹی کو ایک منقرسی گرانٹ بھی دی۔ چنانچہ یہ کتاب مذکورہ مقاصد کو پورا کرنے کیلئے اردو میں شائع کی جا رہی ہے۔

(ب)

فن تاریخ نویسی کو ابتدائی دور کے مسلمانوں نے ترقی کی جس منزل پر پہنچایا اس کی بلندی کا ابھی صحیح اندازہ نہیں لگایا جاسکتا ہے۔ اسلام کی تاریخ کی ابتداء حدیث کے مطالعہ کے ساتھ ہوئی جس کا لازمی اور خوشگوار نتیجہ یہ ہوا کہ فن تاریخ میں بھی صحت واقعات اور صداقت کا معیار بہت بلند ہو گیا۔ شاید یہ مسلمانوں کی خوش قسمتی تھی کہ وہ تاریخ نویسی میں یونانی، رومی اور دوسری قدیم اقوام کی روایات سے متاثر نہیں ہوئے بلکہ انھوں نے تاریخی شواہد کی جانچ پڑتال، واقعات کی صحت اور ان کے زمانے کے صحیح تعین کے لئے خود اپنے قواعد و ضوابط مقرر کئے اور ان کا معیار اس درجہ بلند رکھا کہ صدیاں گزر جانے کے باوجود آج بھی وہ جدید کے مورخ ان معیاروں پر کچھ بہت زیادہ اضافہ نہ کر سکے۔

بلاذری کی فتوح البلدان اور ابن جریر طبری کی کتاب اخبار الرسل والملوک کو تصنیف ہوئے ایک ہزار سال سے زیادہ گزر گئے۔ لیکن آج بھی تاریخی دنیا میں ان کو اسی وقعت سے دیکھا جاتا ہے جس وقعت سے قرون وسطیٰ میں دیکھا جاتا تھا۔ پروفیسر سارٹن نے مندرجہ ذیل لفاظ میں طبری کا ذکر کر کے صرف ایک ایسی حقیقت کا اعتراف کیا ہے جس کو نسلی، قومی یا مذہبی تعصب نے صدیوں تاریکی میں پوشیدہ رکھا۔

”د انسانیت کی اصل خدمت مسلمانوں کے ہاتھوں انجام پائی تھی“ سب سے بڑا فلسفی الفارابی مسلمان تھا، سب سے بڑا ریاضی دان ابو کمال اور ابن سینا مسلمان تھے، سب سے بڑا جغرافیہ دان اور دائرۃ المعارف نگار المسعودی مسلمان تھا، اور سب سے بڑا مورخ الطبری بھی مسلمان ہی تھا۔“

۱۷ سارٹن انٹرویو کنکشن ٹودی سہٹری آف سائنس جلد اول صفحہ ۶۲۴

قرون وسطیٰ میں جس مورخ نے فن تاریخ نویسی کو "سائنس" کے مرتبہ پر پہنچایا وہ ابن خلدون تھا۔ اس کے کمالات اور تفہیمت کو مشرق و مغرب میں یکساں طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ اور آج بھی ہند و دنیا کے تاریخ نگار اس کے قائم کئے ہوئے اصولوں اور نظریوں کو عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ تاریخ نویسی سے مسلمانوں کو ہمیشہ دلچسپی رہی ہے۔ اور جہاں جہاں وہ فاتح قوم کی حیثیت سے گئے اور آباد ہوئے۔ انھوں نے تاریخ نویسی کا حق ادا کرنے میں کمی نہیں کی وسط ایشیا سے لیکر اسپین تک کوئی ملک ایسا نہیں جس کی تاریخ کی ترتیب میں انھوں نے کمال حاصل نہ کیا ہو۔ اور برصغیر ہندوستان میں تو ایک فن کی حیثیت سے تاریخ نویسی کی داغ بیل ہی مسلمانوں کی ڈالی ہوئی ہے۔

دور جدید کے مسلمان مورخوں نے اب یہ اچھی طرح محسوس کر لیا ہے کہ اسلامی تاریخ کو جو اپنے دامن میں بے شمار جواہر ریزے چھپائے ہوئے ہے، جدید اصولوں کے مطابق مرتب کرنے کی سخت ضرورت ہے تاکہ وہ حقائق جو تعصب اور تنگ نظری کی بدولت ہمیشہ مسخ شدہ شکل میں پیش کئے گئے ہیں، اپنے صحیح پس منظر میں اور ایسے انداز میں سامنے لائے جاسکیں جو اس زمانے میں تاریخ نویسی کیلئے ضروری خیال کیا جاتا ہے۔

اعلام الاسلام کے مصنف ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن المصری عہد حاضر کے مورخوں میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ ان کی لکھی ہوئی کتاب میں عربی دنیا میں بہت مقبول ہو چکی ہیں۔ ان کی "النظم الاسلامیہ" کا اردو ترجمہ "مسلمانوں کا نظم مملکت" آج سے آٹھ سال قبل ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع ہوا۔ اُس نے حسن ابراہیم کو ہندوستان میں روشناس کیا۔ آج ہمارے کالجوں کے طلباء اس کتاب سے مستفیض ہو رہے ہیں۔

جیسا کہ پہلے واضح کیا جا چکا ہے، "اعلام الاسلام" چند مقالات کا مجموعہ ہے جن کا اردو کا ترجمہ ہندوستان کے لوگوں کے استفادے کیلئے شائع کیا جا رہا ہے۔

اس لئے لازمی طور پر یہ کوشش ملحوظ رہی کہ ہر مقالہ بجائے خود ایک مستقل مضمون ہو جس میں اس کے اہم پہلو سامنے آسکیں۔ اسی وجہ سے بعض مقالوں میں واقعات کی تکرار نظر آتی ہے۔ مثلاً حضرات خلفائے راشدین۔ سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ وغیرہم کے حالات میں بعض واقعات بار بار دہرائے گئے ہیں۔ اس تکرار کو ترجحے میں بھی قائم رکھا گیا ہے تاکہ ترجحے اور اصل میں بہت زیادہ فرق نہ ہو۔

جیسا کہ پوری کتاب پڑھنے کے بعد قارئین پر منکشف ہوگا۔ فاضل مولف نے جو کچھ لکھا ہے اسے بہت دلچسپ انداز میں اور کافی تحقیق اور مطالعے کے بعد لکھا ہے۔ تحقیقی مضامین اکثر خشک ہوجاتے ہیں۔ لیکن "اعلام الاسلام" کا طرز بیان شروع سے آخر تک دلکش ہے تحقیق کے جدید اور اعلیٰ معیار کا پورا لحاظ کرتے ہوئے مولف نے صرف وہی روایات لی ہیں۔ جو ان کے نزدیک معتبر اور قابل استناد ہیں۔ جہاں بحث و استدلال اور تنقید کی ضرورت محسوس ہوئی ہے انہوں نے صاف اور سلجھے ہوئے انداز میں اپنی آزاد رائے ظاہر کر دی ہے۔ ایسے مواقع پر صحیح نتیجہ تک پہنچنے کے ساتھ غلط رائے قائم کرنے کا امکان بھی ہو سکتا ہے جس سے بچنا آسان نہیں مگر ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن نے اس ضمن میں جو ذمہ داری قبول کی ہے اس کے بنا ہونے میں وہ بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ مجموعی حیثیت سے اعلام الاسلام میں بہت سی خوبیاں ہیں اور یقین ہے کہ تاریخ سے ذوق رکھنے والے حضرات اسے قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ اس کے علاوہ اسکول کی اعلیٰ جماعتوں اور کالجوں کے لئے بھی یہ کتاب بہت مفید ثابت ہوگی۔ اردو میں اسلامی تاریخ پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں سے اکثر میں معیاری تحقیق کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے۔ ڈاکٹر حسن ابراہیم قدیم اور اصل ماخذ پر حاوی ہونے کے علاوہ جدید طرز تحقیق کے بھی ماہر ہیں۔ ان کے ان کمالات کا اشران کی اس کتاب میں بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ ہماری یونیورسٹیوں اور کالجوں کے طلباء کے لئے ایسی ہی کتابیں مفید ہو سکتی ہیں۔

اسلام کے ابتدائی دور اور عہدِ عرش کی تاریخ پر نظر ڈالئے تو مشاہیر کی تعداد اتنی زیادہ ملے گی کہ ایک مختصر کتاب کے لئے انتخاب کرنا مشکل ہوگا۔ اعلام الاسلام کے مولف نے انتہی احتیاط سے انتخاب کیا ہے اور اس میں صرف خلفاء اور امرا ہی کو ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے بلکہ مختلف طبقوں کے مخصوص مرتبے کے اشخاص چن لئے ہیں۔ جن میں بعض عالی مرتبہ صحابہ اور مجاہدین اسلام بھی شامل ہیں۔ کتاب کا آغاز حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حالات سے ہوا ہے اور اختتام سلسلہ بنی امیہ اندلس کے بانی عبدالرحمن الداخل پر کیا گیا ہے۔

اردو میں ترجمہ ہونے کے بعد اس مجموعے کی افادیت اور بڑھ گئی ہے۔ کیونکہ بعض مقامات پر جہاں مولف نے اختصار سے کام لے کر واقعات کی طرف اشارہ کرنا ہی کافی خیال کیا ہے۔ وہاں ادارے کی طرف سے تشریحی نوٹوں کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ بعض مقامات پر مولف نے عربی لغات پر نوٹ دئے ہیں جو اردو میں غیر ضروری معلوم ہوتے ہیں، اس لئے ترجمے میں اس قسم کے نوٹوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ امید ہے کہ اب یہ کتاب ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ جہاں جہاں بھی اردو بولنے اور سمجھنے والے موجود ہیں قدر کی نگاہ سے دیکھی جائیگی۔

ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن نے مشاہیر اسلام کے کارناموں کا ذکر کرتے وقت بعض واقع پر ایسا طرز اختیار کیا ہے۔ جس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ ان کے یہ کارنامے نسلی اور قومی امتیاز کا نتیجہ تھے۔ گو انہوں نے اسلام کے فیوض و برکات کی ہمہ گیری پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کہیں کہیں ان کی تنقید میں عربی عصبیت کا پہلو نمایاں نظر آتا ہے۔ حالانکہ یہ ایک بدیہی امر ہے کہ عربوں نے جو کچھ ترقی کی اور تہذیب کے ارتقا میں جو قابل فخر حصہ لیا، وہ اسلام ہی کی بدولت تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ دور کے اکثر مفکرین قومی پاسداری سے متاثر ہو کر تاریخی حقائق کو ایک حد تک غلط رنگ میں پیش کر دیتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نوجوان طلباء ابتدا ہی میں گمراہ کن نظریات سے متاثر ہو جاتے ہیں۔



اردو ترجمے کے متعلق بھی بعض امور قابل ذکر ہیں۔ اصل کتاب کا مسودہ حکومت پاکستان نے ٹائپ کاپی کی صورت میں پاکستان سٹنڈرڈ بک سوسائٹی کو دیا۔ ٹائپ کاپی میں کہیں کہیں کچھ الفاظ چھوٹ گئے ہیں یا غلط ٹائپ ہو گئے ہیں۔ حتیٰ الامکان ترجمے میں ان نقائص کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اسی طرح متن میں سرخیوں کا کوئی اہتمام نہ تھا اور بعض پیراگراف بہت طولانی تھے۔ ترجمے میں اہم واقعات کے لئے ذیلی سرخیاں دی گئی ہیں تاکہ قارئین کو سہولت ہو جو پیراگراف بہت بڑے تھے، کہیں کہیں ان کو ایک سے زیادہ حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

اعلام الاسلام کے مقالات میں واقعات کی تاریخوں کا التزام نہیں کیا گیا ہے صرف چند اہم واقعات کی تاریخیں دی گئی ہیں۔ ترجمے میں عنوان کے ساتھ صاحب تذکرہ کے سنبل اور وفات درج کر دئے گئے۔

ترجمے میں ممکنہ حد تک اصل کی پابندی ملحوظ رکھی گئی ہے۔ ساتھ ہی یہ کوشش رہی ہے کہ عبارت سلیس، قابل فہم اور رواں ہوتی کہ علمائے تاریخ کے علاوہ طلباء بھی اس سے پورا فائدہ اٹھا سکیں۔ البتہ ایک آدھ فقرہ جس میں مؤلف کا تنقیدی لب و لہجہ بہت سخت ہو گیا تھا۔ ترجمہ میں حذف کر دیا گیا ہے۔ مثلاً حضرت زبیر کے بیان کا آخری حصہ جہاں مؤلف نے اسلام کے متعلق یہ الفاظ لکھے ہیں۔ لم یزدھا الا سلام لا تفاقوا واذ ذیاداً۔

اس کتاب کے ترجمے کا کام مولوی محمد زکریا مائل کے سپرد کیا گیا تھا۔ جنہوں نے اسکو مکمل کیا ہے۔ ان کی ترجمہ کی ہوئی کئی کتابیں جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن اور انجمن ترقی اردو (ہند) وغیرہ اداروں سے شائع ہو چکی ہیں جن میں معتمد خاں کے اقبال نامہ جہانگیری اور اندلس کی عربی تاریخ اخبار مجموعہ کے تراجم قابل ذکر ہیں۔

(۴)

اس ترجمے کی اشاعت سے سوسائٹی کا خاص مقصد یہ ہے کہ تاریخ سے ذوق رکھنے والے حضرات اور طلباء کے لئے چند ناموران اسلام کے حالات جدید تحقیقات و مطالعہ کے صحیح پس منظر میں پیش کئے جائیں تاکہ ان کا نامہ، کے حقیقی مرتبے اور درجے کا اندازہ لگایا جاسکے۔ سوسائٹی کو امید ہے کہ یہ ترجمہ اس مقصد میں کامیاب ہوگا۔

سید معین الحق

جنرل سکریٹری و ڈائریکٹر آف ریسرچ

پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی

کراچی

جنوری ۱۹۵۵ء



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ

۱۳ھ قبل ہجرت - ۱۳ھ

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں رسالت کا فرض ادا ہو گیا، دین اسلام کی امانت لوگوں کو سپین گئی اسلام کا جھنڈا بلند اور عرب اور مسلمانوں کا بول بالا ہو گیا، آپ ان کے لئے راہیں روشن اور حدیں معین فرما چکے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو رحمت میں بلا لیا۔ آپ کی تمام زندگی انھی معرکہ الآرا کارناموں سے معمور رہی جو آپ کی تبلیغی جدوجہد کے گوشے گوشے میں سرایت کئے ہوئے تھے۔ انھی کارناموں کا اثر، صحابہ تابعین اور ان کے بعد کے مسلمانوں پر پڑا۔ اس طرح آپ نے عرب اور اسلام کے لئے جو دوامی میراث چھوڑی ہے ناموران اسلام کے حالات میں اس کا صحیح چرہ نظر آتا ہے۔ ان سب کے ناموں اور تذکروں سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ یہی وہ اکابر اسلام ہیں جن کے ذکر سے مجلسیں مہکتی رہتی ہیں اور جن کے تذکرے پشت پشت منتقل ہوتے چلے آئے ہیں۔

نام و نسب اور القاب | انھی نامور بزرگوں میں ایک ایسی ذات ہے جس کا شمار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلص ترین صحابہ میں تھا اور جس کے اندر اتنی صفات جمع تھیں کہ کسی ایک شخص میں شاذ و نادر ہی پائی جاتی ہیں۔ یہ واحد ممتاز بزرگ حضرت عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ البیہمی ہیں۔ یہ جاہلیت کے زمانہ میں عبدالکعبہ کہلاتے تھے

بقول بعض عبدالات اور بقول بعض عبد العزی کے نام سے بھی مشہور تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبد اللہ رکھا، ان کا لقب عتیق تھا۔ ان کی والدہ کے لڑکے جیتے نہ تھے۔ یہ پیدا ہوئے تو وہ انھیں لے کر خانہ کعبہ میں آئیں اور کہا کہ اے اللہ یہ تیرے موت سے آزاد کیا ہوا (بچہ) ہے ان کا لقب صدیق بھی تھا کیونکہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق میں پہل کی تھی۔ خصوصاً واقعہ معراج کی صبح کو معراج کی تصدیق میں دوسروں کے مقابلے میں سب سے آگے تھے۔

تاریخ ولادت اور | حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عام الفیل ۶ کے دو سال اور چند ماہ بعد  
 عادت و اخلاق | مکہ میں پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ ام الخیر سلیمی بنت صخر بن عامر تھیں جو  
 رشتے میں ان کے والد کی چھیری بہن تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے چہرے سے دانشمندی کے آثار  
 بچپن ہی سے نمایاں تھے۔ اللہ نے انھیں حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت بھی عطا کیا تھا۔  
 حافظ ابن حجر العسقلانی کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا رنگ گورا اور بدن چمک رہا تھا۔ بڑے  
 خوش اخلاق اور میلنسا رتھے۔ ان کی قوم ان پر پورا اعتماد کرتی اور انھیں عزیز رکھتی تھی۔  
 اس لئے کہ یہ ان کی تالیف قلب کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جاہلیت میں بھی شراب  
 نہ پی تھی، جس کا اس زمانہ میں عام رواج تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کی ذات میں خوش خلقی کے ساتھ  
 فراست و دانشمندی و دروسات کی صفات بھی جمع ہو گئی تھیں۔ وہ عربوں کے انساب اور حالات کے

۱۰ عام الفیل یا ہاتھیوں والا سال وہ ہے جس میں ابرہہ نے جو شاہ حبشہ کی طرف سے یمن کا گورنر تھا۔  
 کعبے کے ڈھانے کے ارادہ سے فوج کشی کی تھی اور بکثرت ہاتھی اپنے ساتھ لایا تھا۔ (سورہ الم تر کیف  
 میں اسی واقعہ کا ذکر ہے) سہنہ ہجری کے رواج سے پہلے عرب اپنے اہم واقعات کا حساب اسی  
 سال سے رکھتے تھے۔ (ادارہ)

۱۱ عربوں میں نبیوں کا علم اس درجہ اہمیت رکھتا تھا کہ انسانوں کے علاوہ گھوڑوں اور اونٹوں  
 تک کے نسب محفوظ رکھے جاتے تھے۔

عالم تھے اور اس صفت میں وہ اتنے ممتاز تھے کہ انھیں قریش میں انساب قریش اور ان کے حسن و قبح کا سب سے بڑا ماہر کہا گیا ہے۔

اسی طرح حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سچائی اور امانت میں بھی مشہور تھے۔ ان کے خاندان والے ان پر اعتماد رکھتے تھے۔ اسی لئے خوں بہا کی رقوم ان کے پاس لائی جاتی تھیں آپ کے عزیز و اقربا دیت اور تاوان وغیرہ کا روپیہ آپ کے پاس امانت کے طور پر لاکر رکھ دیا کرتے تھے۔

حضرت ابو بکرؓ کا مشغلہ تجارت تھا۔ وہ کپڑوں کی تجارت کرتے تھے۔ ان کی تجارت کو بڑا فروغ ہوا اور دولت و ثروت اتنی بڑھی کہ ان کا اس المال چالیس ہزار درہم ہو گیا۔ کسی تعجب کی ضرورت اس لئے نہیں کہ قریش کے قافلے ملک کے طول و عرض میں آتے جاتے رہتے تھے۔ ان کی پہنچ غزہ، بیت المقدس اور دمشق تک تھی اور بحر الاحمر کو بھی عبور کیا کرتے تھے۔ مکے کے شریف زادوں کو جتنا شغف تجارت سے تھا۔ شہسواری سے بھی اس سے کچھ کم نہ تھا۔ یہ بچپن ہی سے اس کی مشق کیا کرتے تھے۔ یہ لوگ بلندی فکر کے اس درجے تک پہنچ گئے تھے جو بدویوں اور ریگستانیوں کی دسترس سے باہر تھا۔

تقدیر الہی دیکھئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کے ایک سال پہلے حضرت ابو بکرؓ کی آپ سے شناسائی ہوئی۔ دونوں میں الفت و محبت پیدا ہوئی اور دوستی کے تعلقات اسنے استوار ہو گئے کہ عرب اور اسلام کی تاریخ میں ان کے اثرات بہت دور رس ثابت ہوئے۔ ابھی اس دوستی کو ایک ہی سال گزرا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا کے لئے رسالت سے سرفراز فرمایا کہ آپ دنیا کو اس

۱۵ عام طور سے دیت یا خوں بہا کی رقوم حضرت ابو بکر صدیق کی منظوری کے بغیر ادا نہیں ہو سکتی تھیں۔ (ادارہ)

ابدی حقیقت کی تعلیم دیں کہ ” اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہی انسان کے اعمال کی تدبیر اور نگرانی کرتا ہے اور موت کے بعد وہی نیکوں اور بدکاروں کو ان کے اعمال کے مطابق

جزا و سزا دے گا،، آپ نے اس تعلیم کے علاوہ انھیں اس بات کی طرف بتایا کہ وہ بتوں کی عبادت ترک کر دیں اور اللہ کے ارادے کے آگے سر جھکا ئیں۔ پہلے پہل ان اور فطری دین کو ان لوگوں نے اختیار کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت قریب تھے۔ مثلاً آپ کی بیوی حضرت خدیجہ اور آپ کے چچے بھائی علی بن ابی طالب۔ لیکن اسکے بعد یہ بات صرف آپ کے اعزہ و اقارب تک ہی محدود نہ رہی بلکہ بعض اور اکابر قریش نے بھی اسے دل میں جگہ دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی تصدیق کرنے اور اسلام قبول کرنے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ عربوں میں سب سے سبقت لے گئے۔ مردوں میں سب سے پہلے یہی اسلام لائے۔ اسی سبقت کی وجہ سے صدیق کے نام سے موسوم ہوئے۔ اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں یہ بشارت دی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دوزخ سے بری کر دیا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب صحن کعبہ میں موجود تھے کہ اتنے میں حضرت ابو بکر آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ دوزخ سے آزاد کئے ہوئے شخص کو دیکھے تو اسے چاہئے کہ ابو بکرؓ کی طرف نظر کرے۔ اس لئے آپ عتیق کے نام سے بھی مشہور ہوئے۔

مسلمانوں کی پہچانی اپنے مسلمان ہونے کے تھوڑے ہی دنوں بعد حضرت ابو بکرؓ نے  
کے لئے جدوجہد دینی جدوجہد شروع کر دی اور دعوتِ اسلامی میں رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کا ہاتھ دیکھی سے بٹانے کے لئے تجارت چھوڑ دی۔ ان کی تحریک سے بہت سے

ایسے عرب مسلمان ہو گئے جن سے اسلام کو قوت پہنچی مثلاً حضرت عثمان بن عفان

حضرت زبیر بن العوام، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص

اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ - حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی راہ میں اپنا مال صرف کیا کرتے تھے۔ اس سے اسیروں اور قیدیوں کا فدیہ ادا کرتے۔ مسلمانوں کو غلامی سے آزاد کرتے اور ان کی مدد کرتے تھے۔

حضرت بلالؓ مؤذن رسولؐ کے حق میں قریش کی ایذا رسانی بڑی شدت اختیار کر گئی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ طرح طرح کا عذاب اٹھاتے تھے۔ مشہر کن قریش میں سے امیہ بن خلف الجعفی کا معمول تھا کہ جب دوپہر کو دھوپ بہت تیز ہو جاتی تو یہ بلال کو تپتی ہوئی ریت پر منہ اور پیٹھ کے بل لٹایا کرتا اور اپنے آدمیوں سے ایک پتھر کی رسل ان کی چھاتی پر رکھواتا اور حضرت بلالؓ سے کہتا جب تک تم مر نہ جاؤ یا محمد سے انکار کر کے لات و عزی کی عبادت نہ کرو گے اسی حالت میں رہو گے۔ ایسے وقت ان کے پاس ورقہ بن نوفل کا گزر ہوتا تو ان کی زبان پر ”احد احد“ کے الفاظ جاری ہوتے۔ یہ سن کر ورقہ بن نوفل کہتے۔ بخدا اے بلال ”احد احد“ غرض حضرت بلالؓ برابر اسی عذاب میں مبتلا رہے۔ یہاں تک کہ حضرت ابو بکرؓ نے انھیں خرید کر آزاد کر دیا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ اپنے مسلمان ہونے سے پہلے بنی مومن کی ایک کنیز لبینہ کو سخت عذاب دیا کرتے تھے پھر اسے بلا کر کہتے۔ ”میں نے تجھے کسی اور وجہ سے نہیں صرف تھک کر چھوڑ دیا ہے“ یہ کنیز اپنی تکلیفوں کا نشانہ بنی رہی۔ آخر حضرت ابو بکرؓ نے اسے خریدا اور آزاد کیا۔

واقعہ ہجرت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی جن عظیم الشان واقعات سے بھرپور حضرت ابو بکر صدیقؓ تھی اسی میں ایک نہایت اہم اور مخصوص نوعیت کا واقعہ آپ کا مدینہ کی طرف ہجرت کرنا اور ان لوگوں کے پاس قیام فرمانا ہے جو اہل مدینہ میں سے آپ پر ایمان لائے تھے تاکہ وہ آپ کو اور آپ کے اصحاب کو اپنے یہاں جگہ دیں اور آپ کی دعوت کی حمایت کریں جس سے قریش کو دشمنی تھی۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ جب اہل یشرب کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد و پیمانہ، خبر پہنچی تو اہل مکہ نے آپ کے قتل کے



سازش کی اور اس بڑی مہم میں مشورے کی غرض سے دارالندوہ میں جمع ہوئے۔ اس وقت ان میں سے بعض نے آپ کے قید کرنے کا مشورہ دیا، بعض نے شہر بدر کرنے کا اور بعض نے قتل کروانے کی رائے دی۔ آخر میں طے پایا کہ ہر قبیلے میں سے ایک ایک مضبوط جوان لیا جائے اور ان میں سے ہر ایک کو تیر تلواریں دیدی جائے۔ پھر وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر شخص واحد کی طرح متحدہ حملہ کریں۔ اس طرح ان کا خون تمام قبائل میں منقسم ہو جائے گا اور بنو عبدمناف تمام عربوں سے نہ لڑ سکیں گے۔ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَمْكُرُونَ  
وَيْكُمُرُ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرٌ الْمَاكِرِينَ (اس واقعہ کا بھی ذکر کئے جبکہ کافر لوگ آپ کی نسبت (بڑی بڑی) تدبیریں سوچ رہے تھے کہ آیا آپ کو قید کریں یا قتل کر ڈالیں یا آپ کو خارج وطن کر دیں۔ وہ تو اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ سب سے زیادہ مستحکم تدبیر کرنے والا ہے)

جب خطرہ کی ساعت بہت قریب آ پہنچی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دوست ابو بکرؓ کے سوا کسی کا خیال نہ آیا۔ اس لئے آپ تیزی سے ان کے گھر چلے تاکہ اس معاملے میں ان سے مشورہ کریں اور قریش کی سازش کے نسبت اللہ نے جو خبر دی ہے۔ اس سے انھیں مطلع کریں۔ آپ نے ان سے کہا "مجھے اللہ نے ہجرت کا حکم دیا ہے" حضرت ابو بکرؓ نے آپ سے درخواست کی کہ انھیں بھی ساتھ لے چلیں اور اس بات پر اصرار کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفیق ابو بکرؓ اپنے گھر کے پچھلے دروازے سے نکلے پھر جبل ثور کے ایک غار کی راہ کی راہ لی جو مکے کے پچھلے حصے میں ہے اور دونوں اس میں داخل ہو گئے۔

اس وقت حضرت ابو بکرؓ نے اپنے بیٹے عبد اللہ کو حکم دیا کہ اس دن لوگوں میں ان کی نسبت جو چہرچاہو ہمیں پر کان لگائے رکھنا اور جب شام کا وقت ہو تو غار میں آکر اس دن کی خبریں سنانا۔ ساتھ ہی اپنے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ کو حکم دیا کہ وہ دن بھر ان کی

بکریاں چرائے اور شام کو انھیں لئے ہوئے ان کے پاس آجائے۔ حضرت ابو بکر کی بیٹی حضرت اسماء شام کے وقت ان دونوں کے لئے مناسب کھانا لے کر پہنچا کرتی تھیں۔ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر کو قریش کی طرف سے ایذا پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ مگر دونوں نے صبر اختیار کیا۔ قرآن کریم سورہ توبہ میں اس جانب اشارہ کرتا ہے۔ اَلَا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذَا خَرَجَ الْمُذٰبِنُ كٰفِرُوۡا ثٰنِيۡ اٰثِنِيۡنِ اِذْ هَمَّ اَفِيۡ الْغَارِ اِذْ يَقُوۡلُ لِصٰحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنِ اللّٰهُ دَعٰنَا فَاَنْتَرٰنَا اللّٰهُ سَكِيۡنَةً عَلَيۡهِ وَاَيُّدَاۡهُۙ بِمُجۡنُوۡدٍ لَّمۡ يَرُوۡهَا وَاَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا السُّفٰلٰى وَاَكَلَمَتۡ اللّٰهُ هِيَ الْعَلِيۡا وَاَللّٰهُ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ۔ (اگر تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہ کرو گے تو اللہ تمہاری مدد اس وقت کر چکا ہے جبکہ تمہیں کافروں نے جلا وطن کر دیا تھا۔ جب کہ دو آدمیوں میں ایک تم تھے جس وقت دونوں غار میں تھے۔ تم اپنے ہمراہی سے کہہ رہے تھے کہ تم کچھ غم نہ کرو یقیناً اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ سو اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل پر اپنی تسلی نازل فرمائی اور تمہیں ایسے شکروں سے قوت دی جن کو تم لوگوں نے نہیں دیکھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کی بات نیچی کر دی (کہ وہ اپنی تدبیر میں ناکام ہے) اور اللہ ہی کا بول بالا رہا۔ اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔ سورہ توبہ پارہ ۱۰، ۱۱)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اللہ کی راہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کی حفاظت کے لئے جو عظیم الشان قربانیاں دی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے معترف تھے۔ جس وقت یہ دونوں حضرات غار میں تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر کی مخلصانہ جدوجہد کا ذکر ان الفاظ میں کیا۔ ان دونوں کے متعلق تم کیا گمان کرو گے جن میں کا تیسرا خود اللہ ہو۔

جناب صدیق کے | جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں مستقل طور پر قیام  
مخصوص مراتب | فرمایا تو وہاں بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ کے دست راست

بنے رہے اور سایہ کی طرح کبھی آپ سے جدا نہ ہوئے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جن خصوصیات سے سرفراز فرمایا صحابہ میں ان کے سوا کسی اور کو حاصل نہ تھیں۔ ابن خلدون لکھتا ہے :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے سیاسی امور میں گفتگو کرتے اور اپنے عام و خاص معاملات میں مشورہ بھی لیتے تھے۔ لیکن آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس شرف کے علاوہ اور خصوصیات سے بھی ممتاز فرمایا تھا۔ چنانچہ جو عرب کسری، قیصر اور نجاشی کے ممالک کو جانے بوجھے اور وہاں کے حالات سے واقف تھے۔ وہ حضرت ابوبکر کو حضور کا وزیر کہتے تھے۔

حافظ ابن حجر العسقلانی لکھتے ہیں :-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجنے کا ارادہ کیا تو اس بارے میں صحابہ سے مشورہ فرمایا۔ ہر ایک نے اپنی اپنی رائے پیش کی۔ حضرت ابوبکر نے بھی مشورہ دیا اس وقت حضور نے فرمایا: اللہ تعالیٰ عرش اعلیٰ پر اس بات کو ناپسند فرماتا ہے کہ ابوبکر سے کسی غلطی کا ارتکاب کرے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رنج و راحت، دکھ درد اور فتح و نصرت ہر حال میں ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ بٹایا اور سائے کی طرح سنا رہے۔ حدیث میں ہے: رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری خطبے میں ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو یہ اختیار دیا کہ وہ دنیا اور آخرت میں سے جسے چاہے اختیار کرے۔ اس نے آخرت کو اختیار کیا۔ یہ سنتے ہی حضرت ابوبکر بات کی تہ تک پہنچ گئے اور سمجھ لیا کہ بندے سے حضور نے خود اپنی ذات مراد لی ہے۔ اور آپ کی وفات کا وقت قریب آگیا ہے۔ اس خیال سے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور کہا: ہم اپنی اور اپنی اولاد کی جانیں آپ پر سے قربان کر دیں گے۔ آنحضرت

نے فرمایا ابو بکرؓ فراتھل سے کام لو، (پھر حکم دیا کہ) دو یہ دروازے اور گلیاں جو مسجد کی طرف کھلی ہوئی ہیں بند کر دینا، صرف وہ جو ابو بکر کے گھر کی ہیں چھوڑ دینا کیونکہ صحبت و رفاقت کے اعتبار سے میں ابو بکر سے زیادہ کسی کو افضل نہیں سمجھتا۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں دو ایک دفعہ میں نے آنحضرت سے پوچھا، یا رسول اللہ! انسانوں میں آپ کو سب سے زیادہ کون عزیز ہے، فرمایا عائشہؓ، میں نے عرض کی: اور مردوں میں؟ فرمایا ان کے پدر بزرگوار۔

چشمین رسولؐ | رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال فرمانے کی خبر مشہور ہوتے ہی مدینہ کا انتخاب کے لوگ ستیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو گئے۔ انتخاب امیر کے سوال پر مہاجرین اور انصار میں اختلاف ہونے لگا تو حضرت ابو بکر نے اٹھ کر تقریر کی اور انصار کو دلائل سے سمجھایا کہ امارت اور خلافت کا حق صرف خاندان قریش کو ہے اور عربوں کی اصلاح صرف اسی حالت میں ہو سکتی ہے کہ خلافت قریشیوں کے پاس رہے۔

ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اندیشہ تھا کہ اگر اس موقع پر لوگوں کو بیعت لئے بغیر چھوڑ دیا گیا تو ان میں بھڑک پڑ جائیگی اور حضرت ابو بکر کی تقریر کا سارا اثر خاک میں مل جائیگا اسلئے انھوں نے کھڑے ہو کر حضرت ابو بکر سے پوچھا، کیا آنحضرت نے آپ کو حکم نہیں دیا تھا کہ مسلمانوں کو نماز آپ پڑھائیں؟ لہذا آپ ہی آنحضرت کے خلیفہ ہیں۔ ہم سب آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے اور ہماری یہ بیعت اس شخص کے ہاتھ پر ہوگی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم سب سے زیادہ عزیز تھا، (یہ کہہ کر حضرت عمر نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے خلافت پر بیعت کر لی پھر حضرت ابو عبیدہؓ نے ہاتھ بڑھایا۔ لیکن حضرت بشیر بن

سعد انصاری ان دونوں پر سبقت لے گئے۔ یہ دیکھ کر تو مہاجرین اور انصار سبھی آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے۔ اس طرح ایک نیک طینت، پسندیدہ سیرت، پاکیزہ خصائل، صادق الامیان اور عقل و ایثار میں بہتری رکھنے والے شخص کا انتخاب عمل میں آیا۔

اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ منتخب ہو گئے

خطبہ خلافت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ اوصاف ان کے اس مختصر اور جامع خطبہ میں جھلک رہے ہیں جو انہوں نے بیعتِ خلافت کے بعد ہی مسجد نبوی میں

دیا تھا۔ یہ خطبہ اپنے اختصار کے باوجود بجا طور پر حکومت کے لئے ایک دستور کی حیثیت

رکھتا ہے، جس میں سنتِ رسول پر چلنے، دین کے لئے جہاد کرنے اور مسلمانوں کے درمیان

محبت و اتحاد پیدا کرنے کے عزمِ نہایت نمایاں ہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر فرمایا

”لوگو! اگرچہ میں تم سب سے بہتر نہیں لیکن تم پر امیر بنا دیا گیا ہوں۔ اگر میں کوئی نیک

کام کروں تو تم میری مدد کرو اور اگر مجھ سے کوئی برائی سرزد ہوتے دیکھو تو مجھے سیدھی راہ

پر ڈال دو، یاد رہو راست گفتاری امانت ہے اور دروغ گوئی خیانت۔ تم

میں سے کمزور انسان بھی میرے نزدیک قوی ہے تا وقتیکہ میں اس کا حق دوسرے

سے نہ دلوادوں۔ انشاء اللہ۔ اور تم میں کا طاقت و انسان بھی میرے نزدیک کمزور

ہے تا وقتیکہ میں اس سے دوسروں کا حق نہ لے لوں۔ انشاء اللہ۔ جو قوم بھی

خدا کی راہ میں جہاد چھوڑ بیٹھتی ہے اللہ تعالیٰ اس پر ذلت کو مسلط فرمادیتا ہے اور جب

بھی کسی قوم میں بے حیائی پھیل جاتی ہے اس پر خدا اپنے عذاب کو عالم کر دیتا ہے۔ تم

میری اس وقت تک اطاعت کرو جب تک میں خدا اور رسول کی اطاعت کرتا رہوں۔

اور اگر میں خدا اور رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت کرنا ضروری نہیں۔

اچھا اب تم نماز کے لئے کھڑے ہو جاؤ اللہ تم پر رحم فرمائے“

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تمام مواقع پر شجاعت اور ثابت قدمی

خصوصاً میں مشہور رہے ہیں۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد

آپ نے دعوتِ اسلامی کا بیڑا اٹھایا اور ایسے وقت عربوں میں اتحاد کی روح پھونکی

جب ان کی وحدت پارہ پارہ ہونے کو تھی۔ جن مرتدین نے زکوٰۃ دینے سے انکار

کر دیا تھا۔ ان کے خلاف آپ کا سخت قدم اٹھانا ہی آپ کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ آپ نے مسلمانوں کا ایک لشکر ان کی سرکوبی کے لئے بھیجا اور جس وقت وہ لوگ مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے تو آپ ان کے مقابلے کے لئے خود میدان میں نکل آئے اور حضرت اُسامہؓ کو مسلمانوں کے لشکر پر امیر بنا کر شام روانہ کر دیا۔ صحابہ اُس وقت آپ کو قسمیں دلا رہے تھے کہ اپنی جان خطرے میں نہ ڈالیں۔ مگر آپ اپنی رائے پر مصررہے اور کہا:

”خدا کی قسم میں ایسا نہیں کر سکتا۔ میں تو اپنی جان سے تمہاری مدد کروں گا۔ چنانچہ ایسے نازک موقع پر بھی آپ کے پائے استقامت کو ذرا جنبش نہیں ہوئی۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا فرمائی، اسلام کو سر بلند کیا اور مسلمان بخیر و خوبی مدینے واپس آئے۔ پھر آپ نے جزیرۃ العرب کے باہر اسلام کی اشاعت اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے مسلمانوں کا ایک لشکر روانہ کیا اللہ نے فارس اور روم کی عظیم الشان سلطنتیں مسلمانوں کے زیر نگیں کر دیں اور انھوں نے بہت سے شہر فتح کر ڈالے۔“

خلفائے راشدین میں سے حلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو جنگ کے آداب سکھائے۔ کمزوروں

جنگی آداب کی تعلیم

کے ساتھ خیر خواہی کرنے کی نصیحت کی اور عربوں کو ترغیب دی کہ وہ ذمیوں کے جان و مال کی حفاظت کریں اور ان کے دینی امور میں ان سے کوئی تعرض نہ کریں۔ چنانچہ جس وقت حضرت اُسامہ بن زید کو ملک شام کی طرف روانہ کیا تو ان سے مندرجہ ذیل خیانت نہ کرنا، بد عہدی نہ کرنا، عنایت کے مال میں سے کبھی کچھ چھپا کر نہ رکھنا، نعشوں کی ناک اور کان کاٹ کر صورت نہ بگاڑنا۔ کسی بچے، بوڑھے اور عورت کو قتل نہ کرنا، کھجوروں باغوں کو ویران نہ کرنا، ادنٹ گائے اور بکری کو بیکار ذبح نہ کرنا۔ دیکھو عنقریب ایک ایسی قوم کے پاس سے تمہارا گزر ہوگا جو خالق ہوں میں گوشہ نشینی کی زندگی گزار رہے ہوں گے۔ ان کو چھوڑ دینا۔ جن مشاغل کے لئے انھوں نے اپنے

اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہے ان میں خلل نہ ڈالنا۔ تم ایک ایسی قوم کے پاس سے بھی گذرو گے جنہوں نے اپنی چند یا منڈوا رکھی ہے اور ادھر ادھر کے بالوں کو پیٹوں کی طرح چھوڑ رکھا ہے، ان پر تلوار مارنا۔ اب تم اللہ کا نام لے کر کوچ کرو۔

**وفات** حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت زیادہ عرصہ تک نہ رہی دو ہی سال

بعد آپ دنیا سے رخصت ہو گئے لیکن تاریخ اسلام میں ہمیشہ کے لئے ایک نہایت تابناک دور قائم کر گئے۔ آپ تو انگری کی حالت میں اسلام لائے تھے مگر آپ نے اپنا تمام مال خدا کی راہ میں صرف کر دیا اور افلاس و تنگ دستی کے عالم میں وفات پائی۔ درہم و دینار کچھ نہ چھوڑے۔

آپ کی پوری زندگی نصیحت و ہدایت کا مرقع ہے۔ آپ صحابہ کی عبادت میں علم و پرہیزگاری، دینی سوجھ بوجھ، خوش بیانی، حسن فراست، پاکیزگی رائے اور باریک بینی کی صفات میں بہت مشہور تھے، آپ کے اس مختصر دور خلافت میں اسلام کی بنیادیں مستحکم ہو گئیں اور اسلام کو ضعیف العقیدہ اور کمزور دل کے لوگوں کی طرف سے کوئی اندیشہ نہ رہا۔ شام اور عراق کے بہت سے شہروں کی فتوحات آپ کے انتقال سے پہلے ہی مکمل ہو چکی تھیں۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ۶۳ سال تھی، آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن ہوئے اور دنیا و آخرت دونوں میں آپ کے رفیق رہے۔

۱۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت درحقیقت دو سال تین ماہ اور تیرہ روز تھی۔ (اداری)

# حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

(شہ ق ۵ - ۲۲۴ھ)

**نام و نسب** | حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان نامور مسلمانوں میں سے ہیں جن کے ذکر سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ تنہا آپ کی ذات میں اتنی صفات موجود تھیں کہ اکیلے ایک شخص میں بہت کم جمع ہوا کرتی ہیں۔ اسلام کی سر بلندی اور دولت اسلامیہ کی توسیع و تنظیم میں آپ کے اثرات بہت قوی ثابت ہوئے۔

آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے: عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبد العزی بن سباح بن کعب بن لوی۔ آپ خاندان قریش میں سے تھے اور آپ کا سلسلہ نسب بنی عدی پر جا کر ختم ہوتا ہے جو قریش کا ایک خاندان تھا اور اپنی شرافت و بزرگی میں مشہور تھا۔ باپ کی طرف سے آپ کا سلسلہ ساتویں پشت اور ماں کی طرف سے چھٹی پشت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اندر حق پرستی کی شدت دیکھی تو ان کی کنیت ابو حفص رکھ دی۔

**ولادت و نشوونما** | حضرت عمر رضی اللہ عنہ حرب فجار سے چار سال قبل مکہ میں پیدا ہوئے ایک روایت میں ہے کہ آپ کی ولادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے تیرہ برس بعد یعنی ۵۸۲ھ میں ہوئی تھی۔

۱۱ | حرب فجار اس لڑائی کا نام ہے جو حجازی قبیلوں کے درمیان ان مہینوں میں ہوئی تھی جن میں جنگ کربلا جیسی یہ بڑی لڑائی آنحضرت کو نبوت سے (۶۱۰) سال قبل ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر چودہ برس کی تھی۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: میں جنگ فجار میں اپنے چچاؤں کو تیر کپڑا تا تھا اور اس وقت میں چودہ برس کا تھا۔ (ادارہ)



ان کی تربیت و پرورش بھی قریش کے عالی خاندان اور ہونہار بچوں کے طریقے پر ہوئی۔ اس لئے فصاحت و بلاغت اور حق گوئی و بیباکی میں یہ اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ بچپن میں اپنے والد کی بکریاں چراتے تھے، اس کے بعد تجارت کا پیشہ اختیار کیا۔ اس سلسلے میں ان کی آمد و رفت شام کے شہروں میں رہا کرتی تھی اور اس ملک کے لوگوں کے حالات، ان کے طریقے اور عادات و اخلاق ان کی نظر میں تھے۔ اس لئے ان کی معلومات و تجربات میں کافی وسعت پیدا ہو چکی تھی۔

**قبول اسلام** | اسلام لانے سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ دعوتِ اسلامیہ کے سخت مخالفین میں سے تھے۔ مگر تھوڑے ہی دنوں بعد مسلمان ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فخلص پیروں اور اسلام کے جاں نثاروں میں شامل ہوئے۔ ان کے اسلام لانے سے اسلام کو بڑی تقویت پہنچی۔ آپ نے مسلمان ہونے ہی ارکانِ اسلامی کو چھپ کر ادا کرنے سے انکار کیا۔ آپ خوب جانتے تھے کہ قریش میں ایسا کوئی نظر نہیں آتا جو ان کے مقابلے کی جرأت کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے دعا فرمائی تھی: ”بارِ الہا تو دونوں عمروں یعنی عمرو بن ہشام اور عمر بن الخطاب میں سے کسی ایک کے ذریعہ اسلام کو غلبہ عطا فرما“

حضرت عمرؓ کی ولادہ اور بیباکی | حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا فتح، اور آپ کا ہجرت کرنا نصرت اور آپ کی خلافت رحمت تھی۔ بخدا ہم چاہتے تھے مگر خانہ کعبہ میں نماز نہیں پڑھ سکتے تھے۔ آخر کار جب حضرت عمر اسلام لائے اور اس سلسلہ میں کفار سے لڑے تب انہوں نے ہمیں چھوڑا اور ہم نے خانہ کعبہ میں نماز پڑھنا شروع کی۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ”میں جانتا ہوں ہاجرین میں سے ہر ایک نے خفیہ طور پر ہجرت کی تھی۔ ایک حضرت عمر رضی اللہ عنہ

ایسے تھے جنہوں نے علانیہ ہجرت کی تھی۔ انہوں نے جس وقت ہجرت کا ارادہ کیا تو تلوار گلے میں لٹکائی، کمان کندھے پر رکھی، ہاتھوں میں تیر بکڑے اور مختصر سا کنبہ ساتھ لیا اور کعبے میں آئے۔ یہاں سرداران قریش کی ایک جماعت کعبے کے صحن میں بیٹھی تھی۔ حضرت عمرؓ نے نہایت اطمینان سے سات مرتبہ خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ پھر مفاہیر ابراہیم پر آئے اور بڑے وقار سے نماز پڑھی۔ اس کے بعد قریش کے ایک ایک حلقے میں کھڑے ہوئے اور ان سے کہا: "ان کی صورتیں مسخ ہو جائیں، یقین رکھو خدا دشمنان دین کو مغلوب کر کے رہے گا۔ جو چاہتا ہو کہ اسکی ماں اُس کے وجود سے محروم ہو جائے۔ اس کے بچے یتیم اور بیوی بیوہ ہو جائے تو وہ مجھ سے وادی کے اس پار اگر ملے! حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "پھر کوئی ان کے پیچھے نہیں آیا۔ البتہ جو لوگ قوم میں نہایت کمزور سمجھے جاتے تھے۔ ہجرت کی غرض سے ان کے پیچھے ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے ان کی رہبری نہ مانی اور اور اپنا رستہ لیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لاتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معتمد و مقرب بن گئے۔ اکثر معاملات میں حضور کو مشورہ دیتے تھے۔ جن میں سے بیشتر کی نسبت قرآن کریم کی آیتیں نازل ہوئیں اور لیا اوقات ان کے مشورے کے ہی مطابق ہوتیں۔

حضرت ابو بکر کی خلافت اور حضرت عمرؓ

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے قیام میں حضرت عمرؓ کی سعی قابل تحسین ہے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضورؐ کی جانشینی کے مسئلہ پر مہاجرین اور انصار کے درمیان اختلاف کی وجہ سے حالات کے ناہموار ہونے کا جو اندیشہ پیدا ہو گیا تھا اسے حضرت عمرؓ نے ختم کر دیا۔ آپ نے سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا: "کیا آپ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی نماز پڑھانے کا حکم نہیں دیا تھا۔ یہ صحیح ہے تو آپ ہی کے خلیفہ میں ہم سب آپ سے بیعت کریں گے۔ ہم تو آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے جو ہم میں آنحضرت کو سب سے زیادہ عزیز تھا" پس یہ کہہ کر حضرت ابو بکر

کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ حضرت عمرؓ کا ہاتھ بڑھانا ہی تھا کہ مہاجرین اور انصار بھی یکے بعد دیگرے بیعت کرنے لگے۔ اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدا داد مہارت اور شجاعت کی بدولت حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کا مرحلہ طے ہوا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اہم معاملات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیتے تھے اور مقدمات کے فیصلے ان ہی کے سپرد کرتے تھے۔ مرتدین سے جنگ کے موقع پر بھی حضرت عمر ہی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دست راست تھے۔ قرآن کی جمع و تدوین کی سعادت بھی آپ ہی کو حاصل ہوئی۔

خلیفہ اولیٰ کی | حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شجاعت، کار  
جانشینی | گذاری، حسن سیاست، اور اسلام کی اشاعت و تبلیغ میں ان کے  
اثرات کے بڑے معترف تھے۔ اسی لئے انہوں نے اپنی وفات کے قریب حضرت عمرؓ ہی  
کو خلافت کے لئے نامزد کیا اور صحابہ نے اس حسین انتخاب سے اتفاق کیا کیونکہ حضرت  
عمرؓ سب کی نگاہوں میں بڑے معزز اور محترم تھے اور صحابہ کو ان پر پورا اعتماد تھا۔  
جس وقت حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے آپ نے منبر پر چڑھ کر لوگوں کو خطبہ  
دیا اور اس میں اس سیاسی طریق کار کی وضاحت کی جسے وہ اپنے دورِ خلافت  
میں اختیار کرنا چاہتے تھے۔ آنے فرمایا: ”میں کچھ باتیں کہوں گا تم سب ان پر آمین  
کہنا۔“ یہ کہہ کر اپنی خلافت میں سب سے پہلی بات یہ کہی: ”دیکھو عرب کی مثال  
ایک خوددار اونٹ کی سی ہے جو اپنے ساربان کے پیچھے پیچھے چلتا ہے اس لئے  
ساربان پر نظر رہنی چاہیے کہ وہ کہاں لے جاتا ہے۔ رہا میں تو مجھے رب کی قسم  
ہے میں انہیں راہِ راست پر ہی لے جاؤں گا۔“

اسلامی فتوحات کی تکمیل زیادہ تر عہدِ فاروقی ہی میں ہوئی۔ فارس، فلسطین،  
شام، مصر اور بصرہ آپ ہی کے دور میں فتح ہوئے اور عربوں کی حکومت کا رقبہ فارس

اور روم کی دونوں سلطنتوں کے رقبے کے برابر ہو گیا۔

نظام حکومت کی تشکیل اور محکلات کی تنظیم | حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حکومت اسلامی کے

لئے سیاسی دستور وضع کیا اور اسکی تنظیم فرمائی۔ آپ کی سیاست یہ تھی کہ عربوں کے شہروں میں باہمی میل جول قائم رہے اور قبائل کو ایک دوسرے سے ملا دیا جائے۔ تاکہ یہ سب ایک امت یا ملت عربیہ بن جائیں۔ جب عربی حکومت قیصر و کسریٰ کے خزانوں پر قابض ہونے کی بدولت دو لگتی ہو گئی تو حضرت عمر نے ان اموال کو مسلمانوں میں تقسیم کر دینا ہی مصلحت سمجھا اور اس تقسیم میں ان کے مرتبے اور اسحقاق کا لحاظ رکھا۔ پھر اپنے آمدنی اور خرچ کے ضبط و نظم کے لئے دفاتر کا وہی نظام رائج کیا جس پر اہل فارس عمل عمل پیرا تھے۔ مسلمانوں اور ذمیوں کے ساتھ نہایت مسقفانہ برتاؤ کیا جس کی بنیاد بے لاگ عدل پر قائم تھی۔ آپ نے فوجیوں کے نام درج کرنے کے لئے ایک فوجی محکمہ قائم کیا جس میں ان کے وظائف کا اندراج ہوتا تھا۔ اسی طرح آپ نے محصول اور ٹیکس کے لئے ایک محکمہ کھولا۔ بیت المال میں جو کچھ آتا اور اس میں سے مسلمانوں کو جو کچھ دیا جاتا اس محکمہ میں درج کیا جاتا۔

عہد فاروقی میں عربی مملکت بہت وسیع ہو گئی تو آپ نے تمام شہروں کو ایک بڑی انتظامی تقسیم کے ماتحت منقسم فرمایا تاکہ ان پر آسانی سے حکومت کی جاسکے اور آمدنی کے ذرائع پر معقول نگرانی بھی ہو سکے۔ تمام شہروں میں حاکم اور والی مقرر کئے۔ یہ حکام اپنے اختیارات خلیفہ سے اخذ کرتے تھے جو تمام تنفیذی اور عدالتی اختیارات کا جامع تھا۔ عربوں میں سے والیوں کے تقرر کا اختیار بھی خلیفہ ہی کو ہوتا تھا۔ بعد کے خلفائے راشدین اور اموی خلفاء نے آپ کے انہی سیاسی اصولوں پر عمل کیا۔

عمال و حکام کے حالات کی پرکاش | حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جب وفد آتے

خواہ حج کے زمانہ میں خواہ اور اوقات میں تو آپ ان سے ان کے امرا اور حکمران طبقے کے حالات اور عادات کی نسبت استفسار فرماتے۔ حضرت اسود بن ابی یزید راوی ہیں کہ جس وقت کوئی وفد حضرت عمرؓ کے پاس آتا تو آپ اس سے ان کے امیر کے متعلق دریافت فرماتے۔ اگر وہ اچھے الفاظ میں ذکر کرتے تو پوچھتے کیا وہ بیماری کی مزاج پر سی کرتا ہے،؟ وہ کہتے ”جی ہاں“ پھر پوچھتے ”ضعیف کے ساتھ اس کا برتاؤ کیسا رہتا ہے اور کیا وہ اپنے دروازے پر بھی آکر بیٹھتا ہے؟“ اگر اہل وفد ان سوالات میں سے کسی کا جواب نفی کی صورت میں دیتے تو حضرت عمر اس حاکم کو معزول کر دیا کرتے تھے۔

اسی طرح آپ بسا اوقات مسلمانوں کے گھر خود جایا کرتے اور رعایا کے حالات بنفس نفیس معلوم کیا کرتے۔ قرآن پڑھتے ہوئے بازاروں میں گھومتے پھرتے۔ جہاں لوگوں کو جھگڑتے ہوئے دیکھتے تھے فیصلہ فرما دیتے تھے۔ آپ کا ارادہ یہاں تک تھا کہ اسلامی ملکوں میں خود جانیں اور ان میں گھوم پھر کر رعایا کے صحیح صحیح حالات معلوم کریں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا: اگر میں زندہ رہا تو پورا ایک سال رعایا میں گزاروں گا۔ مجھے معلوم ہے کہ لوگوں کی بہت سی ضرورتیں مجھ تک پہنچنے سے پہلے ہی ختم کر دی جاتی ہیں۔ ان کے حکام ان کی ضرورتیں میرے سامنے پیش نہیں کرتے اور لوگ خود میرے پاس پہنچتے نہیں۔ لہذا میں خود شام جاؤں گا اور وہاں دو مہینے رہوں گا۔ پھر جزیرہ پہنچوں گا اور دو مہینے رہ کر مصر روانہ ہوں گا۔ یہاں دو مہینے گزار کر کوفے جاؤں گا۔ وہاں بھی دو مہینے رہوں گا، پھر بصرہ جا کر دو ماہ ٹھہروں گا۔ بخدا یہ سال کتنا اچھا رہیگا!

حضرت عمرؓ خراج جمع کرنے کی نگرانی خود فرماتے تھے۔ عاملوں اور خراج کے حاکموں کے ساتھ سختی سے محاسبہ کرتے تھے۔ عمال پر نگرانی میں شدت کا یہ حال تھا کہ جب لوگوں کو والی بنانے لگتے تو پہلے ان کے ذاتی اموال شمار کر لیتے۔ اس دولت کے کل یا بعض میں سے جو کچھ زیادہ نکلتا تو اسے بیت المال میں جمع کروا دیتے۔ ہاں

اگر یہ بات ثابت ہو جاتی کہ فاضل رقم کسی عامل کے پاس جائز طریقے سے آئی تھی تو وہ رقم اس کو مل جاتی۔

**ایک خطا کار کے گھر میں** | ایک رات کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پاسبانی کی غرض سے شہر میں گشت کر رہے تھے۔ اتفاقاً ایک

مکان کے پاس سے گزر ہوا اور ایک ایسی آواز سنی جس سے آپ کو شک ہو گیا اور دیوار پر چڑھ گئے۔ دیکھا کہ ایک مرد بیٹھا ہے۔ اُس کے پاس ایک عورت ہے۔ پس یہی شراب کی مشک رکھی ہے، آپ نے کہا اے دشمن خدا کیا تو نے یہ سمجھ لیا کہ تو گناہ کرتا رہیگا اور اللہ تعالیٰ تیری پردہ پوشی فرماتا رہیگا، یہ سن کر اس نے کہا امیر المؤمنین عجلت نہ کیجئے، اگر مجھ سے ایک خطا ہوئی ہے تو آپ نے تین خطائیں کی ہیں۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے وَلَا تَجَسَّسُوا تم لوگوں کے عیوب کا کھوج نہ لگایا کرو، اور آپ نے کھوج لگایا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (وَأَنذِرُوا لِبِئُوتٍ مِّنْ أُولَئِكَ لَئِن كَانُوا يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُونَ) اور آپ دیوار بچا نہ کر آئے ہیں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا (إِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا) اگر تم گھروں میں آؤ تو سلام کرو۔ اور آپ نے سلام بھی نہیں کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر میں تمہیں معاف کر دوں تو پھر تو بھلائی اختیار کر لو گے، اُس نے کہا ہاں، بخدا آئینہ سیاہ کروں گا، آپ نے فرمایا اچھا جاؤ میں نے تمہیں معاف کیا۔

**شکروں کی تنظیم اور روانگی** | حضرت عمرؓ نے فوج کے کمانڈروں کے لئے

دیا۔ چنانچہ جس وقت حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو بلاد فارس کا فتح کرنے کے لئے بھیجا تو انھیں لکھا "دو مسلمانوں کو آہستہ لیجانا۔ تیز نہ جانا کہ وہ تھک جائیں اور کسی ایسے مقام پر نہ اتارنا اور نہ کہیں اتنی دیر لگانا کہ دشمن تمہارے پاس آجائے، اور سفر سے روانگی کی قوت ٹوٹ جائے کیونکہ وہ ایسے دشمن کی طرف جا رہے ہیں جو مقیم۔"

ہے اور ہر طرح سے حفاظت میں ہے بولشی بھی اُس کے پاس موجود ہیں تم اپنے ساتھ والوں کے ہمراہ ہر جمعہ کو ایک دن اور ایک رات قیام کرو تاکہ انہیں راحت نصیب ہو وہ میں دم آئے اور وہ اپنے ہتھیار وغیرہ رکھ سکیں جب دشمن کی سرزمین میں داخل ہو جاؤ تو ان کے اور اپنے درمیان جاسوسوں کا تانتا باندھ دو۔ ان کے معاملات میں سے کوئی بات تم سے مخفی نہ رہے۔ ایسے وقت میں عربوں میں یاد ہاں کے مقام باشندوں میں سے کوئی شخص تمہارے پاس رہنا چاہیے جس کی خیر خواہی اور پہچانی پر تمہیں اطمینان ہو۔ دشمن کی سرزمین میں پہنچتے وقت تمہیں چاہیے کہ اپنی طرف سے بہت سے ہراول دستے بھیجو اور اپنے اور ان کے درمیان فوجی دستے پھیلاؤ۔

**قاضیوں کا تقرر** حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے اسلامی مملکتوں میں قاضی مقرر کئے اور ان کے لئے ایک دستور وضع کر دیا تاکہ

وہ احکام میں ایسی کے مطابق عمل کرتے رہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو مکتوب حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو بھیجا اُس میں لکھا تھا۔ مقدموں کا فیصلہ کرنا ایک محکمہ قضیہ ہے اور ایک ایسی سنت ہے جس پر ہمیشہ سے عمل ہوتا رہا ہے۔ سمجھ لو کہ تمہارے پاس جب لوگ کوئی جھگڑا لے کر آئیں تو اس میں ایسی حق گوئی سو مند نہیں جس کا نفاذ ممکن نہ ہو۔ ثبوت پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہے اور منکر پر قسم واجب ہے۔ مسلمانوں میں جائز ہے مگر ایسی صلح رونا نہیں جس سے حرام چیز حلال یا حلال چیز حرام ہو جائے جس مسئلے میں تمہیں کوئی شبہ ہو جائے اور یہ دیکھو کہ اس کے بارے میں کتاب اللہ اور سنت رسولؐ خاموش ہیں تو پھر اسکو خوب سوچو اور اچھی طرح غور کرو۔ اس کے نظائر و امثال دیکھو اور انہی امور پر ان کے نظائر کو قیاس کرو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انصاف کا یہ حال تھا کہ آپ نے کسی شخص سے کہا :  
 ”مجھے تم سے محبت نہیں ہے“ : وہ بولا تو کیا آپ میرے حق میں سے کچھ کمی کر دیں گے؟  
 آپ نے فرمایا : ”نہیں“۔ اس پر اس شخص نے کہا یہ صورت ہے تو محبت سے عورتوں  
 کے سوا اور کوئی خوش نہ ہو گا (یعنی جب آپ کے محبت کرنے سے حق گزار ہی میں کوئی کمی  
 نہ ہوگی تو اس کی کوئی پروا نہیں)

**احتیاط اور دوراندیشی** | حضرت عمر کی احتیاط اور دوراندیشی آپ کے دور  
 خلافت کی خصوصیات میں سب سے زیادہ نمایاں

درجہ رکھتی ہے۔ آپ کی احتیاط کا یہ حال تھا کہ جب کسی چیز کا حکم دیتے یا کسی بات کی  
 ممانعت فرماتے تو اسکی ابتدا اپنے گھر سے کرتے تمام خاتمان والوں کو جمع کرتے اور ان سے  
 کہتے: میں نے فلاں باتوں کی ممانعت کی ہے۔ اب لوگوں کی نگاہیں تم پر اس طرح  
 پڑیں گی جس طرح پرندوں کی نگاہیں گوشت پر لگی رہتی ہیں۔ لہذا اب تم میں سے کسی کو  
 میں ان باتوں کا مرتکب نہ پاؤں ورنہ خدا کی قسم اُسے دو گنی سزا دیں گا۔

**تواضع اور منکسر المزاجی** | حضرت عمر رضی اللہ عنہ سخت گیر ہی میں اتنے مشہور  
 ہونے کے باوجود متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ سفر

شام کے موقع پر آپ نے جو لباس اور وضع اختیار فرمائی وہ آپ کی منکسر المزاجی کی  
 شان دار مثال تھی۔ فارس کا جنرل ہرمزان جو آپ سے ملنے کے لئے مدینہ آیا تھا  
 محض آپ کی معمولی پوشاک اور سادہ وضع کے باعث آپ کو پہچان نہ سکا۔ یہ ایک  
 حقیقت ہے کہ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود موٹا جھوٹا اور سادہ کپڑا پہنتے تھے اور  
 منکسر المزاج تھے۔ اس لئے آپ کے ماتحت بھی اعمال و اخلاق میں آپ کی پیروی  
 کرتے تھے۔

**شہادت** | حضرت عمر رضی اللہ عنہ فطرۃ حاکم پیدا ہوئے تھے اور یہی وجہ ہے کہ آپ کی



زندگی کا ہر قدم اپنی خصوصیات میں بے مثل نظر آتا ہے۔ آپ بڑے خدائرس اور زاہد تھے تنگی سے گزر بسر کرتے تھے اپنے آپ کو اور دوسروں کو بڑی سے بچانے کا سختی سے خیال رکھتے تھے۔ آپ کو قرآن سے بڑا لگاؤ رہتا تھا۔ لیکن ایسے اہم تیاری کارناموں اور اتنی لیسزیرہ صفتوں کے باوجود آپ فارس کے ان غلاموں کی عداوت کا نشانہ بن گئے جو محض اس لئے عربوں کے خلاف غصہ اور کینے کے جذبات چھپکے ہوئے تھے کہ عربوں نے ان کے ملکوں کو فتح کر کے ان کی بادشاہت ختم کر دی تھی۔ ان لوگوں نے اس کا انتقام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذات سے لینے کا عزم کر لیا۔ فارس کے انہیں غلاموں میں سے فیروز نامی ایک غلام نے جو ابولؤلؤہ کے نام سے مشہور تھا آپ کو شہید کر دیا۔ یہ حضرت مغیرہ بن شعبہ کا غلام تھا۔ اس بد بخت نے آپ پر دو دھاری خنجر سے چھ وار کئے۔ ان میں سے ایک ناف کے نیچے پڑا اور اسی وار نے آپ کی جان لی۔ ابھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو دس برس اور چھ مہینے ہی ہوئے تھے کہ ماہ ذی الحجہ ۲۳ھ میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر ۶۳ (تریسٹھ سال کی تھی۔ اسی عمر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور اسی عمر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وفات پائی اور آپ انہیں حضرات کے قریب دفن ہوئے۔

عہد فاروقی میں اسلام کی بنیادیں مستحکم ہو گئی تھیں اسلامی مملکت کا رقبہ بہت وسیع ہو گیا تھا اور مشرق میں حدود چین سے لے کر مغرب میں بحر اطلس تک عربوں کے اثر و نفوذ کی راہیں ہموار ہو گئی تھیں۔

# حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

س۳۵ — — — س۳۶

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ خلفائے راشدین میں تیسرے خلیفہ ہیں رسالتہا ب صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد اور آپ کے معتمد و مؤنس تھے۔ ان کا نام عثمان بن عفان ابن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی الاموی القرشی ہے اور کنیت ابو عبد اللہ، ابو عمر اور لقب ذوالنورین ہے۔ اس لقب کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے آپ کے نکاح میں آئیں اور یہ سعادت کسی اور کو نصیب نہیں ہوئی۔ آپ کی والدہ کا نام اروالی بنت کریر بن کریر بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس تھا۔ اور اردوی کی ماں عبدالمطلب کی بیٹی بیضا رتھیں جو حضرت کی پھوپھی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبد اللہ اور بیضا دونوں ایک ساتھ پیدا پیدا ہوئے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ولادت واقعہ فیل سے چھ سال بعد ہوئی۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ آنحضرت صلی اللہ

## ولادت و تربیت

علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے پانچویں سال پیدا ہوئے۔ آپ کی تربیت اور پرورش بھی اسی طریقہ پر ہوئی ہے جس طریقہ پر سرداران قریش اور مکہ کے مشرفا کی ہوتی تھی۔ آپ نے شرفائے قریش ہی کی طرح تجارت سے بڑی دولت پیدا کر لی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے سرفراز فرمایا تاکہ آپ دنیا کو یہ ابدی تعلیم دیں کہ اللہ تعالیٰ کی

ذات ایک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ محمد خدا کے سچے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ انسان کے اعمال کی نگرانی اور نیکداشت کرتا ہے وہی ہر نیک و بد کو کرنے کے بعد اسکے عمل کے مطابق جزا بھی دینگا اور سزا بھی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بت پرستی سے روکا اور حکم الہی پر چلنے کی دعوت دی۔ اس بلند اور جامع دین کو پہلے انھیں لوگوں نے قبول کیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ہی قریبی تعلق رکھتے تھے اور اس کے بعد بعض اور اکابر قریش مسلمان ہوئے۔ مثلاً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد پہلے جو پانچ اشخاص اسلام لائے وہ حضرت ابوبکر ہی کے ذریعے مسلمان ہوئے ان میں حضرت عثمانؓ بھی تھے۔ اس وقت ان کی عمر بیس برس سے زیادہ نہ تھی

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نیکی اور حسن

## حضرت عثمانؓ کے فضائل

اخلاق کی وجہ سے بہت محبوب رکھا۔ انھیں اپنا مقرب اور معتمد بنا لیا اور اس کے بعد اپنی صاحبزادی حضرت رقیہ سے ان کی شادی کر دی۔ جب حضرت رقیہ کا انتقال ہو گیا تو دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے ان کا نکاح کر دیا۔ جب ان کا بھی انتقال ہو گیا تو آپ نے فرمایا اگر میرے کوئی اور لڑکی بھی ہوتی تو میں اسکو بھی تم سے بیاہ دیتا۔ حدیث میں آتا ہے کہ "رسالت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور میں نے پروردگار سے یہ دعا مانگی ہے کہ جس نے مجھ سے رشتہ داری کی یا میں نے جس سے رشتہ کیا وہ دوزخ میں نہ جائے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں حضرت عثمان کا جو مرتبہ تھا وہ اس سے ظاہر ہے کہ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان دس صحابہ میں شمار فرمایا ہے۔ جنہیں زندگی ہی میں جنت کی بشارت سنائی گئی تھی۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو دیتیا میں جنت کی خوشخبری سنائی اور اپنے گھر والوں میں سے شمار فرمایا۔ ان کے شہید ہونے کی شہادت دی اور ارشاد

فرمایا: ہرنی کا ایک رفیق ہوگا اور جنت میں میرے رفیق حضرت عثمانؓ ہوں گے  
جلتہ کی طرف ہجرت | قریش نے جب مسلمانوں کو سخت تکلیفیں پہنچانا شروع کیں  
تو مسلمانوں نے شاہ جلتہ کے عدل اور نرم برتاؤ کا شہرہ سن کر ملک جلتہ کا رخ کیا کیونکہ  
حضور نے فرمایا تھا اس ملک کا بادشاہ کسی ظلم نہیں ہونے دیتا اور یہ سچائی کی سرزمین  
ہے۔ اس موقع پر جو لوگ مکہ سے جلتہ کی طرف ہجرت کے لئے نکلے ان میں حضرت عثمان  
رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان کے ساتھ ان کی اہلیہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔  
آپ نے اسلام کی بلندی اور حق کو فروغ دینے کے لئے تجارتی خسارہ کی بھی کچھ پروا نہ  
کی اور جلتہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ مہاجرین کو جب قریش کے ظلم و ستم ترک کرنے  
اور حضور سے اچھی طرح پیش آنے کا حکم ہوا اور انھیں یہ اندازہ ہو گیا کہ قریش نے اپنی چالوں  
میں ناکام ہونے کے بعد حضور کو ایذا پہنچانا اور تکلیف دینا چھوڑ دیا ہے تو حضرت عثمان  
رضی اللہ عنہ مکہ واپس آ گئے۔

حضرت عثمانؓ کی مالی قربانیاں | جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مخلص  
رفیق حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ  
کی طرف ہجرت فرمائی تو حضرت عثمانؓ نے بھی مدینہ ہجرت کی۔ یہاں آ کر یہ خدمت رسول  
میں مصروف ہو گئے اور اپنا مال حضور پر اور شاعت اسلام پر قربان کرنے لگے مسلمانوں  
کو بیرونہ سے پانی لینے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ یہ کنواں ایک یہودی کی ملکیت تھا  
اور وہ اس کا پانی مسلمانوں کے ہاتھ بیچا کرتا تھا۔ یہ دیکھ کر حضور نے فرمایا کہ جو بھی بیرونہ  
کو خریدے اور پھرا پیئے ساتھ مسلمانوں کو بھی پانی لینے دے اسکو جنت میں پانی کا ایک  
گھاٹ ملے گا۔ یہ سنتے ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس یہودی کے پاس گئے  
اور کنوئیں کے متعلق بات چیت کی۔ اس نے پورا کنواں بیچنے سے انکار کر دیا مگر آدھا  
بیچنے پر رضی ہو گیا۔ آپ نے آدھا کنواں بارہ ہزار درہم میں خرید لیا اور اسکو مسلمانوں

کے لئے وقف کر دیا۔ جب یہودی نے یہ دیکھا تو کہنے لگا تم نے تو میرے کنوئیں کا ستیاناس کر دیا۔ اب باقی نصف بھی تم لے لو۔ حضرت عثمان نے اسے بھی آٹھ ہزار درہم میں خرید لیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کو بڑھانے کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا: ہماری مسجد کون بڑھائے گا؟ اس وقت بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پانچ فیصلوں کے برابر جگہ خریدی اور اسے مسجد میں اضافہ کیا۔ اسی طرح آپ اکثر معرکوں میں حضور کے ساتھ شریک رہے اور اللہ کی راہ میں صرف مال ہی خرچ کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ خدا کی راہ میں اپنا خون بہانے کے لئے بھی آمادہ رہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بدر کی شرکت سے بڑھ کر کوئی چیز عزیز نہ تھی لیکن مجبوری تھی، آپ کی اہلیہ حضرت رقیہ سہمت بیمار تھیں، ان کی دیکھ بھال کرنی پڑتی تھی اور راتوں کو جاگنا پڑتا تھا چنانچہ حضور نے انہیں مدینے میں رہ جانے کی اجازت دی اور ان سے کہا واپس جاؤ۔ اس لئے حضرت عثمانؓ شرکائے بدر میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ کمالِ غنیمت میں سے حصہ دیا گیا۔ حضرت رقیہ کا انتقال ۳ھ میں عین اُس وقت ہوا جب کہ حضور کو جنگ بدر کی فتح کی خوشخبری سنائی گئی تھی۔

رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے  
بیعتِ رضوان وغیرہ | بہت سے معاملات میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

مدد لیتے تھے۔ یہ حضور کے کاتبان وحی میں سے تھے۔ جس وقت قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکے میں عمرہ ادا کرنے سے روکا تو ۶ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی کو سفیر بنا کر کفار قریش کے پاس بھیجا۔ جب ان کے قتل

ملہ فن میں صرف یہ الفاظ ہیں: فامشتری عثمان رضی اللہ عنہ موضع خمس  
سوار۔ اور انہیں کا یہ ترجمہ ہے۔ تاریخ کی کتابوں میں آیا ہے کہ حضرت عثمان نے مسجد میں طلا بے گن  
اور عوضاً تیس گز کا اضافہ کیا تھا (تاریخ اسلام حصہ اول)

ہو جانے کی افواہ پھیلی تو مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی جو بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے۔ یہ بیعت مقام حدیبیہ میں ہوئی جو مکہ سے قریب ہی ایک مشہور مقام ہے۔ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کی طرف سے اپنے ہی ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور جب یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قتل نہیں ہوئے تو ارشاد فرمایا کہ اللہ کے رسول کا ہاتھ عثمان کے حق میں خود ان کے ہاتھ سے بہتر تھا۔ اسی لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں بھی شمار کئے گئے ہیں۔

**جیش العسرت کی امداد** ۹ھ میں جب مسلمانوں نے جنگ تبوک کی تیاریاں کیں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دین کی ترویج و ترقی کے لئے دل کھول کر مال خرچ کیا۔ جیش العسرت کے نام سے جو لشکر مشہور ہے اسے تیار کرنے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بڑا حصہ لیا۔ آپ نے نو سو اونٹ، سچاس گھوڑے اور ایک ہزار دینار دیئے تھے۔ اسی کا اثر تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے انتقال فرمانے تک جن چھ صحابہ سے خوش رہے ان میں حضرت عثمان بھی شامل ہیں۔

**جانشینی کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وصیت** | جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

رحلت نہر مائی تو آپ کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا معتمد اور کاتب بنایا اور ان سے اہم معاملات میں مشورہ لینے لگے۔ اس کے بعد جب حضرت ابو بکر نے اپنے انتقال کے وقت حضرت عمر کو خلیفہ منتخب کیا تو حضرت عثمان کو بلا کر حضرت عمر کی جانشینی کی تحریر

لکھوائی۔ پھر جیب زخم کھانے کے بعد حضرت عمرؓ کا آخری وقت آیا اور صحابہ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں ناگزیر ساعت ان کے کسی کو خلیفہ بنانے سے پہلے نہ آتی ہے۔ اس لئے انہوں نے حضرت عمرؓ سے اصرار کیا کہ اپنا جانشین مقرر کر دیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا: تم ان چند لوگوں کے گروہ کو نہ چھوڑنا جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخر وقت تک راضی رہے اور ان کی نسبت فرمایا کہ یہ لوگ اہل جنت میں سے ہیں وہ لوگ یہ ہیں: علی بن ابی طالب، عثمان بن عفان، سعد بن ابی وقاص، عبد الرحمن بن عوف، زبیر بن العوام، حواری و ابن عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، طلحہ ابن عبید اللہ، عبد اللہ بن عمرؓ بشرطیکہ خلافت میں ان کا کوئی حصہ نہ ہو۔

**حضرت عثمان کے انتخاب کی تفصیل** | حضرت عمرؓ کے انتقال کے بعد یہ لوگ | المسود بن حزمہ کے گھر جمع ہوئے۔

ان میں صرف حضرت طلحہ موجود نہ تھے۔ لیکن جلد ہی ان حضرات کے درمیان اس معاملہ میں اختلاف ہو گیا۔ حضرت ابو طلحہ انصاری نے ان سے کہا۔ مجھے اس کا بڑا ڈر ہے کہ تم لوگ خلافت سے دست بردار ہونے کے بجائے اس پر آپس میں مقابلہ پیرا پیرا آؤ گے۔ اس وقت حضرت عبد الرحمن بن عوف نے کہا۔ تم میں سے کون شخص اس بار سے سبک دوش ہونے اور اسے اپنے سے زیادہ فاضل شخص کے سپرد کرنا چاہتا ہے۔ جب انہیں اس بات کا کسی نے جواب نہیں دیا تو حضرت عبد الرحمن نے کہا ”میں اپنے آپ کو اس بار سے سبک دوش کرتا ہوں“۔ لوگ اس بات پر راضی ہو گئے۔ اب حضرت عبد الرحمن نے صحابہ، امرائے لشکر، اور روساء سے مشورہ کرنا شروع کیا کہ ان لوگوں میں سے کس کو خلیفہ منتخب کرنا درست ہو گا۔ اس وقت بعض لوگ حضرت علیؓ کا مشورہ دینے لگے اور بعض نے حضرت عثمان کی نسبت رائے دی۔ حضرت عبد الرحمن نے حضرت علیؓ سے کہا:

اگر خلافت آپ کے لئے نہ ہوئی تو اس کے لئے آپ کس کو پسند کریں گے؟ انہوں نے کہا: "عثمان کو" پھر یہی سوال حضرت عثمان سے کیا: انہوں نے جواب دیا: "علی کو" اس طرح خلافت کا استحقاق حضرت علیؑ اور حضرت عثمانؓ کے درمیان محدود ہو گیا۔ اور ان دونوں کے حامیوں کے درمیان اختلاف کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ اتنے میں عمار بن یاسر اٹھے اور کہا: اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ لوگوں میں اختلاف برپا نہ ہو تو علی کے ہاتھ پر بیعت کر لیجئے۔ مقداد ابن الاسود نے کہا: "عمار نے سچ کہا" اگر آپ علیؑ سے بیعت کریں گے تو ہم سَبِئْنَا وَاطْعَنَّا (بر و چشم) کہیں گے پھر عبداللہ بن ابی سرح اٹھے اور کہا: اگر یہ آپ یہ چاہتے ہیں کہ قریش میں اختلاف نہ ہو تو آپ عثمانؓ سے بیعت کیجئے۔ اب حضرت عبدالرحمن بن عوف نے کہا: میں نے غور اور مشورہ کر لیا ہے۔ اس لئے اے لوگو تم اپنے لئے مواخذہ کی کوئی صورت ہرگز نہ پیدا ہونے دو۔ یہ کہہ کر حضرت علیؑ کو بلایا اور ان سے کہا: آپ کو اللہ کے عہد و میثاق پر اور کتاب اللہ پر سنت رسول اور ان کے بعد والے دو خلفاء کی سیرت پر عمل کرنا لازم ہو گا۔ انہوں نے کہا: امید ہے کہ میں ایسا ہی کروں گا اور اپنے علم و قوت کے اندازہ کے مطابق ان باتوں پر عمل کروں گا۔ پھر حضرت عثمان کو بلا کر ان سے بھی یہی بات کہی جو حضرت علیؑ سے کہی گئی۔ انہوں نے کہا: "ہاں" اب حضرت عبدالرحمن بن عوف نے حضرت عثمانؓ سے بیعت کر لی۔ اس طرح حضرت عثمان نے خلافت پائی۔

جب بیعت مکمل ہو گئی اور حضرت عثمان خلیفہ ہو گئے تو

**خطبہ خلافت**

انہوں نے خطبہ دیا اور اس میں کہا کہ: لوگو! تم ایک عارضی مقام میں ٹھہرے ہو اے ہو اور زندگی کی لقیہ منزلیں طے کر رہے ہو۔ اس لئے جتنے



خیر کے کام کر سکتے ہو انھیں انجام دے کر موت کی طرف بڑھو تم دنیا میں آئے اور یہاں کے صبح و شام دیکھ چکے ہو۔ یاد رکھو فریب دنیا و دنیا کی سرشت ہے۔ ہشیار رہو کہ زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے اور نہ فریبی شیطان تمہیں دھوکہ دے۔ جو لوگ مر گئے ان سے عبرت لے لو خیر کے کاموں میں لگے رہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہاری طرف سے غفلت نہیں کرتا۔ کہاں ہیں وہ دنیا والے جنہوں نے دنیا کو پسند کیا، آباد کیا اور اس سے مدتوں فائدہ اٹھایا۔ کیا اس نے انہیں پھینک نہیں دیا۔ اس دنیا کو اسی طرح چھوڑ دو جس طرح اللہ نے اس کی نسبت چاہا ہے۔ اور آخرت کے طلبکار بن جاؤ غور کرو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی مثال کس طرح بیان فرمائی ہے۔ ارشاد فرماتا ہے

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَا أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ فَأَصْبَحَ هَشِيمًا تَذْرُوهُ الرِّيَّاحُ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۗ الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالْبَقِيَّةُ الصَّالِحَةُ خَيْرٌ عِندَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ أَمَلًا۔ (سورہ کہف ۱۸)

(ترجمہ) اور (اے پیغمبر) ان لوگوں سے ایک مثال یہ بھی بیان کر دو کہ دنیا کی زندگی کی مثال پانی کی سی ہے جس کو ہم نے آسمان سے برسایا تو زمین کی روئیدگی پانی کے ساتھ مل گئی (اس طرح پر کہ پانی کو جذب کر لیا اور خوب پھلی پھولی۔) پھر آہستہ آہستہ چورا (یعنی بھوسا) یعنی بھوسا ہو کر رہ گئی۔ جسے لوہیں اڑائے اڑائے پھرتی ہیں۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے (اے پیغمبر) مال اور اولاد دنیا کی زندگی کے چند روزہ بناؤ سنگمار میں اور اعمال نیک (جن کا اثر

دیر تک باقی رہے) تمہارے پروردگار کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بہتر ہیں اور توقع (آئندہ) کے اعتبار سے بھی بہتر ہیں)

**حکام کے نام ہدایات** | حضرت عثمان نے قائدین فوج، حکام وقت، محصلین زکوٰۃ اور عامۃ المسلمین کو شہر شہر جو فرامین بھیجے ہیں ان میں انھیں نیکی کرنے اور برائی سے باز رہنے کی ترغیب دی اور ذمیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور خراج وصول کرنے والوں کو ان الفاظ میں نصیحت فرمائی ہے:

اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ وہ حق ہی قبول فرماتا ہے۔ اپنا حق لو اور دوسروں کا حق دو۔ امانت امانت ہے، اس کی پاس داری ضروری ہے اور تم امانت میں خیانت کر کے پہلے خائن نہ بن جاؤ ورنہ تم اپنے بعد والے خائونوں کے ساتھ بھی شریک گناہ رہو گے۔ وفا کرو وفا۔ کسی یتیم پر ظلم نہ کرو اور اس شخص پر کسی طرح کا ظلم کرو جس کا تمہارے ساتھ معاہدہ ہو چکا ہے۔ یاد رکھو جو ان کے ساتھ ظلم کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا دشمن ہے۔

**عہد عثمانی کی فتوحات** | جو ممالک عہد فاروقی میں پوری طرح فتح نہیں ہوئے تھے اسلامی فوجیں عہد عثمانی میں ان پر بغاوت کرنے لگیں۔ اسلام کا پرچم لہرایا اور توحید کا جھنڈا بلند ہوا۔ چنانچہ بلاد آرمینیا، افریقیہ اور قبرس وغیرہ کی فتح اسی دور کی یادگار ہے۔ بلاد فارس میں سے بعض نے سر اٹھایا تھا۔ مسلمانوں نے ان پر اپنا اقتدار پھر مضبوطی سے قائم کر لیا۔ طبرستان بھی حضرت عثمان ہی کے

دورِ خلافت میں فتح ہوا اپنے عبد اللہ بن ابی سرح کو بلا دنوبہ کی طرف لڑنے کے لئے روانہ کیا۔ جب وہ وقلہ پہنچے تو وہاں کے لوگوں سے بڑا سخت معرکہ ہوا۔ اسی دور میں مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان خونریز جنگ ہوئی جس میں مسلمانوں کی قیادت عبد اللہ بن سعد کے سپرد تھی اور رومیوں کی قیادت ان کا بادشاہ قسطنطین ابن ہرقل کر رہا تھا۔ یہ جنگ اسکندریہ قریب بحر روم میں ہوئی۔ اس جنگ میں بھی مسلمان فتحیاب ہوئے۔ چونکہ اس معرکہ میں ادنیٰ ادنیٰ بڑی کشتیاں کثرت سے کام میں لائی گئی تھیں اس لئے یہ معرکہ ”وقعة السواری“ کے نام سے مشہور ہوا۔ مشہور ہے کہ اس جنگ میں ایک ہزار کشتیاں استعمال کی گئی تھیں۔ ان میں سے مسلمانوں کے پاس صرف دو سو تھیں۔ اس طرح عہدِ عثمانی میں تمام بحر و بر پر مسلمانوں کا غلبہ مکمل ہو گیا۔

قرآن کریم جو تمام ممالک میں پڑھا جاتا ہے، اس کی جمع و تدوین کا سہرا

## قرآن کریم کی ترتیب و تدوین

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سر پرے انھیں اس کام کی طرف حضرت حذیفہ بن الیمان نے توجہ دلائی تھی جو آذربائیجان کی جنگ میں مسلمانوں کے قائد تھے۔ ان کی یہ بات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دل میں اتر گئی۔ اس اہم کام میں تاخیر اور سستی سے جن بُرے نتائج کا اندیشہ ہو سکتا تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی تلافی کے لئے مصحف کی نقلیں کروانے پر فوراً توجہ کی۔ ادھر ام المومنین حضرت حفصہ نے جلد ہی اپنا ترانہ پاک حضرت عثمان کے پاس بھیج دیا تاکہ اس کے مستعد نسخے نقل کروا کر مختلف شہروں میں بھیج دیئے جائیں۔ اب اس ضروری کام پر حضرت زید بن ثابت، عبد اللہ بن الزبیر، سعید بن العاص اور عبد الرحمن بن الحارث

ابن ہشام مامور ہوئے اور حضرت عثمان نے ان کو یہ ہدایت فرمادی کہ جہاں کہیں اختلاف نظر آئے وہاں قریش کی قرأت لکھدی جائے۔

اصل بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو منظور تھا کہ قرآن پاک ہر قسم کی ترمیم اور رد و بدل سے محفوظ رہے اسی لئے اپنی کتاب عزیز میں فرماتا ہے: **إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ**۔ (بے شک ہم نے قرآن کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں) (سورہ حجرات) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ منہ دار تحسین کا رنامہ انجام دے کر مسلمانوں پر بڑا احسان کیا ہے۔ اگر آپ نے اپنی حکمت اور دوراندیشی سے اس امر کا تدارک نہ کیا ہوتا تو جہنی تبدیل و تحریف دوسری کتب سماوی میں ہوئی ہے قرآن کریم میں اس سے زیادہ ہوتی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے خداترس اور پرنسز گاہ شخص تھے۔ ایک رکعت میں پورا کلام اللہ

### حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل

ختم کر کے ساری رات عبادت میں گزار دیتے۔ ہر سال حج کرتے۔ عہد کے بڑے پابند تھے۔ رازداری کا بڑا پاس رکھتے تھے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اعتماد فرمایا تھا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں (ایک بار) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے بعض رفقاء کو بلاؤ، میں نے عرض کی: حضرت ابو بکرؓ کو؟ فرمایا نہیں۔ میں نے کہا: حضرت عمرؓ کو؟ فرمایا: نہیں۔ میں نے عرض کی: آپ کے چچے مہجائی حضرت علیؓ کو؟ فرمایا: نہیں۔ میں نے کہا: حضرت عثمانؓ کو؟ فرمایا: ہاں۔ جب وہ آگئے تو آپ نے میری طرف ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ ہٹ جاؤ، میں ہٹ گئی۔ پھر آپ نے ان سے چپکے چپکے کچھ باتیں کہیں اور حضرت عثمانؓ کا رنگ بدلنے لگا۔ اس کے بعد جس دن حضرت عثمانؓ کے مکان کا محاصرہ ہو گیا تو ان سے پوچھا کہ کیا آپ ان سے نہیں لڑیں گے؟ انہوں نے کہا:

: نہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے عہد لیا تھا اور میں اس پر قائم رہوں گا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ رات کو جب

## جیا و پاس داری

گھر والے سوتے ہوتے تو یہ کسی کو نہ جگاتے۔ ہاں

اگر کسی کو جاگتا پاتے تو اس سے فرمادیتے اور وہ آپ کو وضو کے لئے پانی لا دیتا۔

آپ میں ایک اور ایسی خصلت تھی جس نے آپ کو بارگاہ رسالت میں دیگر صحابہ

سے ممتاز بنا رکھا تھا۔ اور وہ جیا تھی، جس کو محمد نین اور سیرت نگار سب

تقلید کرتے ہیں۔ حضور ارشاد فرماتے تھے: فرشتوں کو بھی حضرت عثمان سے جیا

آتی ہے۔ آپ کا دستور تھا کہ کام کاج کا لباس پہنے ہوئے صحابہ کو بے تکلف

اپنے پاس بلا لیا کرتے تھے۔ لیکن جس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اجازت

دیتے تو بیڑا پاس و لمحا طے کرتے اور فرماتے: ہم ایسے شخص سے کیوں نہ

جیا کریں جس سے فرشتے بھی جیا کرتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو آنے کی اجازت دیتے وقت تکلف برتنے

کا سبب یہ بیان فرماتے کہ اگر آپ ایسا نہ کریں تو عثمان آپ کے سامنے ٹھہرنے

اپنی حاجت بیان کرنے اور گفتگو کرنے سے شرمائیں گے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ  
اور حضرت عبد اللہ بن عباس  
کی رائیں حضرت عثمان کی نسبت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو  
جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ  
کے شہید ہو جانے کی خبر پہنچی  
تو فرمایا: لوگوں نے انھیں قتل کر دیا۔

خدا کی قسم وہ ان سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے، ان سب سے زیادہ پرہیزگار اور خدا ترس تھے۔ پھر وہ تو ان دس صحابہ میں سے تھے جنہیں زندگی ہی میں جنت کی بشارت دی گئی تھی۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے آپ کے یہ اوصاف بیان کیے: "اللہ تعالیٰ ابو عمر پر رحم فرمائے۔ خدا کی قسم وہ سب سے زیادہ کریم اور نیکیوں میں سب سے بہتر تھے۔ شب بیدار اور سحر خیز تھے۔ دوزخ کے ذکر پر بہت روتے تھے۔ ہر نیکی میں آگے اور عطا و بخشش میں سب سے پہلے رہتے۔ بڑے باحیا، با وفا، اور عیور تھے۔ جوان پر لعنت کرے اس پر قیامت تک لعنت کرنے والوں کی لعنت پڑتی ہے۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک میانہ قد شخص تھے۔ نہ لمبے نہ نسبت قد، چہرہ حسین، جلد نازک، داڑھی لمبی اور گردہ، رنگ گندمی، بال گھنے، جوڑوں کی ہڈیاں موٹی اور سینہ چوڑا پایا تھا۔ اپنی داڑھی کو زرد رنگا کرتے تھے اور دانوں کو سونے کے تاروں سے کس رکھا تھا۔

حضرت عثمانؓ جمعہ کے دن نویں ذی الحجہ (یوم الترویہ) ۳۵ھ کو شہید کئے گئے۔ اس سے پہلے شورش پسندوں نے مدینے میں (۲۹) دن تک آپ کے گھر کا محاصرہ رکھا۔ اس روز یہ لوگ آپ کے گھر میں گھس آئے اور ان میں سے

۳۵ یوم الترویہ۔ آٹھویں ذی الحجہ کیونکہ اس روز منیٰ میں پانی کی قلت ہوتی تھی اور لوگ اس کے بعد سیراب ہوتے تھے۔

ایک نے آپ سے کہا: اے بے وقوف بوڑھے تم کس دین پر ہو؟ اسفوں نے  
 جواب دیا: میں ابراہیم کی ملتِ حنیف پر ہوں اور مسلمان ہوں، میں مشرکین  
 میں سے نہیں ہوں۔ اس شخص نے کہا: تم نے جھوٹ کہا اور ان کی بائیں کنٹی پر  
 وار کر کے انہیں قتل کر ڈالا۔ ان کے خون کے قطرے قرآنِ کریم کی اس آیت پر  
 گرے۔ **فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ**  
 (عنفرت تمہاری طرف سے اللہ ان سے نمٹ لے گا اور اللہ سننے اور  
 جاننے والا ہے۔)

اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اللہ کی راہ میں شہید  
 ہو کر وفات پائی۔ اللہ ان پر رحم کرے۔ ان کو تربت کو پاکیزہ رکھے اور جنت  
 ان کا ٹھکانا بنائے۔

---

# حضرت علی رضی اللہ عنہ

(سنہ قبل بعثت — ۵۲۰ھ)

حضرت علیؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیکر بھائی اور آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے۔ عربوں اور عجمیوں میں سب سے پہلے انھیں نے حضور کے ساتھ نماز ادا کی۔ ہر ایک معرکے میں یہی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے علم بردار رہے۔ انھیں نے حضور کو غسل دیا اور قبر میں اتارا اور سقیفہ بنی ساعدہ میں خلیفہ رسول کے انتخاب کے متعلق جو کچھ ہوتا رہا اس کی مطلق پروا نہیں کی۔

**نسبِ غیرہ** | حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا سلسلہ نسب یہ ہے: علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی۔ ان کی کنیت ابواکسن تھی۔ والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف تھا جو حضور کے مدینہ ہجرت کرنے سے قبل حالت اسلام میں وفات پا گئیں۔ حضرت علی کی ولادت حضور کی بعثت سے دس سال پہلے ہوئی۔ ان کے باپ ابو طالب بڑے عیال دار تھے۔ جب مکے میں قحط پڑا اور گزارہ مشکل ہو گیا تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس سے کہا کہ ابو طالب کے بعض بچوں کی کفالت کر کے ان کی معاشی پریشانی زکم کی جائے۔ پھر آپ اور حضرت عباس



ابوطالب کے پاس گئے دونوں نے اپنی یہ اعانت پیش کی۔ ابوطالب نے اسے قبول کر لیا۔ اب حضرت عباس نے جعفر کو اور آپ نے علی کو اپنے ساتھ لے لیا۔ اس طرح حضرت علی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر نشور نما پایا اور آپ ہی کی حفاظت و سرپرستی میں پروان چڑھے۔ انھیں آنحضرت کے قرب سے آسودگی حاصل ہوئی اور آپ کی عنایت و شفقت سے ہر مند رہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل سے سب لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ قرب تھے اور آپ انھیں سب سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو **اسلام** لوگوں کے پاس اپنا رسول بنا کر بھیجا کہ آپ لوگوں کو جنت کی بشارت دیں۔ ان کی رہبری فرمائیں اور نافرمانی کی صورت میں عذاب سے ڈرائیں تو حضرت علی ہی پہلے شخص تھے جنہوں نے اس نوراہی سے فیض پایا۔ ان کا سینہ اس دعوت کریمہ کی بدولت روشن ہو گیا حالانکہ اس وقت ان کی عمر کا صرف تیرھواں سال تھا۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں کو اسلام کی دعوت دی اور قوم نے آپ کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا تو حضرت علی نے نہایت جرأت مندانہ آواز میں کہا:-

”یا رسول اللہ میں حق کی راہ میں آپ کا مددگار بنوں گا“

اس طرح حضرت علی پہلے شخص ہیں جو حضرت **فضائل خصوصیات** خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد اسلام لائے حضرت

علی رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں: ”قبل اس کے کہ اس امت کے لوگوں میں سے کوئی اللہ کی عبادت کرے، میں پانچ سال تک اس کی عبادت کرتا رہا“

یہ حضور کے ساتھ نماز پڑھنے والے سب سے پہلے شخص ہیں۔

انس بن مالک سے روایت ہے:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت پیر کے دن ملی، اور حضرت علی نے منگل کے دن آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ یعقوب بن ابراہیم بن سعدہ نے روایت کی ہے کہ ہم سے یحییٰ بن الاشعث نے اسمعیل بن ایاس بن عقیف کنزی سے اور انھوں نے اپنے باپ اور دادا کے حوالے سے بیان کیا کہ انھوں نے کہا:- میں سوداگر تھا حج کے لئے گیا ہوا تھا حضرت عباس بن عبد المطلب کے پاس کچھ تجارت کا سامان خریدنے کی غرض سے آیا کیونکہ وہ خود بھی تاجر تھے۔ میں منی میں انکے پاس بیٹھا تھا کہ اتنے میں ایک صاحب قریب ہی کے خیمے سے نکلے اور سورج کو دیکھنے لگے اور جب زوال ہو گیا تو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ پھر اسی خیمے سے ایک عورت نکلی اور اسی شخص کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگی اور ان کے بعد ایک لڑکا جو بالغ نظر نہیں آتا تھا اسی خیمہ سے باہر آیا اور ان دونوں کے ساتھ کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا۔ میں نے حضرت عباس سے پوچھا:- یہ کون ہیں انھوں نے کہا: یہ میرے بھتیجے محمد بن عبد اللہ ہیں:- میں نے کہا: یہ عورت کون ہے۔ انھوں نے جواب دیا:- ان کی بیوی خدیجہ بنت خویلد ہیں۔ میں نے پوچھا یہ نو عمر کون ہے۔ انھوں نے کہا:- یہ علی بن ابی طالب ہیں جو انھیں کے چھیرے بھائی ہیں۔ میں نے کہا:- یہ کیا کر رہے ہیں۔ انھوں نے کہا:- یہ نماز پڑھ رہے ہیں اور انکا یہ خیال ہے۔ یہ بتی ہیں۔ اور ان کے اس دعوے پر ان کی بیوی اور ان کے چچا زاد بھائی کے سوا کسی نے ان کی پیروی نہیں کی۔ ان کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ

عنقریب ان کے لئے قیصر و کسریٰ کے خزانے کھول دیے جائیں گے۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دکھ درد میں شرکت

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس گھر میں تشریف لائے جہاں سے اس مبارک دعوت کی خوشبو پھیلی

پھوٹا کرتی تھیں اور ہدایت محمدی کا نور ہنوفگن ہوتا تھا۔ اسی لئے حضرت علی نے پرہیزگاری، خدا ترسی اور تقویٰ کے ماحول میں تربیت حاصل کی اور بیخ و راحت فراخی و تنگدستی اور خوشی و غم میں آنحضرت کے شریک رہے جب آپ اسلام کی ترقی اور سر فرازی کو دیکھتے تو خوش ہوتے لیکن جب تبلیغ کی راہ میں قریش کی ایذا رسانی سے حضور کو تکلیف پہنچتی تو رنجیدہ ہوتے۔

ایشیاری و جاہ بازی کی بہترین مثال

جب قریش کو اہل بئیر کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاہدے کی خبر ملی اور ان کے درمیان حضور کے قتل کے مشورے ہونے لگے تو رسالت مآب صلی اللہ

علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر ہجرت کے لئے نکلے۔ اس موقع پر آنحضرت نے حضرت علی کو حکم دیا کہ وہ یہ رات آپ کے بستر پر گزاریں۔ حضرت علی نے اس بات کو قبول کیا کہ اپنی جان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا کر دیں۔ اس طرح انھوں نے اپنے ایشیاری اور جاہ بازی کی بہترین مثال قائم کر دی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی کے درمیان مواخات

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلامتی سے مدینے پہنچ گئے اور مسلمان لگاتار مدینے کی طرف ہجرت کرنے لگے

اس وقت مسلمانوں کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کی۔ پھر آنحضرت نے مہاجرین اور انصار میں بھائی چارہ قائم فرمایا اور حضرت علی سے ارشاد فرمایا:

”تم دنیا میں بھی میرے بھائی ہو اور آخرت میں بھی“ اور اپنے اور ان کے درمیان  
موافات قائم کی۔

**حضرت فاطمہؑ سے عقد** | حضرت علیؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنے  
عزیز تھے کہ آپ نے اپنی صاحبزادی، جنت کی

عورتوں کی سردار حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ان سے کر دیا۔ اس سے  
قبل حضرت ابو بکر اور حضرت عمر بھی حضرت فاطمہ کا پیام دے چکے تھے مگر آپ نے  
نرمی کے ساتھ معذرت فرمائی۔ یہ دیکھ کر بعض صحابہ نے حضرت علیؑ کو مشورہ دیا کہ  
وہ حضرت فاطمہ کا پیام آنحضرتؐ کو دیں۔ اس مرحلے کے بعد آپ نے فاطمہؑ سے کہا:  
”علی تمہارا ذکر کر رہے ہیں“ پھر حضرت علیؑ سے فرمایا: ”اہلاً وسہلاً۔ آپ کی یہ  
بات رضامندی کی علامت تھی۔ عقد ہو گیا اور پانچ سو درہم کا مہر سیدھا جو تقریباً  
ساڑھے بارہ اوقیہ کے برابر تھا۔ حضرت فاطمہ کو جہیز میں ایک بنا ہوا پلنگ کھجور  
کی چھال سے بھرا ہوا چمڑے کا ایک گول تکیہ، پانی رکھنے کا چمڑے کا برتن، ایک مشکیزہ  
ایک چھلنی ایک رومال اور ایک بڑا پیالہ ملا، بعض خواتین نے پرانے زمانے کی دو چادر  
ہدیے میں دی تھیں جن پر چاندی کے حلقے تھے اور زعفران میں رنگی ہوئی بھین  
حضرت علیؑ کا عقد رسول اللہ کے مدینے تشریف لانے کے پانچ ماہ بعد رجب  
میں ہوا تھا مگر رخصتی ان کے غزوہ بدر سے واپس آنے کے بعد ہوئی۔ اس وقت  
حضرت فاطمہ کی عمر اٹھارہ سال تھی۔

**غزوات میں شرکت** | حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ جس طرح مکے میں آنحضرت کے

لے متن (عربی) میں ”ملویات“ ہے جس کے معنی ہیں بازو بند یا پہنچی۔ یہاں غالباً وہ حلقے یا کٹوریا  
مقصود ہیں جو چادر کے کونے کسے کے لئے ڈوریوں میں استعمال ہوتے ہیں (ادارہ)

کے فرماں بردار بیٹے کی طرح بہتے تھے اسی طرح مدینے میں آپ کے دست راست بنے رہے۔ جب بدر میں کفار سے مسلمانوں کی جنگ ہوئی تو حضرت علی نے بھی اس میں شرکت کی۔ اس وقت یہ بیس برس کے تھے اور جوانی و قوت سے پھر پورے تھے۔ اس معرکہ میں رسول اللہ نے جھنڈا اکھنڈ رکھا تھا انھوں نے میدان جنگ میں بڑی بہادری دکھائی اختتام جنگ پر صحابہ نے رسول اللہ کو تلاش کیا۔ مگر آپ نہیں ملے۔ کچھ انتظار کے بعد رفقا ایک دوسرے کو آواز دیکر پوچھنے لگے: کیا تم میں رسول اللہ ہیں؟ مگر کوئی جواب نہ پایا۔ اتنے میں آنحضرت آگے آپ کے ساتھ حضرت علی بھی تھے۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ہم آپ کو کھو بیٹھے تھے۔ فرمایا: ابواحسن (علی) کے پیٹ میں درد ہو گیا تھا اس لئے میں ان کے ساتھ پیچھے رہ گیا۔ اسی سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ سے کتنی محبت تھی کہ آپ نے محض ان کی خاطر اتنا ایتار فرمایا اور دشمنوں میں چانگ گھر جانے کے خطرہ پر بھی ان کے ساتھ رہ گئے۔

حضرت علی تمام غزوات میں شریک رہے جنگ احد اور جنگ خندق میں تو آپ نے شجاعت کے بڑے جوہر دکھائے آپ ہی ان جنگوں میں علمبردار تھے جان تھیلی پر رکھ کر بڑی بے جگری سے لڑے پھر جب خیبر میں جنگ ہو رہی تھی مسلمان یہودیوں سے برسہا برس پیکار تھے میدان کارزار خوب گرم تھا مسلمان یہودیوں کے قلعہ کو سر کرنے اور انھیں شکست دینے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس وقت رسول اللہ نے فرمایا: میں اب جھنڈا ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں دوں گا جو خدا اور رسول کو بڑا محبوب ہے اور خدا اور رسول اس کو بہت محبوب ہیں، اس موقع پر مسلمانوں میں باہم خوب مقابلہ ہونے لگا۔ مگر آپ نے فرمایا: میرے پاس حضرت علی کو لے آؤ، چنانچہ لوگ انھیں لے آئے حالانکہ ان کی آنکھیں آستوب کر آئی تھیں

آنحضرتؐ نے ان کی آنکھ میں اپنا لعاب دہن ملا اور پھر جھنڈا ان کے ہاتھ میں پکڑا یا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں کے ہاتھ پر فتح دی اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:۔ قل تعالوا اذع ابناؤنا و ابناؤکم و نساءنا و نساءکم و افسناؤنا و افسناؤکم نازل ہوئی (کہہ دو اے پیغمبرؐ، آؤ ہم اپنے اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی اور تمہاری عورتوں کو اور اپنی اور تمہاری عورتوں کو اور اپنے آپ کو اور تم کو بلائیں)

رسول اللہؐ نے حضرت علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ رضی اللہ عنہم کو بلایا اور پھر فرمایا:۔ اے اللہ میرے اہل ہیں۔ حضرت علیؑ نے کفار پر بڑا سخت حملہ کیا اور ان کی کھوپڑیوں پر اتنی شدید ضرب لگائی کہ اس کی آواز لشکریوں نے بھی سنی۔ دشمن میدان جنگ سے بھاگ اٹھے اور اللہؐ نے مسلمانوں کو فتح عطا کی۔ جنگ خیبر میں حضرت علیؑ کی شجاعت کے بارے میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپؐ نے قلعہ کے دروازے کو اٹھا کر زمین پر سے مارا تھا جسے بعد میں ستر آدمیوں نے اٹھا کر لگایا۔

**یمن میں تبلیغ اسلام** جن اہم اور مشکل امور میں غیر معمولی شجاعت اور دانائی درکار ہوتی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے حضرت علیؑ کو منتخب فرماتے تھے۔ آپؐ نے حضرت خالد بن الولید کو یمن کی طرف بھیجا تاکہ وہاں کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ حضرت خالد نے چھ ماہ تک ان قیام کیا مگر باشندگان یمن نے کوئی بات نہ مانی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ کو روانہ کیا اور انھیں ہدایت فرمائی خالدؓ کو واپس بھیج دیا۔ حضرت علیؑ یمن پہنچے۔ اہل یمن کو آپؐ کی آمد کی خبر ملی تو سب آپؐ کے پاس آکر جمع ہو گئے، آپؐ فجر کی نماز کے بعد تشریف لائے خدا کی حمد و نعت کے بعد رسول اللہ کا فرمان پڑھ کر سنایا۔ اسی روز سارا ہمدان آپؐ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا۔ حضرت علیؑ نے اس کی اطلاع کا خط آنحضرتؐ کو لکھا۔ آپؐ خط پڑھ کر بارگاہ الہی میں سجدہ ریز ہو گئے۔

پھر سجدہ سے مبراٹھا کر فرمایا، ہمدان پر سلامتی ہو، اس کے بعد کہی برابر اسلام میں داخل ہوتے ہے رسول اللہ نے ان کے قضیات طے کرنے کے لئے حضرت علی کو فیصلہ کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے عرض کی: میں قضا کی حقیقت سے واقف نہیں۔ آپ نے ان کے سینے پر ہاتھ پھیرا اور ارشاد فرمایا:-

”اے اللہ ان کے قلب کو ہدایت فرما اور ان کی زبان کو درست رکھ“

فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مالک بن

عوف اور اس کی مرتد جماعت سے جنگ کے لئے

روانہ ہوئے، یہ ہوازن اور ثقیف کے لوگ تھے، ان

## ثقیف اور ہوازن کا کارنامہ

لوگوں نے مسلمانوں پر نہایت سخت حملہ کیا۔ جس سے مسلمانوں کی صفوں میں تبری پھیل گئی۔ مسلمانوں کی کثرت بھی کام نہ آسکی۔ زمین اپنی کٹادگی کے باوجود ان کیلئے تنگ ہو گئی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے۔ یہ دیکھ کر حضور نے لوگوں کو آواز دی:-

لوگو کہاں جاتے ہو۔ میرے پاس آؤ۔ میں ہوں اللہ کا رسول محمد بن عبد اللہ۔ مسلمان یہ آواز سن کر حضور کے پاس جمع ہو گئے اور لڑائی پھر زور شور سے ہونے لگی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کفار کے علمبردار کی طرف جھک کر ہاتھ بڑھایا اور اس کے اونٹ کی کوچیں کاٹ دیں۔ ادھر انصار میں سے کسی نے بڑھ کر حملہ کیا اور اس کو ختم کر دیا۔ اب مشرکین کی شکست مکمل ہو گئی اور ان دلوں میں انتشا پیدا ہو گیا۔ فضل ابنزدی اور حضرت علی کی غیر معمولی شجاعت کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مند و کامیاب واپس ہوئے۔

۱۵ متن میں کفار کے علمبردار کے بجائے صاحب راایت المسلمین ہے جو غالباً ثاقب کی غلطی ہے کیونکہ صحیح واقعہ یہ ہے کہ حضرت علی نے مشرکین کے علمبردار کو پرحملہ کیا تھا۔ (ادارہ)

جنگ تبوک ہونے لگی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مدینہ اور ان لوگوں پر جن کے آپ تخیل تھے حضرت علیؑ کو اپنا نائب مقرر فرمایا اور ان سے کہا تم میرے واسطے ایسے ہی ہو جیسے ہارون حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے لئے تھے۔ مگر ہاں اتنا فرق ہے کہ میرے بعد کوئی بنی نہ ہوگا۔

اگر یہاں اس بات کی وضاحت کی جائے کہ آنحضرتؐ کو حضرت علیؑ سے کتنی محبت تھی آپ ان کے لئے کتنا ایثار فرماتے تھے اور آپ نے انہیں کتنا تقرب عطا فرمایا تھا تو بیان بہت طویل ہو جائے گا اس لئے صرف اتنا لکھنے پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ خود آپ حضرت علیؑ کے پاس سے فرماتے تھے:۔ علی دینا اور آخرت میں میرے دوست ہیں:۔ آپ نے اپنی چادر اٹھا کر حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ پر ڈالی اور یہ آیت تلاوت فرمائی:۔ **اِنَّمَا يَرِيذُ اللّٰهُ لِيُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَاءً غَيْرًا**۔ اہل البیت (اے گھر والو! اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تم سے آلودگی کو دور کرے اور تمہیں ہر طرح پاک و صاف رکھے)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دینار سے پردہ فرمایا۔ تو انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں آکر جمع ہو گئے۔ انہیں کے چھپے

**آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد**

ہاجرین بھی یہاں آگئے اس موقع پر خلافت کے مسئلہ پر دونوں گروہوں میں اختلاف پیدا ہو گیا (ادھر یہ واقعات ہوتے ہیں ادھر) حضرت علیؑ کی تمام توجہ اس سانچے پر مبذول رہی جو رسول اللہ کے انتقال پر ملال کی صورت میں مسلمانوں پر نازل ہو گیا تھا۔ وہ دن بھر آنحضرتؐ کی تجمیر و تکفین میں لگے رہے اسکی قطعاً پرواہ نہیں کی کہ حضور کی جانشینی پر سقیفہ بنی ساعدہ میں کیا جھگڑا ہو رہا ہے سقیفہ میں حضرت ابو بکر کا انتخاب ہو گیا۔ حضرت علیؑ اپنی بیوی حضرت فاطمہؑ کی وفات



مکمل بیعت سے بے تعلق ہے۔ اس کے بعد حضرت ابو بکر سے بیعت کی۔ حضرت ابو بکر نے بھی ان کے شرع میں بیعت نہ کرنے پر کوئی خیال نہیں کیا بلکہ ان کے ساتھ محبت اور شفقت کا برتاؤ کیا۔

دور صدیقی و فاروقی میں  
حضرت علی کا ایمانی اعزاز

ظاہر ہے کہ حضرت ابو بکر ایسے شخص سے کیسے محبت نہ کرتے اور اپنا مقرب کیونکر نہ بناتے جس کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محبوب رکھا اور

تقرب سے نوازا۔ پھر حضرت علی جیسا کہ معلوم ہے بلند مرتبہ اور صاحب الرائے صحابہ میں سے تھے حضرت ابو بکر صدیق ان سے اہم معاملات میں مشورہ کیا کرتے جب حضرت عمرؓ کے ہاتھ پر بیعت ہو گئی تب بھی حضرت علیؓ کی قدر و منزلت میں کوئی کمی نہ ہوئی بلکہ ان کی شہرت اور بڑھ گئی۔ حضرت عمرؓ نے انھیں لوگوں کے قضیوں اور مقدموں کا فیصلہ کرنے کے لئے مقرر کر دیا۔ ان کا قول تھا:۔ علی ہم میں سب سے اچھے قاضی ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ آپ مشکل اور اہم امور کے حل کرنے میں حضرت علیؓ سے مدد لیا کرتے تھے۔ ایک روایت ہے کہ وہ ایسے مشکل مسئلے سے خدا کی پناہ مانگا کرتے تھے جس کے حل کرنے میں ابوالحسن (علی) شریک نہ ہوں۔

حضرت عمرؓ نے ایک زاینہ عورت کے لئے سنگساری کا حکم دیدیا، جس کے بچے کی ولادت کو ابھی چھ ہی مہینے ہوئے تھے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ وحنہ وفضالہ ثلاثون شهرا (اس کو پیٹ میں رکھنا اور دودھ چھڑانا تیس ماہ تک ہے) ساتھ ہی حضرت عمرؓ سے کہا: مجنوں کو اللہ تعالیٰ نے مرفوع القلم قرار دیا،

۱۵ یہ زاینہ عورت مجنوں تھی اور مجنوں حدود شرعی سے مستثنیٰ ہوتے ہیں (مسند ابن جنبل)

یعنی وہ مکلف نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر کہا:۔ اگر حضرت علیؓ اس وقت نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو گیا ہوتا۔

حضرت عمرؓ کا دستور تھا کہ جب کوئی مسئلہ حل نہ ہوتا تو اس کو حضرت علیؓ کے سپرد کر دیتے تھے اور سائل سے کہہ دیتے کہ مجھے تمہارے لئے اس مسئلہ میں کچھ نہیں ملتا بجز اس کے کہ جو کچھ حضرت علیؓ کہیں درست ہے۔

جب حضرت عمرؓ کے خنجر مارا گیا اور صحابہؓ کو یہ خیال ہوا کہ ہمیں آپ بغیر جانشین بنائے دینا سے رخصت نہ ہو جائیں تو سب نے آکر آپ سے اس معاملہ پر

اصرار کیا:۔ آپ نے چھ صحابہ کا انتخاب فرمایا جن میں حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی تھے اور وصیت فرمادی کہ خلافت کا مستحق وہی شخص ہوگا جس کا انتخاب عمل میں آئے، آپ کی وفات کے بعد جب صحابہ ایک مقام پر جمع ہوئے تو حضرت عثمان اور حضرت علیؓ میں مقابلہ ہونے لگا یہ سوال چھڑ گیا کہ بنی ہاشم اور بنی امیہ میں زیادہ مستحق کون ہے؟ کیونکہ اب خلافت تقریباً انھیں دو کے درمیان منحصر ہو گئی تھی۔ اس جماعت میں ان دونوں کا ہمسر کسی کو نہ سمجھا جاتا تھا اگر حضرت علیؓ حضرت عبدالرحمن بن عوف سے یہ نہ کہتے کہ ”وہ حضرت ابوبکر و عمر کی سنت پر اسی حد تک چلیں گے جس حد تک ان کا علم ان کی رہبری کرے گا“ تو قریب تھا کہ ان کے حق میں فیصلہ ہو جاتا۔ مگر ان کے اس قول کی وجہ سے حضرت علیؓ کی خلافت ملتے ملتے رہ گئی۔ حالانکہ یہ خاندان بنی ہاشم میں پہلے مسلمان تھے اور اسلام کی نصرت میں اپنے اخلاص اور قربانیوں کی وجہ سے بہت ممتاز تھے۔ پھر رسول اللہ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ کے شوہر تھے۔

یہ امر کہ حضرت علیؓ خود بھی خلافت کی طرف راغب تھے اس واقعے سے ظاہر ہے

کہ جب اصحاب شوری جمع ہوئے تو آپ نے ان سے کہا: "میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، بتاؤ۔ میرے سوا تم میں سے کوئی ایسا تھا جس کے ساتھ خود حضور نے مواخات قائم فرمائی ہو؟"

سب نے یک زبان ہو کر کہا نہیں "آپ نے کہا میں اللہ کا بندہ اور رسول اللہ کا بھائی ہوں میرے سوا جو کوئی ایسا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے۔"

حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما

جب خلافت حضرت عثمانؓ کو مل گئی تو حضرت علیؓ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور ان کا ساتھ دیتے رہے لیکن حضرت عثمان کا میلان

ان کے بعض اقربا کی طرف دیکھ کر حضرت علیؓ کی رائے کچھ بدل گئی۔ اسی بنا پر لوگوں میں یہ قیاس آرائیاں ہونے لگیں کہ اب ان کے باہمی تعلقات کشیدہ ہو گئے ہیں۔ چنانچہ جس وقت حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا تو بعض لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ اس میں حضرت علیؓ کا ہاتھ تھا حالانکہ یہ واقعہ ہے کہ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کا بڑا احترام کرتے تھے کیونکہ وہ رسول اللہ کے مقربین میں سب سے زیادہ مقرب تھے اسی لئے جب باغیوں نے آپ کے مکان کا محاصرہ کر لیا تو حضرت علیؓ نے اپنے لخت جگر حضرت حسنؓ کو آپ کی طرف سے مدافعت کرنے کے لئے بھیجا۔ پھر ان کے قتل ہو جانے کی خبر ملی تو فرمایا جس نے عثمانؓ کے دین سے بیزاری ظاہر کی وہ خود ایمان سے بیزار ہو گیا۔ خدا کی قسم میں نے نہ تو ان کے قتل پر کسی طرح کی کوئی معاونت کی اور نہ کسی کو اس کا حکم دیا اور نہ میں اس حرکت سے خوش ہوں۔

بیعت خلافت کی تکمیل

حضرت عثمان کی شہادت کے بعد مدینے میں حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت ہو گئی اگرچہ

اس وقت صحابہ کی اکثریت دوسرے شہروں میں منتشر تھی اور مدینہ میں صرف چند صحابہ ہی تھے جن کے سردار حضرت طلحہ اور زبیر تھے بعض صحابہ کو آپ کی بیعت میں تڑپ تھا مثلاً حضرت سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمر وغیرہ اسی طرح بعض انصار کا بھی یہی حال تھا جیسے حضرت حسان بن ثابت، مسلمہ بن مخلد اور ابو سعید خدری وغیرہ۔ کیونکہ ان حضرات کا میلان حضرت عثمان کی طرف تھا۔ بعض صحابہ نے شام کی راہ لی جیسے حضرت مغیرہ بن شعبہ وغیرہ۔ تاہم مدینہ میں بعض صحابہ کو بیعت نہ کرنے، بنی امیہ کی بیعت سے باز رہنے اور بعض صحابہ کے شام اور بعض کے مکے چلے جانے کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت اکثریت کے ساتھ مکمل ہو گئی۔

**دار الخلافہ کی منتقلی** | جب حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت ہو گئی تو آپ کو فہ منتقل ہو گئے۔ مگر خلافت ملنے کے بعد بھی خواہشوں

سے دوری دینا سے بے اعتنائی، رضائے الہی کے حصول کے لئے آخرت کی طلب وغیرہ جن صفات سے منصف تھے ان میں کوئی فرق نہ آیا۔ بلکہ آپ نہایت موٹا جھوٹا لباس پہننے لگے۔ عبداللہ بن ابی الہذیل کہتے ہیں:۔ میں نے حضرت علی کو دیکھا۔ ان کے پاس ایک خرچی تھی۔ ایک موٹی یوسیدہ قمیض پہنے ہوئے تھے۔ جب اس کی آستین پکڑ کر کھینچتے تو وہ ناخن تک آجاتی اور جب چھوڑتے تو آدھی کہتی تک پہنچ جاتی۔ ابجر ابن جر موز اپنے باپ سے راوی ہیں کہ انہوں نے کہا: "میں نے حضرت علی کو کوفہ سے روانہ ہوتے وقت دیکھا کہ ان کے بدن پر دو چادریں ہیں۔ ایک کوفہ بند کے طور پر استعمال کر رکھا تھا اور دوسری کو

چادر کی طرح اوڑھے ہوئے تھے۔ تہ بند نصف پنڈلی تک پہنچا تھا اور درہ ہاتھ میں لئے کوفے کے بازوؤں میں گھوم رہے تھے۔ لوگوں کو خدا سے ڈرانے کے

بیج بولنے، ناپ تول پوری رکھنے اور معاملے میں کھرا رہنے کا حکم دیتے تھے۔

حضرت علی لوگوں میں مساوات قائم رکھتے تھے انھیں یہ

پسند نہ تھا کہ بیت المال میں روپیہ چھو اور پھر بھی فقیر

اور محتاجوں پر خرچ نہ کیا جائے۔ بیان کیا گیا ہے کہ یہ

## عطیات میں عدل و مساوات

آپ کے پاس مال آتا تو آپ اسکو تقسیم ضرور فرمادیتے بیت المال میں جمع کر کے نہ رکھتے

تھے البتہ جو مال اسی دن تقسیم رہ جاتا اس کو بیت المال میں رکھا جاتا تھا آپ فرمایا کرتے

تھے "اے دینا تو میرے سوا کسی اور کو دھوکا نہ دے" آپ عطیات اور انعامات کی

تقسیم میں عربی و عجمی اور قریب اور دور کا فرق نہیں کرتے تھے۔ قحی یا مال عنیت

میں سے کوئی چیز مخصوص کر کے نہ رکھتے تھے نہ اسے کسی دوست یا رشتہ دار کے لئے

خاص طور سے نامزد فرماتے۔ ولایت کے منصب کے لئے دیانت دار اور امین لوگوں

کے سوا کسی کی تخصیص نہ کھتی کسی کے متعلق حیانت کی کوئی بات سننے تو اس کو یہ آیت

لکھتے تھے "قد جاء تکرم موعظة من ربکم: اوفوا الکیل والمیزان با<sup>لقسط</sup>

ولا تمسوا التماس الثیبا ہم ولا تحشوا فی الارض مستدین۔

(تمہارے پاس تمہارے پروردگار کے پاس سے نصیحت آچکی ہے اس لئے ناپ تول انصاف کے

ساتھ پورا پورا کرو، لوگوں کی چیزوں کو نہ گھٹاؤ اور زمین پر فساد کرتے نہ پھرو)

حضرت علی اپنے حکام کو لکھتے تھے کہ ہمارے جو امور تم سے

متعلق ہیں ان کی اس وقت تک حفاظت کرو جب تک

کوئی ایسا شخص نہ پہنچ جائے جو اس منصب کو تم سے لے لے۔ اس کے بعد آسمان

کی طرف بگھاڑا اٹھا کر فرماتے: "اے خدا تو خوب جانتا ہے کہ میں نے ان کو مخلوق پر

ظلم کرنے اور تیرے حق کو ترک کر دینے کا حکم نہیں دیا ہے۔

حضرت علی کی خلافت کے امتیازات میں سے یہی کافی ہے کہ آپ نے **فیاضی** اپنی وفات کے وقت صرف آٹھ سو درہم چھوڑے جو تقسیم سے بیچ لیے تھے اور آپ نے ان کو اس لئے رہنے دیا تھا کہ اس سے گھروالوں کے لئے ایک غلام خریدنے کا ارادہ تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ پندیدہ حصال سے منتصف تھے۔ **محاسن اخلاق** خالو زادہ نبوت میں تربیت پائی تھی اس لئے نبوت کے اعلیٰ آداب سے آراستہ اور شریعہ اخلاق سے پیراستہ

تھے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے لڑکوں میں سب سے پہلے اسلام لائے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ان کی بنیاد بنانا جگہ تھی اسی لئے آپ نے مسلمانوں کے بہت سے امور ان کے سپرد کر رکھے تھے حضرت علی بھی ان کاموں کو بڑی خواہش اسلوبی سے انجام دیتے تھے اور نہایت خلوص کے ساتھ اسلام کی مدد کرتے تھے۔ اس لئے ان کا مرتبہ اور شہرت بڑھ گئی۔ آپ نے جوں مردی و شجاعت میں بہت نام پایا۔ آپ کی شجاعت کی دلیل اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ جس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو آپ اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال کر حضور کے کپڑے پہنے اور آپ ہی کے بستر پر رات گزاری۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ مشرکین اس رات کو رسول اللہ کے قتل کا عزم کر چکے ہیں۔ یہی طرح غزوہ خیبر میں رسول اللہ کا علمبرداری کے لئے انھیں کو انتخاب فرمانا ان کی شجاعت کی نمایاں دلیل ہے۔

حضرت علیؓ مروت اور وفاداری، عہد پیمان کے احترام و پاس داری اور مسلمانوں کی جان و

**حضرت علی اور بیت المال**

حضرت علیؓ مروت اور وفاداری، عہد پیمان کے احترام و پاس داری اور مسلمانوں کی جان و

مال کی حفاظت کی صفات میں مشہور تھے۔ چنانچہ آپ کے یہی اوصاف اس بیان سے واضح ہوتے ہیں جو امام طبری نے بہت المال کے خازن ابو رافع سے نقل کیا ہے۔ ابو رافع کہتے ہیں:- ایک دن حضرت علیؑ میرے پاس آئے۔ اس وقت میں ان کی لڑکی کا سنگار کر رہا تھا۔ آپ نے صاحبزادی کے جسم پر بہت المال کا مٹی دیکھ کر پہچان لیا۔ پوچھا یہ اس کے پاس کہاں سے آئے، سجد اس کا ہاتھ قلم کرنا میرا فرض ہے حب میں نے انھیں اس پر بہت مصر یا یا تو میں نے عرض کیا:- اے امیر المؤمنین اپنی کھتی کو میں نے اس سے آراستہ کر دیا ہے۔ ورنہ ظاہر ہے یہ ان پر کہاں سے قابو پاتی۔ یہ سن کر آپ خاموش ہو گئے۔

حضرت عقیل بن ابی طالب کا مطالبہ

الفخری کا بیان سے کہ عقیل بن ابی طالب نے جو حضرت علی کے حقیقی بھائی ہیں بہت المال سے کوئی ایسی چیز طلب کی تھی جس پر انھیں حق نہ تھا

آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ بھائی اس میں تمہارا جو حق تھا میں نے دے دیا اس کے علاوہ اب تمہارا کوئی حق نہیں۔ ہاں صبر کرو کہ میرا مال اور آجائے میں اس میں سے جو تم اور چاہتے ہو وہ بھی دیدوں گا۔ حضرت عقیل کو یہ جواب ناگوار ہوا اور وہ آپ سے خفا ہو کر حضرت امیر معاویہ کے پاس شام چلے گئے۔ حضرت علیؑ تو خاص اپنی اولاد حسن اور حسینؑ کو بھی حق سے زیادہ دینے کے روادار نہ تھے۔

مسائل دینیہ اور تفسیر و حدیث وغیرہ میں حضرت علیؑ کی اہمیت

مسائل دینیہ تفسیر قرآن، روایت حدیث مسائل میراث اور مشکل مقامات میں

لہ ابو رافع نے یہ موتی اپنی لڑکی کو پہنا رکھا تھا۔ اسے دیکھ کر حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ نے باز پرس کی تو ابو رافع نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔ تاریخ اسلام (دار المصنفین اعظم گڑھ) طبع ۱۹۳۹ء (ج ۱ ص ۳۵۷) (ادارہ)

میں حضرت علیؑ کی ہی طرف رجوع کرتے تھے۔ حضرت علیؑ فرماتے تھے۔ تم کتاب اللہ کے بارے میں مجھ سے پوچھو۔ خدا کی قسم جو آیت بھی ہو میں اس سے خوب واقف ہوں کہ وہ رات کو اترتی ہے یا دن کو۔ پہاڑ پر اترتی ہے یا میدان میں۔

حضرت علیؑ فصاحت میں ضرب المثل تھے اسی طرح  
**فصاحت اور شعر گوئی** | خلفائے راشدین میں اچھے شاعر تھے۔ سیوطی

نے حضرت شعبی سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ بھی شعر کہتے تھے اور حضرت عمرؓ و عثمانؓ بھی لیکن حضرت علیؑ ان تینوں میں سب سے اچھے شاعر تھے۔

ادھر تو حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ اپنے دوستوں کے  
**ساختہ شہادت** | ہاتھوں سنجینیوں کا مقابلہ کر رہے تھے جو آپ کی مدد

کرنے سے کتراتے تھے اور آپ کے لشکر سے نکل بھاگتے تھے، دوسری طرف امیر معاویہ نے عمرو بن العاص کے ذریعے مصر پر قابو پایا اور اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اپنے لئے خلافت کا بھی دعویٰ کرنے لگے۔ حضرت علیؑ نے اس خطرے کو محسوس کیا اور امیر معاویہ سے لڑنے کے لئے چالیس ہزار جنگجو یوں کا لشکر جمع کیا، یہی یہ لشکر کوچ کرنے بھی نہ پایا تھا کہ عبدالرحمن بن ملجم الحارثی نے حضرت علیؑ کو زہریلی تلوار مار کر شہید کر دیا۔ آپ نے ۷ رمضان سن ۴۰ کو وفات پائی آپ کے اس سانحے پر خلفائے راشدین کا دور ختم ہو گیا۔

اس واقع کی تفصیل یہ ہے کہ تین خارجیوں نے باہم اس  
**شہاد کی تفصیل** | بات پر اتفاق کیا کہ حضرت علیؑ، امیر معاویہ اور عمرو بن

العاص تینوں کو ایک ہی دن کے اندر قتل کر دیا جائے تاکہ امت اسلامیہ ان لڑائیوں سے نجات پاسکے جو ان حضرات نے خلافت کے لئے برپا کر رکھی ہیں۔ ان خوارج میں سے ابن ملجم نے حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کو شہید کر دیا جس شخص نے



امیر معاویہ کے قتل کا ذمہ لیا تھا وہ انھیں قتل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ رہا عمرو بن بکر جس نے عمرو بن العاص کو ختم کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا، یہ مقررہ شب کو تاک میں بیٹھا مگر عمرو بن العاص اپنی بیماری کی تکلیف کی وجہ سے گھر سے نہیں نکلے اور اپنی طرف سے خارجہ بن حذافہ قاضی مصر کو نماز پڑھانے کے لئے مامور کیا۔ یہ نماز پڑھانے میں مصروف تھے کہ عمرو بن بکر نے انھیں عمرو بن العاص سمجھ کر تلوار سے مار ڈالا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ مقتول شخص عمرو بن العاص نہیں ہے تو بولا "میں نے تو عمرو کا ارادہ کیا تھا اللہ نے خارجہ کا" اس کا یہ فقرہ ضرب المثل ہو گیا۔ اس کے بعد جب اس شخص کو عمرو بن العاص کے سامنے لایا گیا تو رونے لگا۔ لوگوں نے کہا: کیا اس جبارت سے کسے موت سے گھبرا کر روتا ہے؟ اس نے کہا: بخدا ہنیں، بلکہ اس کا صدمہ ہے کہ میرے دونوں ساتھی علیؑ اور معاویہ کے قتل میں کامیاب ہو جائیں گے اور میں عمرو بن العاص کے قتل میں کامیاب ہوں گا۔

## اسامہ بن زیدؓ

سہ ماہہ

### عہدِ اسلام کے سب سے کمسن قائد

اسلام نے حریت، اخوت اور مساوات کی جو درخشاں مثالیں قائم کی ہیں اور بندہ و آزاد اور کالے و گورے کو جس طرح ایک ہی صف میں کھڑا کر دیا ہے اس کا ایک اونٹے کرشمہ یہ تھا کہ ابتداءً اسلام نبی سے موالی یا آزاد کو وہ غلام بلند سے بلند مرتبوں پر فائز اور اعلیٰ سے اعلیٰ مناصب پر سرفراز ہوئے انھیں میں اسامہ بن زید بھی تھے جنھیں عمر کے اٹھارہویں سال ہی میں لشکر کی سپہ سالاری تفویض ہوئی۔

**زید بن حارثہ** | اسامہ کے والد زید بن حارثہ احقر عرب میں سے تھے ان کا نسب لومی بن کعب تک پہنچتا ہے۔ عجیب اتفاق ہے کہ ان کی والدہ سعدی اپنی قوم بنی محسن کے یہاں جا رہی تھی ابھی یہ لوگ راستے ہی میں تھے کہ ان پر بنی القین بن حبیب کے سواروں نے حملہ کر دیا اور زید کو گرفتار کر کے سوق عکاظ میں لے گئے۔ یہاں انھیں حکیم بن حزام نے اپنی بھوپھی حضرت خدیجہ بنت خویلد کے لئے چار سو درہم میں خرید لیا۔ اب زید جناب خدیجہ کی خدمت میں رہنے لگے جب انھوں

نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کر لی تو زید کو ان کی خدمت کے لئے دے دیا۔ اس وقت ان کی عمر کا اٹھارہواں برس تھا۔  
 زید کے والد کو ان کے چھٹ جانے کا بڑا غم تھا اور یہ کہہ کر ان کے لئے روپا کرتے تھے :-

بکیت علی زید ولما در ما فعل

أحی أم أتی دونہ الاجل

زید زید کے لئے رو رہا ہوں اور مجھے نہیں معلوم کہ وہ زندہ ہے یا  
 لے موت آگئی

تَدَّ كَرِيْمُهُ الشَّمْسُ عِنْدَ طُلُوعِهَا

وَتَعْرِضُ ذِكْرَهُ إِذَا قَارَبَ الطُّغْلُ

رسول اپنے طلوع ہوتے وقت مجھے اس کی یاد دلاتا ہے اور جب  
 غروب ہونے کے قریب ہوتا ہے تو اس وقت پھر لے یاد دلاتا ہے  
 جب قبیلہ کلیب کے لوگوں نے حج کیا تو زید کو دیکھا۔ انہوں نے  
 زید کو پہچان لیا اور زید نے ان کو پھر زید نے ان لوگوں سے کہا: میرے  
 گھر والوں کو مطلع کرو کہ میں

أَجِبُّ إِلَى قَوْمِي وَإِنْ كُنْتُ نَائِيًا

بِأَثَى قَطِيبِ الْبَيْتِ عِنْدَ الْمَشَاعِ

میں اپنی قوم کا مشاق ہوں، اگرچہ ان سے دور ہوں اس لئے کہ خانہ کعبہ  
 میں مشعر حرام کے قریب میری سکونت ہے

ان لوگوں نے واپسی کے

بعد زید کے والد کو اطلاع دی

زید کے والد باہر گاہ رسالت میں

اور یہ جس جگہ رہتے تھے اس کا پتہ اور نشان سمجھایا۔ اب وہ مکے آئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دریافت کیا۔ لوگوں نے کہا۔ وہ مسجد میں ہیں پھر یہ آپ کے حضور میں پہنچے اور کہا: اے ابن عبدالمطلب! اے سردار قوم کے بیٹے، آپ اللہ کے حرم والے لوگ ہیں، قیدیوں کو چھڑاتے ہیں اسیروں کو کھانا کھلاتے ہیں، ہم اپنے بیٹے کے معاملے میں آپ کے پاس آئے ہیں، ہم پر ہر بانی فرمایے اور ان کا زرفدیہ قبول کر کے احسان کیجئے جو ہم ابھی ابھی آپکو پیش کئے دیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ہے کون؟ انھوں نے کہا: زید بن حارثہ؛ فرمایا: اس کے علاوہ تو کوئی بات نہیں؟ اچھا اے بلاؤ اور اسے اس بات کا اختیار دو کہ وہ کہتیں یا مجھے دونوں میں سے جسے چاہے اختیار کر لے۔ اگر اس نے تمہیں پسند کیا تو بغیر فدیہ لدا کئے ہوئے وہ تمہارا ہے اور مجھے ترجیح دی تو بخدا میں وہ شخص نہیں ہوں کہ جو آدمی مجھے ترجیح دے اس پر کسی کو ترجیح دوں۔ لوگوں کا بیان ہے کہ پھر آپ نے زید کو بلا لیا اور کہا: کیا تم ان لوگوں کو جانتے ہو؟ انھوں نے کہا: جی ہاں، یہ میرے والد ہیں اور یہ چچا ہیں؛ اور فرمایا مجھ کو تم جانتے ہو، اور تمہارے لئے میرا ساتھ جیسا رہا ہے اسے دیکھ چکے ہو۔ اب مجھے یا ان دونوں کو جسے چاہو اختیار کر لو۔ حضرت زید نے کہا: میں وہ نہیں کہ آپ کے ہوتے ہوئے کسی کو اختیار کر لوں، آپ میرے لئے باپ اور چچا کی جگہ ہیں! اس پر لوگوں نے کہا: تمہارا بڑا بھائی، کیا تم آزادی پر غلامی کو ترجیح دیتے ہو؟ انھوں نے کہا: میں نے ان میں کچھ ایسی چیز دیکھی ہے کہ ان پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا تو انھیں مقام حجر کے پاس لے گئے اور لوگوں سے

فرمایا: لوگو! گواہ رہو زید میرا بیٹا ہے۔ یہ میرا وارث ہوگا اور میں اس کو  
 جب زید کے باپ نے یہ بات دیکھی تو ان کا جی خوش ہو گیا اور وہ چلے گئے  
 اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبری ملی اور آپ اسلام  
 کی جامع اور وسیع تعلیمات کو رائج کرنے لگے جو جنس و قوم کے اختلاف  
 کے باوجود لوگوں میں مساوات قائم کرتی ہے اور ایمان داروں کو بھائی  
 بھائی بنا دیتی ہے۔ ان میں کوئی فرق نہیں رہتا اگر کچھ ہوتا ہے تو وہ صرف  
 حق پرستی میں سنقت کے لحاظ سے ہوتا ہے اور نہ ویسے سب برابر ہی  
 ہوتے ہیں۔

<p>حضرت زید کے مراتب                  اسامہ کی ولادت</p>	<p>زید سا بھتیجہ اولین۔ یعنی پہلے پہل                  اسلام میں داخل ہونے والوں میں سے                  تھے اس بارے میں یہاں تک مروی ہے</p>
--	--

کہ سب سے پہلے جو چار اشخاص ایمان لائے ان میں چوتھے زید تھے  
 یہ بدر کے محرم کے عظیم میں شریک تھے اور کفر پر غلبہ اسلام کی بشارت  
 دینے پہ پہنچانے کا کام انھیں کے سپرد ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
 وسلم نے زید کے ساتھ اپنی محبت و شفقت ظاہر فرمانا چاہی تو انھیں ام مین  
 کے ساتھ بیاہ دیا جو آپ کی آزاد کردہ کنیز تھیں۔ انھیں سے اسامہ بن  
 پیدا ہوئے۔ آپ نے اس سے بھی زیادہ خصوصیت زید کے ساتھ یہ برتی  
 کہ ان کی شادی اپنی بھوپھی کی بیٹی زینب بنت جحش سے کروئی اور  
 عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس سر پہ  
 بھی زید کو بھیجا انھیں اس کا امیر یا سپہ سالار ضرور بنایا۔ اگر وہ زندہ  
 تو انھیں اپنے بعد اپنا جانشین ضرور مقرر فرماتے۔ الزہری راوی ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض سفروں کے موقع پر زید کو اپنا جانشین بنایا۔ اگر ان حالات میں زید جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موالی میں سے تھے۔ اپنے آقا کی عنایت و شفقت سے سر بلند ہوئے اور آپ کا اعتماد حاصل کیا تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔ یہاں تک مسلمان انھیں زید بن محمد کہنے لگے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔  
 اُدْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ اِنَّهُمْ بآپ کے نام سے پکارو۔ اللہ کے نزدیک یہ بات زیادہ موزوں ہے، اس کے بعد سے یہ زید بن حارثہ کے نام سے موسوم ہوئے۔

اسامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ عاطفت میں ہی جوان ہوئے۔ ان کے والد زید اور ان کی ماں ام ایمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موالی میں تھیں اس لئے اسامہ کا دل حضور اکرمؐ کی محبت سے لبریز تھا۔ اپنے باپ کی طرح یہ بھی حضور کے الطاف و عنایات سے سرفراز تھے۔ عبداللہ بن عمر راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسامہ بن زید مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہیں اور مجھے امید ہے کہ یہ تمہارے صاحبین میں سے ہوں گے۔ اس لئے ان کی نسبت سچھلانی کی وصیت کو قبول کرو۔

رومی فہم کیلئے اسامہ کی نامزدگی	جس وقت اسامہ کے والد شہید ہوئے انھی عمر کا پندرہواں سال تھا۔ اس کے بعد یہ اٹھارہ برس گئے بھی نہ ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے باپ کی یاد کا احترام کرتے ہوئے مناسب تصور فرمایا کہ چھٹا ان کے سپرد کیا جائے اور انھیں رومیوں سے لڑنے کے لئے بھیجا جائے
---------------------------------	---

تاکہ یہ ان سے اپنے باپ کا اور شہدار مسلمین کا انتقام لیں اور ان رومیوں کی گوشمالی کریں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا مذاق اڑایا، آپ کے قاصدوں پر زیادتی کی اور آپ کے اصحاب کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے اور انتقال فرمایا۔ اس وقت اسامہ نے مناسب سمجھا کہ اس لشکر کی امارت سے دست بردار ہو جائیں لیکن خلیفہ رسول اللہ حضرت ابو بکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش پوری کرنے کے سوا کسی بات پر راضی نہ ہوئے اور انہوں نے اسامہ کو مشارف الشام کی جانب روانہ فرمایا کیونکہ آپ اس طریقے کو ایک جنگی تدبیر اور سیاسی مصلحت تصور فرماتے تھے جس سے دشمنوں کے دلوں میں عربی حکومت کی قوت اور اس کے مرکزی استقلال کا احساس پیدا کرنا مقصود تھا۔ اس موقع پر عربوں نے کہا: اگر ان لوگوں میں قوت نہ ہوتی تو یہ لشکر گزرنے بھجوتے۔ اس لئے وہ ایسی بہت سی باتوں سے باز رہے جنہیں وہ کرنا چاہتے تھے۔

لیکن بعض صحابہ نے جن میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں اسامہ کے امیر لشکر ہونے پر اعتراض کیا کہ ابھی یہ کم عمر ہیں اس کے

اسامہ کی امارت  
لشکر پر اعتراض

علاوہ چیز یہ نماے عرب میں حضور کی وفات کے بعد حالات میں اضطراب پیدا ہوا ہے۔ مگر حضرت ابو بکر نے بڑی دوراندیشی سے کہا: جو حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دے چکے ہیں اسے رو نہ کروں گا۔ اگر مجھے اس بات کا بھی امکان ہو کہ ورنہ مجھے اٹھائے جائیں گے تب بھی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اسامہ کا لشکر ضرور بھجوں گا۔ پھر وہ

بیٹھے بیٹھے اپنی جگہ سے پھلے اور حضرت عمر کی وارٹھی پکڑ کر کہا: اے ابن الخطاب تمہاری ماں تم کو روئیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اسامہ کو حاکم بنا رہا اور تم مجھے ان کے معزول کرنے کا حکم دو۔

اس لئے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مسلمان اور ان کے درمیان حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے اور اس کے دین کی مدد کرنے کے لئے اسامہ کے جھنڈے تلے جلد جلد جمع ہو رہے ہیں اور ان کے لشکر میں شامل ہو رہے ہیں تو ہمیں کوئی تعجب نہیں ہوتا۔

جب یہ لشکر روانہ ہونے لگا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اسے رخصت کرنے کے لئے پایاؤ چلے اور اسامہ سوار تھے۔ انھیں دیکھ کر اسامہ

اسلامی مساوات کا

روح پرور نظارہ

نے کہا: اے خلیفہ رسول اللہ آپ سوار ہو جائیں ورنہ میں سواری سے اتر پڑوں گا فرمایا۔ بخدا نہ تم اترو نہ میں سوار ہوں گا میں گھڑی بھر کے لئے اپنے قدموں کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں غبار آلود کربوں گا تو میرا کیا بگڑ جائے گا مجاہد کے ہر قدم پر جو وہ بڑھاتا ہے سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں سات سو درجے اس کے لئے بلند کر دیئے جاتے ہیں اور اس کی سات سو بدیاں مٹا دی جاتی ہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اس موقع پر اسامہ کی جتنی تعظیم منظور تھی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آپ نے اسامہ سے کہا: تم اگر مناسب سمجھتے ہو کہ مجھے عمر کے ذریعے مدد دینا انھیں میرے پاس رہنے دو۔ اسامہ نے اجازت دے دی۔ پھر حضرت ابو بکر نے اسامہ کو یہ نصیحتیں کیں: خیانت اور بد عہدی نہ کرنا، مال غنیمت میں بے ایمانی نہ کرنا، کسی کے ہاتھ پاؤں یا ناک کان نہ کاٹنا، کسی پھل دار



درخت کو نہ کاٹنا، کسی بچے، بوڑھے یا عورت کو قتل نہ کرنا۔ کھجوروں کے درختوں کو کھنڈ نہ بنانا اور نہ انھیں جلانا، بکری۔ گائے اور اونٹ کو اپنے ضرورت، ذبح نہ کرنا۔ تم عنقریب ایسے لوگوں کے پاس سے گزرو گے جو صرف اللہ تعالیٰ کی یاد لئے عبادت گاہوں میں بیٹھے ہیں۔ جہنوں نے سر کے درمیانی حصے کے بال صاف کر رکھے ہیں اور اس کے آس پاس پٹیاں ایسی ہی چھوڑ دی ہیں۔ تم ان پر تلوار سے حملہ کرو اب اللہ کا نام لے کر کوچ کرو۔ پھر حضرت اسامہ کو نصیحت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس بات کا حکم دیا ہے اس پر عمل کرنا۔

اس طرح مسلمانوں کے خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ادا کیے اور اب حضرت فرمائے۔ انھیں کمزوروں کے ساتھ بھلائی کرنے	لڑائی کے آداب کی تلامذہ
--	----------------------------

کی نصیحت کی، اس بات کی ترغیب دی کہ لوگوں کی جان اور مال کو امان دیں اور ان کے دینی شعائر میں مداخلت نہ کریں۔ اسامہ جیسے ذمی شعور اور نوجوان قائد اور پرہیزگار مسلمان ہیں اس کی صلاحیت تھی کہ کتاب و سنت کی پیش کی ہوئی متفقہ سیاست کو بہترین طریقے پر جاری کریں۔ یہی وہ سیاست تھی جسے اسلام جیسے جامع اور وسیع المشرب دین اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل بجا طور پر ضرب المثل بنا دیا تھا۔ مسلمانوں کے خلفاء اور ان کے نامور قائدین سب اسے عمل میں لانے کے لئے جدوجہد کرتے رہے۔۔

اسامہ بن زید اس غزوہ میں چالیس دن باہر رہے اس مدت کے بعد کامیاب و فخر مند ہو کر واپس آئے	کامیاب مراجعت
--	---------------

تاکہ مرتدین کی عزیز لڑائیوں میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مدد دیں  
اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان تمام مرحلوں میں کامیابی عطا کی اور اسلام  
کا غلبہ و ودیدہ پھر پوری طاقت کے ساتھ قائم ہو گیا۔

اس کے بعد جب حضرت عمر  
رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اسامہ کے وظیفے پر عبداللہ بن عمر کا  
اعتراض اور اس کا جواب

اور ان کے خلیفہ حضرت ابو بکر نے جن لوگوں کا اعزاز و اکرام فرمایا تھا انہیں  
کو حضرت عمر نے بھی عزیز رکھا۔ انہوں نے اسامہ بن زید کے لئے پانچ ہزار  
درہم اور اپنے بیٹے عبداللہ کے لئے دو ہزار درہم مقرر کئے۔ اس بات پر  
عبداللہ بن عمر نے کہا: آپ نے مجھ پر اسامہ کو ترجیح دی حالانکہ میں  
اتنے غزوات میں شریک ہوا ہوں جتنوں میں وہ نہیں ہوئے: حضرت  
عمر نے جواب دیا: اسامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کو تم سے زیادہ  
عزیز تھے اور ان کے باپ سے رسول اللہ کو تمہارے باپ سے زیادہ محبت  
تھی: پھر جب حضرت عمر شہید ہوئے اور ان کے بعد حضرت عثمان نے  
بھی شہادت پائی تو اسامہ نے حضرت علی سے بیعت نہیں کی نہ ان  
کی کسی لڑائی میں شریک ہوئے۔ جب حضرت علی نے ملامت کی تو کہا:  
اگر آپ اڑوڑھے کے منہ میں ہاتھ ڈالتے تو میں بھی ضرور آپ کے ساتھ  
اس کے منہ میں ہاتھ ڈال دیتا لیکن جب میں نے ایک شخص کو  
جس نے گواہی دی تھی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، قتل  
کر دیا تھا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے جو کچھ

فرمایا تھا آپ سن ہی چکے ہیں لہ

وفات | اسامہ نے حضرت معاویہ کے آخری عہد یعنی ۳۵ھ میں  
اور بقول بعض ۳۹ھ میں وفات پائی۔ یہ مسلمانوں کے  
لشکر کے پہلے قائد تھے جو اتنی کم عمری میں اس منصب پر فائز ہوئے۔

۱۰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ کو حرقہ کی طرف بھیجا تھا۔ یہاں دشمن سے مقابلہ ہوا  
اور وہ ہریت کھا کر بھاگے اس موقع پر اسامہ اور اکیا نصاریٰ نے ایک شخص کا تعاقب کیا جب وہ زوریں لگیا تو  
”لا الہ الا اللہ“ پکارا اٹھا اسکے بعد اس اعلان پر نصاریٰ نے ہاتھ روک لیا مگر اسامہ نے نیزوں سے کام لیکر اسکا کام تمام  
کر دیا آپ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعہ معلوم ہوا تو فرمایا: اسامہ تم نے ایک شخص کو کلمہ طیبہ پڑھنے  
کے باوجود قتل کر دیا۔ انہوں نے عرض کی: ”انہ نے اپنے بچاؤ کے لئے ایسا کیا تھا۔“ آپ نے یہ عذر نا قابل  
قبول تصور فرمایا اور اس کے باوجود اس جہد کو دہرائے رہے (بخاری ج ۲ کتاب المغاری۔ باب  
بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حالات اسامہ بن زید)

## عمار بن یاسرؓ

س۳۷۰ ۳۷۰ھ

یہ عالی مرتبہ صحابی اور صہیب بن سنان ایک ہی وقت میں اسلام لائے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جن ضعیف لوگوں کو قریش نے ستایا اور طرح طرح کے دکھ دیئے انہیں میں یہ بھی شامل ہیں۔ ان کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ عمار بن یاسر بن عامر بن کنانہ بن قیس اللہی۔ یہ یمن کے محطانی عربوں میں بنی عس سے تعلق رکھتے ہیں۔

**ولادت** | عمار کے والد یاسر اپنے دونوں بھائیوں حارث اور مالک کے ساتھ اپنے چوتھے بھائی کی تلاش میں مکہ آئے تھے۔ حارث اور مالک یمن کو بوٹ گئے اور یاسر کے ہیں رہ گئے اور ابو حذیفہ بن المخرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم سے مخالفت کر کے ان کی ایک کنیز سے شادی کر لی جو سُمیہ کے نام سے مشہور تھی۔ اسی بیوی سے عمار پیدا ہوئے۔ اس طرح عمار بن مخزوم کے حلیف ہیں۔

**مخالفت** | حلیف، پناہ لینے والے (جار) اور آزاد کئے ہوئے لوگ موالی ہیں داخل ہیں۔ جب کوئی شخص کسی حُر م کے از کتاب کی وجہ سے اپنے قبیلے سے ہٹا دیا جاتا ہے تو وہ دوسرے قبیلے میں

جاننا تھا اس طرح اس کے حقوق قائم ہو جاتے اور خود اس پر چند فرائض عائد ہوتے جن میں سے بعض یہ ہیں کہ پناہ دینے والا پناہ میں آنے والے کی حمایت کرے اور قبیلے میں اس کے رہنے کی جگہ کا پاس رکھے۔ حلیف کے لئے بھی وہی طریقہ جاری تھا جو پناہ لینے والے کے لئے معمول تھا۔ عمار بن مخزوم سے موالات کی بدولت ان کے حلیف ہو گئے تھے۔ ان کا یہ طریقہ ایسا ہی تھا جیسا کہ فارس کے بہت سے خاندانوں نے اختیار کیا تھا جنہوں نے ہلا و فارس کے عربی اقتدار میں آنے کے بعد اپنے تعلقات عرب خاندانوں سے اس لئے استوار کرنے تھے کہ عربوں کی حمایت حاصل ہو اور ان کے شرف اور مرتبے سے نفع پہنچے۔

**اسلام** | اسلام ظاہر ہوا تو عمار بن یاسر سابقین اولین کی صف میں آگئے۔ انھوں نے اور صہیب بن سنان نے ارقم بن ابی الارقم کے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا۔ عمار کہتے ہیں: میں دارالارقم کے دروازے پر صہیب بن سنان سے ملا اس وقت حضور اکرم اس گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ میں نے صہیب سے پوچھا: تمہارا کیا ارادہ ہے؟ انھوں نے کہا: اور تمہارا کیا ارادہ ہے؟ میں نے کہا: میرا ارادہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤں اور انکی باتیں سنوں۔ صہیب نے کہا: میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ پھر ہم دونوں حضور اکرم کے پاس اندر گئے۔ آپ نے ہم پر اسلام پیش فرمایا اور ہم اسلام لے آئے ایک روایت ہے کہ سب سے پہلے جن لوگوں نے اپنا اسلام ظاہر کیا وہ سناٹ ہیں: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، ابو بکر، بلال، جناب ابن ابی ریحہ، صہیب، عمار، اور ان کی والدہ سمیہ۔

## اسلام کی راہ میں یزائیں

عمار ان صنفا سے اسلام میں سے ہیں جن سے مشرکین نے تمسخر کیا، انکی عبادتوں

کا مذاق اڑایا اور جنہیں اللہ کی راہ میں دکھ دیئے گئے۔ مشرکین کا طریقہ تھا کہ جب ریت خوب تپنے لگتی اس وقت عمار بن یاسر ان کے باپ اور ماں کو نکال کر مقام ابطح پر لاتے جو مکے اور منی کے درمیان ایک ہموار زمین کا نام ہے اور یہاں کی شدید گرمی سے انھیں عذاب میں مبتلا کرتے۔ ایسے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزران کی طرف سے ہوتا تو فرماتے: اے آل یاسر صبر کرو، تمہاری وعدہ گاہ جنت ہے۔

ابو جہل کا طریقہ تھا کہ جب وہ کسی صاحب مرتبہ شخص کے اسلام لانے کا حال سنتا تو اسے ڈانٹتا اور کہتا: تم نے اپنے باپ کا دین چھوڑ دیا حالانکہ تمہارا باپ تم سے بہتر ہے۔ میں تمہاری رائے کو احمقانہ ثابت کر دکھاؤں گا اور تمہارے شرف کو خاک میں ملا دوں گا۔ اگر یہ مسلمان کوئی تاجر ہوتا تو کہتا۔ میں تمہاری تجارت کو بٹھ لگا دوں گا اور مال و دولت کو تباہ کر دوں گا۔ اگر کوئی ضعیف شخص ہوتا تو ابو جہل اسکو مارتا۔

اس کے بعد مشرکین عمار کو سزا دینے میں مبالغہ کرنے لگے۔ کبھی سیاہ پتھر ملی زمین پر پٹاتے، کبھی ان کے سینے پر پتھر کی بڑی سیل رکھ دیتے اور کبھی پانی میں ڈبو تے۔

یہ حقیقت ہے کہ مشرکین مسلمان کو عذاب دیتے، اسے مارتے اور پیاسا رکھتے، یہاں تک کہ وہ سزا کی شدت سے سیدھا نہ بیچھڑ سکتا، پھر اس سے کہتے اللہ نہیں، لات وغز می تیرے محبوب ہیں وہ مجبوراً، ہاں کہہ دیتا۔ ایک با رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمار بن یاسر کے پاس سے گزرے تو وہ رو رہے تھے

آپ نے ان سے کہا و تمہارا کیا حال ہے؟ کیا کفار نے تمہیں پکڑ کر پانی میں غوطے دینے ہیں۔ اور تم نے ایسا ایسا کہا ہے؟ پھر آپ نے فرمایا۔ اگر وہ پھر ایسا کریں تو جیسا پہلے تم کہہ چکے ہو کہہ دینا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمار اور ان کے والدین کے لئے رقت طاری ہو جاتی تھی۔ جس وقت انہیں عذاب دیا جا رہا ہوتا اور آپ ان کی طرف سے گزرتے تو ان پر رحم کھاتے، ان کے لئے مغفرت کی دعا فرماتے اور انہیں جنت کی بشارت دیتے۔ یہاں تک کہ ایک دن آپ نے فرمایا: لے اللہ آل یاسر کو بخش دے اور تو بخش ہی چکا ہے۔

والد اور والدہ کی  
شہادت

یاسر اس عذاب کی شدت کو برداشت نہ کر سکے اور انتقال کر گئے۔ ان کی بیوی سمیہ سے صبر نہ ہو سکا۔ وہ ابو جہل کو سخت سست کہہ بیٹھیں۔ اسے

انہیں نیزہ مار دیا جس سے وہ ہلاک ہو گئیں۔ یہ اسلام میں شہید ہونے والی پہلی عورت تھیں۔ اس طرح اسلام کی نصرت اور عوب میں اسلام کی سر بلندی کے لئے جیسے اور مسلمانوں نے طرح طرح کے عذاب اٹھائے آل یاسر کو بھی ان کا سامنا کرنا پڑا۔

جب مسلمانوں کے حق میں مشرکین کی  
اذا رسانی نے بہت شدت اختیار کر لی  
تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے

جیشہ کی طرف ہجرت کا حکم  
مسجد قبا کی تعمیر

اصحاب کو جیشہ ہجرت کر جانے کا حکم دیا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ جن لوگوں نے سرزمین جیشہ کی طرف ہجرت کی ان میں عمار بن یاسر بھی تھے۔ اس کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو عمار بن یاسر نے آپ سے سبقت کی اور راستے میں مسجد قبا

بنائی۔ ایک روایت میں ہے کہ عمار نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہمارا ایک مکان بنانا ضروری ہے تاکہ دوپہر کو آرام کے وقت آپ کو اس میں سایہ مل سکے اور آپ اس میں نماز پڑھیں۔ چنانچہ عمار نے پتھر جمع کئے اور اسلام میں تعمیر ہونے والی پہلی مسجد بنائی جس کا نام مسجد قبا ہے۔

اسی طرح عمار نے مدینے میں مسجد نبوی کی تعمیر میں شرکت کی۔ اس وقت ہر مسلمان ایک ایک اینٹ لاکر دیتا تھا اور عمار و ذوالنہس

مسجد نبوی کی تعمیر میں  
شرکت

لاتے تھے۔ عمار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: یا رسول اللہ، ان لوگوں نے مجھے مار ڈالا۔ یہ مجھ پر اتنا بوجھ لا رہے ہیں جتنا خود نہیں اٹھاتے۔ ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ رادی ہیں کہ اس موقع پر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمار کے بال اپنے دست مبارک سے صاف کر رہے تھے، ان کے بال گھنگھریا لے تھے، اور یہ فرماتے جاتے تھے: افسوس ابن سمیہ یہ لوگ تجھے نہیں ماریں گے۔ تجھے تو باعنی جماعت قتل کرے گی۔

مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ رجز پڑھتے جاتے تھے۔

۱۔ یہ مسجد خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعمیر کرائی تھی۔ قبائیں کلثوم بن ابیہم کی ایک اناؤہ زمین تھی یہیں دست مبارک سے مسجد کی بنیاد پڑھی اور مزدوروں کے ساتھ خود بھی کام میں شریک رہے (سیرۃ النبیؐ ج ۱ ص ۱۶۶ طبع چہارم) (اوارہ)

اسلام میں یہ سب سے پہلی مسجد تھی جو آپ نے قبا کے چودہ دن کے قیام میں تعمیر فرمائی۔

(تاریخ اسلام حصہ اول ص ۱۶۶)



لا یتوی من یعمر المساجد ایدا ب فیہا قاشما وقاعدا

ومن یرمی عن العبار حاندا

اذا لیا شخص جو مسجد تعمیر کرتا ہے اکھڑے بیٹھے اس مشقت میں لگا رہتا ہے اور وہ شخص جو گمراہی سے الگ کھڑے دونوں برابر نہیں ہو سکتے

عمار بن یاسر بھی انہیں اٹھاتے جاتے اور اسی رجز کو پڑھتے جاتے مسجد بناتے وقت عمار یہ بھی گنگناتے تھے۔ نحن المسلمون نبتنی المساجد (تم مسلمان مسجدیں بناتے ہیں) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے رجز کے بعض حصے دہرا دیا کرتے اور فرماتے: المساجد۔ اسی طرح عمار مدینہ کے گمراہ خندق کھودنے میں بھی شریک تھے اور اس موقع پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جہم سے مٹی صاف کر رہے تھے۔

عمار بن یاسر ان مہاجرین اولین میں سے ہیں جنہوں نے اللہ کی راہ میں اپنے گھر بار اور مال و دولت کو چھوڑ دیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مہاجرین کے دل سے ہجرت کی شدید تکلیفات کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ان میں اور انصار میں مواخات یا بھائی چارہ قائم فرما دیا۔ اس سلسلے میں عمار بن یاسر حلیف بنی مخزوم کا بھائی چارہ خدیقہ بن الیمان سے کیا۔ جو بنی عبدالاشہل کے حلیف بنی عبس کے بھائی تھے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمار بن یاسر اور ثابت بن قیس بن الشہاس کے درمیان مواخات قائم فرمائی جو خطیب رسول ہجرت الحزرجی کے بھائی تھے۔

عمار بن یاسر غزوات اور سرایات میں

غزوات و سرایات میں شرکت

شرکت کر چکے تھے اور انھیں رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام محروکوں میں حاضری کا موقع ملا۔ ایک روایت میں

میں ہے کہ یہ بدر، احد اور خندق میں ٹھیک ہوئے اور بیعت الرضوان میں بھی موجود تھے جس میں مسلمانوں نے حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی جو مکے سے نو میل کے فاصلے پر ہے۔ یہ بیعت اس حجر کے مشہور ہونے پر کی گئی تھی کہ قریش نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفتح میں اسی بیعت کی تشریح فرمائی ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يَبَايَعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ  
فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا  
وَمَعَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا:

(اے پیغمبر) جب مسلمان (ایک کیکر کے) درخت کے تلے ہتھارے ہاتھ پر لڑنے مرنے کی بیعت کر رہے تھے خدا ربہ حال دیکھ کر ضرور ان مسلمانوں سے خوش ہوا اور اس نے ان کی دلی عقیدت کو جان لیا اور ان کو اطمینان (قلب) عنایت کیا۔ اور (اس کے) بدلے میں انکو سروسٹ (خیبر کی) فتح دی اور (فتح کے علاوہ) بہت سی غنیمتیں جن پر ان لوگوں نے جاب قبضہ کیا اور اللہ زبردست داور حکمت والا ہے)

غزوة ذات الرقاع کا	غزوة ذات الرقاع میں بھی عمار کا بڑا
ایک واقعہ	حصہ رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
	سگہ میں بنی محارب اور بنی ثعلبہ کے

تصد سے روانہ ہوئے۔ جب اس غزوة سے واپس ہونے لگے تو ایک مسلمان نے مشرکین میں سے کسی شخص کی عورت کو کینز بنا لیا۔ آپ کے واپس ہونے کے بعد اس کا شوہر جو پہلے موجود نہ تھا آیا۔ اس واقعہ کا علم ہونے پر اس نے قسم کھائی کہ جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے

کسی کا خون نہ بہا لے واپس نہ ہو گا۔ اس کے بعد وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلا۔ آپ اس موقع پر ایک جگہ مقیم ہوئے اور فرمایا: آج رات ہماری پاسبانی کون کرے گا؟ پھر آپ نے ایک شخص کو ہاجرین میں سے طلب فرمایا۔ یہ عمار بن یاسر تھے اور ایک شخص کو انصار میں سے بلا یا یہ عباد بن بشر تھے۔ ان دونوں نے کہا: یا رسول اللہ ہم حاضر ہیں۔ آپ نے فرمایا تم دونوں غار کے وہاں پر رہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے واوی کے ایک غار میں پڑاؤ ڈالا تھا جب عمار اور عباد غار کے وہاں پر گئے تو عباد نے عمار سے کہا: تم میری پاسبانی رات کے کس حصے میں پسند کرتے ہو، اول شب میں یا آخر شب میں؟ عمار نے کہا: رات کے ابتدائی حصے میں۔ چنانچہ عمار لیٹ کر سو گئے اور عباد کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ وہ شخص (عورت کا شوہر) آیا اور اس نے عباد کے تیر مارا۔ جب عمار نے عباد کے جسم سے خون بہتا دیکھا تو کہا: سبحان اللہ، تم نے اس کے پہلے ہی تیر مارے کیوں نہ جگا دیا؟ عباد نے کہا: میں ایک سورت پڑھنے میں مشغول تھا میں نے نہ چاہا کہ اسے ختم کرنے سے پہلے موقوف کرووں۔ جب اس نے مجھ پر کسی تیر مارے تو میں نے رکوع کیا اور تمہیں آگاہ کرو دیا۔ خدا کی قسم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے زین کے جس لٹمے کی حفاظت کا حکم دیا تھا اگر مجھے اس کے صنالح ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو سورت کو ختم کرنے سے پہلے میری زندگی کا رشتہ

۱۔ اس شخص نے عباد کے تین تیر مارے پہلے اور دوسرے تیر پانچوں نے نماز موقوف نہ کی تیسرا تیر لگنے پر انہوں نے رکوع و سجدہ سے فاسخ ہو کر سلام پھیرا اور اپنے ہاجر ساتھی کو جگا یا دسیرۃ ابن شام جلد دوم بیان غزوہ ذات الریاح) ۱۰۰ فقہاً (ادارہ)

یعنی خواہ جان ہی کیوں نہ چلی جاتی نماز موقوف نہ کرتا۔

غزوہ بتوک میں عمار بن یاسر ان صحابہ میں سے تھے جو غزوہ بتوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے آپ نے سفر میں مسلمانوں کو رومیوں سے

لڑنے کے لئے بلا یا اور لشکر کے ساتھ شام کے راستے پر چلے لیکن منافقین نے مسلمانوں کو رومیوں کی لڑائی سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ انہوں نے مسلمانوں میں دہشت پیدا کرنے کے لئے آپس میں کہا: کیا تم بنو اصر کے پیادوں کی لڑائی ایسی ہی سمجھتے ہو جیسے عرب آپس میں ایک دوسرے سے لڑتے ہیں۔ بخدا ہمیں تو ایسا نظر آتا ہے کہ کل تم رومیوں میں جکڑے ہوئے نظر آؤ گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عمار بن یاسر پر اعتماد تھا آپ نے انہیں حکم دیا کہ مسلمانوں میں شامل ہو کر ان کی رائے معلوم کریں۔ عمار ان کے پاس گئے اور انہیں ان کی اس رائے سے سہٹا یا اس کے بعد وہ اس معاملے میں عمار کی سعی کی بدولت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معذرت کی۔

چونکہ عمار ایمان کے سچے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اخلاص رکھتے تھے اور آپ کی دعوت پر مضبوطی سے قائم تھے، اس کے علاوہ دین کی نصرت میں ان کی خوب آزمائش ہو چکی تھی اس لئے آپ کو ان پر بڑا بھروسہ تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ خالد بن الولید نے عمار کے ساتھ سختی کی۔ عمار شکایت کے لئے آپ کے پاس چلے۔ خالد بھی گئے تو عمار کو شکایت کرتے ہوئے دیکھ کر ان کی نسبت سخت باتیں کہیں۔ آپ خاموش رہے اور کچھ نہ فرمایا۔ عمار روئے اور کہا: یا رسول اللہ کیا آپ

انہیں نہیں دیکھتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر اٹھایا اور فرمایا  
جس نے عمار سے دشمنی کی اللہ اس سے دشمنی کرے گا، جو عمار سے کینہ رکھے  
گا اللہ اس سے کینہ رکھے گا، خالد کا بیان ہے کہ اس کے بعد میں نکلا تو  
عمار کی رضا جوئی سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہ تھی۔ پھر میں عمار سے ملا تو  
وہ مجھ سے رضامند ہو گئے۔

خلفائے راشدین | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال  
کا عہد | فرمانے کے بعد خلفائے راشدین کے عہد  
میں بھی عمار نے بڑے کارنامے انجام دیے

معرکہ یمامہ میں نہایت بہادر سی سے لڑے۔ بعض صحابہ نے انہیں دیکھا کہ  
ایک چٹان پر سے چلا کر کہہ رہے ہیں: لے کر وہ مسلمان کیا تم جنت سے  
بھاگ رہے ہو، ادھر آؤ اور یہاں میں ہوں عمار بن یاسر، میری طرف آؤ  
اور یہ بات اور زیادہ تعجب خیز ہے کہ جس وقت وہ مسلمانوں کو پکار پکار  
کر مسیماۃ الکذاب اور اس کے حامیوں سے لڑنے پر اکسارہے تھے ان  
کا کان کٹ کر سر سے لٹک رہا تھا اور وہ اسی حال میں نہایت شدت  
کے ساتھ جنگ کر رہے تھے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ عمار کے اخلاص اور ان کی کارگزاری  
سے واقف تھے آپ نے انہیں کوفہ کا والی بنایا اور اہل کوفہ کو لکھا۔  
”میں نے عمار کو تمہارا امیر بنا کر بھیجا ہے اور عبد اللہ بن مسعود کو وزیر  
اور معلم مقرر کیا ہے یہ دونوں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نجیب  
اصحاب ہیں سے ہیں اس لئے ان دونوں کی پیروی کرو“  
لیکن اہل کوفہ نے انہیں تنگ کیا اور حضرت عمرؓ سے انکی شکایت

کر دی۔ آپ نے انہیں معزول کر دیا۔ کہتے ہیں آپ نے عمار سے فرمایا:  
 کیا تمہیں ہمارا معزول کرنا برا معلوم ہوا؟ انہوں نے جواب دیا: آپ یہ کہہ  
 رہے ہیں تو سچ یہ ہے کہ جب آپ نے مجھے عامل بنایا اس وقت بھی  
 مجھے برا معلوم ہوا اور جب معزول کر دیا تب بھی۔“

عمار ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے  
 تھے پرہیزگاری اور اوائل عہد میں انہیں عمار پر اعتماد تھا۔ جب اسلامی  
 شہروں کے لوگ حضرت عثمان سے سخت شاکی ہوئے تو انہوں نے  
 حبابہ سے چار اشخاص کو مامور کیا کہ وہ اس شکایت کی تحقیقات کریں  
 سلسلہ میں محمد بن مسلمہ کو ذمہ بھیجے گئے، اسامہ بن زید کو بصرہ، عبداللہ  
 بن عمر کو شام اور عمار بن یاسر کو مصر روانہ کیا گیا۔

خلیفہ کے نامزد کئے ہوئے یہ لوگ واپس آ گئے۔ صرف عمار نہ آئے  
 انہیں شورش پسندوں نے مصر میں اپنی طرف بلا لیا۔ اس سے پہلے  
 باس بن عتبہ بن ابی لہب اور عمار کے درمیان بہتان طرازی پر حضرت  
 عثمان رضی اللہ عنہ عمار کو تنبیہ کر چکے تھے۔ اس کے احساس نے بھی حضرت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس موقع پر عمار نے جو جواب دیا وہ یہ ہے: میں تو پہلے  
 اپنے تقریبے خوش ہوا تھا اور نہ اب اپنی معزولی سے ناراض ہوں۔

(طبقات ابن سعد، جلد ۳ ص ۱۸۳)

مؤلف کی عربی عبارت حسب ذیل ہے: فقد ساءني حين استعملتني وساءني  
 حين عذبتني۔

عثمان کے خلاف عمار کے اس رویے میں مدد دینی۔ مورخین کی ایک روایت ہے کہ عمار حضرت عثمان پر نکتہ چینیاں کرتے تھے۔ جن صحابہ نے حضرت عثمان کو ایک خط لکھ کر اس میں انہیں ملامت کی تھی ان کے گردہ میں یہ بھی شریک ہو گئے تھے۔ عمار حضرت عثمان کے پاس پہنچے اور انہیں یہ خط ان کے سامنے پیش کیا اور اس کا ایک حصہ پڑھ کر سنا۔ حضرت عثمان نے انہیں سخت سست کہا اور ٹھوکر سے مارا۔ عمار اس وقت بوڑھے ہو چکے تھے اور کمزور تھے۔

جب حضرت عثمان شہید کر دیئے گئے اور امیر معاویہ نے ان کے خون کا مطالبہ کیا تو عمار حضرت

رضی اللہ عنہ کے طرف دار ہو گئے اور واقعہ جبل میں شریک ہونے کے بعد معرکہ صفین میں بھی ان کا ساتھ دیا۔ اس موقع پر انہوں نے خوب بہادری دکھائی۔ صحابہ اس موقع پر ان کا اتباع اس طرح کرتے تھے گویا عمار ان کے

سے مولف نے حضرت عثمان کے عمار کو تنبیہ کرنے کی کوئی تفصیل نہیں لکھی اس لئے صرف ترجمے پر اکتفا کیا گیا۔ مسند اول تاریخوں میں یہ روایت نظر نہیں گزری۔ شورش پسندوں سے عبداللہ بن سبا کی جماعت مراد ہے۔ اس جماعت میں سے عبداللہ بن سوہاء، خالد بن ولید، سوہان بن جمران، اور کنانہ بن لبشر عمار مل گئے تھے۔ (ادارہ)

۱۰ حضرت عثمان کے خود لکھ کر مارنے کی روایت صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ یہ سبائی جماعت سے متاثر ہو گئے تھے اس لئے حضرت عثمان نے ان کی فہمائش ضرور کی تھی۔ (تاریخ اسلام حصہ اول ص ۲۵۷) + (ادارہ)

سروار ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ عمار کو اس موقع پر اپنی موت کا قرب محسوس ہو چکا تھا، ایسے میں انھوں نے ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص سے کہا: ہاشم کیا تم حنت سے بھاگتے ہو؟ حنت تلوار کے نیچے ہے، آج، میں اپنے دوستوں سے، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، اور ان کے گروہ سے ملوں گا۔ خدا کی قسم اگر وہ ہمیں لڑتے لڑتے ہجر کے درہ کوہ تک بھی پسپا کر دیں تب بھی میں یہی جانوں گا کہ ہم حق پر ہیں اور یہ لوگ غلط راستے پر ہیں۔ دیکھو عمار نے کہا: مجھے گھونٹ بھر دو دھلا دو۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا تھا: دنیا کی چیزوں میں دو دھکا گھونٹ تیرا آخری مشروب ہو گا۔" (یہ کہہ کر) انھوں نے دو دھپی لیا اور لڑنے لگے یہاں تک کہ اسی حالت میں شہید ہو گئے۔ اس وقت ان کی عمر چوہانوںے سال تھی (ایک روایت سے تیرا نوے سال کے تھے اور ایک روایت کے مطابق اکیانوے سال کے) جب ان پر ریلک (دار ہوا تو انھوں نے کہا: مجھے میرے اپنی کپڑوں میں دفن کرنا کیونکہ میں برسہا برسوں (یعنی لڑائی کی حالت میں شہید ہو رہا ہوں) یہ واقعہ ماہ ربیع الاول ۳۷ھ کا ہے۔ انھیں حضرت علی بن ابی طالب نے انھیں کے کپڑوں میں دفن کر دیا اور غسل نہیں دیا۔ اہل کوفہ راوی ہیں کہ حضرت علی نے ان کے جنازے کی نماز پڑھانی شہید کے بارے میں اہل کوفہ کا مذہب یہی ہے کہ اسے غسل دینے بغیر اسکے جنازے کی نماز پڑھی جاتی ہے۔

حضرت عمار رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جلیل القدر صحابہ میں سے تھے اور اسلام کے سابقین اولین میں شامل تھے۔ یہ روایت حدیث میں مشہور تھی۔ حضرت علی بن ابی طالب، ابن عباس، ابو موسیٰ، جابر البواہ



اور ابو الطفیل وغیرہ صحابہ نے ان سے حدیث روایت کی ہے۔ تابعین میں ان کے بیٹے محمد اور عمار، ابن المسیب، ابو بکر بن عبدالرحمن، محمد بن الحنفیہ، ابو وائل اور علقمہ وغیرہ نے حضرت عمار سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: میرے بعد جو لوگ ہیں یعنی ابو بکرؓ و عمرؓ ان کی پیروی کرو اور عمارؓ کی سیرت سے ہدایت حاصل کرو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمار کو جن دو چیزوں میں اختیار دیا گیا انہوں نے ہمیشہ ان میں سے صحیح تر کو اختیار کیا۔

# صہیب بن سنان

## سورة تا س۸

اسلام سے پہلے دنیا کی نیکیاں خاتم الانبیاء والمرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کے ظہور پر لگی ہوئی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطوط امر اور نہی کو بھیجے تھے وہ تمام (بنی نوع انسان) سے اسلام لانے کے مطالبے پر ولادت کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں اس کا بار بار ذکر آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سورہ ص میں فرماتا ہے: ان ہوا لاذکر للعالمین ولتعلمن نبأه بعد حين۔ (یہ قرآن جو میں تم کو سناتا ہوں) دنیا جہاں کے لوگوں کے لئے نصیحت ہے اور بس اور کچھ دنوں پیچھے تم لوگوں کو اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی!

سورہ سبا میں فرماتا ہے: وما ارسلناك الا كافة للناس بشيرا ونذيرا (میں نے تو تم کو تمام دنیا کے لوگوں کی طرف بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔)

سورہ آل عمران میں ارشاد ہوا ہے۔ ومن یتخ غیر الاسلام دینا ذلک یتقبل منه وهو فی الاخرة من الخاسرین (اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کی تلاش میں ہو تو خدا کے پاس کا وہ دین ہرگز

بشیر۔ خوشخبری دینے والا)۔ نذیر (ڈرنے والا)

قبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں زیاں کاروں میں ہوگا)

غیر عرب اشخاص میں جو لوگ مسلمان ہوئے ان کے ساتھ حضرت صہیب کا اسلام لانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ عربوں کے دل میں فتوحات اور جہاد کی زندگی سے متعلق کسی بات کے خیال میں آنے سے بہت پہلے بھی اسلام عربی قوم تک محدود نہ تھا۔ اس حقیقت کی تائید قرآن کریم کی مذکورہ واضح آیات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے ہوتی ہے جو آپ نے بنی کی حیثیت سے بیان فرمائی ہیں۔ آپ نے فرمایا تھا:

ان بلا لاول شمار الحبشة (بداں حبشہ کا سب سے پہلا پھل ہیں یعنی حبشیوں میں پہلے مسلمان ہیں) وان صہیباً اول شمار الروم (صہیب روم کا سب سے پہلا پھل ہیں۔ رومیوں میں پہلے مسلمان ہوئے ہیں)

**حسب و نسب و عیترہ** | صہیب کے والد سنان بن مالک عرب کے احرار میں سے تھے۔ ان کا نسب زید مناة تک پہنچتا ہے۔ سنان اور ان کے بھائی کسرے فارس کی طرف سے اُبلتہ کے حاکم تھے جن کے مکانات موصل کے نواح میں دریائے دجلہ کے کنارے واقع تھے۔ ان کی ماں قبیلہ بنی مالک بن عمرو بن میتم سے تھیں۔ مگر خود صہیب بچپن میں رومیوں کے ہاتھوں اسیر ہو گئے تھے اس لئے ان کے ملک میں نشوونما پایا اور ان کی زبان سیکھی۔ رومی زبان میں بات کرنے

لے اس سلسلہ میں ایک روایت میں خالد بن عمرو بن عقیل اور ایک روایت میں طفیل بن عمار بن جندلہ بن سعد بن جذیم بن کعب بن سعد بن اسلم بن اوس بن زید مناة بن النمر ابن قاصد کے نام آئے ہیں۔

کے اتنے عادی ہو گئے تھے کہ، قریب تھا کہ عربی زبان بھول جائیں۔ انکی زبان میں لکنت پیدا ہو گئی تھی اور وہ اپنے خیالات صحیح عربی عبارت میں ادا نہیں کر سکتے تھے اسی لئے رومی کہلائے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کا نام عمیرہ تھا۔ رومیوں نے صہیب نام رکھ دیا۔

مکہ میں | اس کے بعد صہیب کے دن بھرے۔ انھیں قبیلہ کلیب کے ایک شخص نے خرید لیا پھر انھیں مکہ میں بیچ دیا۔ یہاں

انھیں عبداللہ بن جدعان الثیبی نے خریدا جن کے مکان میں قریش نے حلف الفضول نامی معاہدہ کیا تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت سے پہلے شرکت فرمائی تھی اس معاہدے میں قریش نے قسم کھائی تھی کہ جو شخص بھی قریش میں سے کسی کے ظلم کی زیادہ کرے گا اس کی دادرسی کریں گے۔ ایک دوسری روایت یہ ہے کہ صہیب روم سے بھاگے اور مکہ میں آکر ابن جدعان سے عہد و پیمانہ کیا۔

اسلام | پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملی اور آپ اسلامی تعلیمات کی اشاعت فرمانے لگے جو قوموں کے

درمیان ان کی قومیت مختلف ہونے کے باوجود مساوات قائم رکھتی ہے اور مومنین کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیتی ہے۔ ان میں امارت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہوتا۔ البتہ حق پرستی میں ایک دوسرے پر ضرور فضیلت رکھتے ہیں۔ صہیب ان لوگوں میں سے ہیں جو سب سے پہلے مسلمان ہوئے۔ یہ اور عمار بن یاسر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ابن ابی الارقم کے مکان دارالارقم میں اسلام لائے تھے جسے آپ نے خفیہ دعوت اسلام کا مرکز قرار دیا تھا۔ یہ مکان اب بھی مکہ معظمہ میں

موجود ہے اور کوہ صفا پر واقع ہے۔ حجاج اور باہر سے آنے والے لوگ اس کی زیارت کرتے ہیں۔

حق کی راہ میں  
آزائشیں

مسلمان نماز اور اسلامی تبلیغ کو قریش سے چھپاتے تھے۔ مشرکین جب کبھی انھیں نماز کی حالت میں دیکھ لیتے تو ان سے تمسخر کرتے اور ان کی عبادت کا مذاق اڑاتے تھے اور مسلمانوں کی طرح صہیب کو بھی انہی حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ یہ بھی ان کمزور اور غریب لوگوں میں شامل تھے جنہیں اللہ کی راہ میں طرح طرح کے عذاب دیئے گئے لیکن ان حالات میں بھی اسلام کے ساتھ صہیب کی وابستگی اور خلوص میں اضافہ ہی ہوتا جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما ہوتے

تو آپ کے اصحاب میں سے ضعیف الحال اور کمزور اشخاص آپ کے آس پاس بیٹھ جاتے جن میں خباب، عمار، ابو فکیہ، یار مولیٰ صفوان ابن امیہ بن مخرت، صہیب اور ان ہی جیسے دوسرے لوگ شامل ہوتے۔ اس وقت قریش ان سے تمسخر کرتے اور آپس میں ایک دوسرے سے کہتے جیسا کہ تم دیکھتے ہو، یہ لوگ ہیں ان کے ساتھ ہی کیا ہم میں سے یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہدایت دینے اور حق عطا کرنے کا احسان رکھا ہے؟ محمد جو کچھ لائے ہیں اگر وہ کوئی اچھی بات ہوتی تو یہ لوگ ہمارے مقابلے میں اس کی طرف سبقت نہ کرتے اور اللہ ہمیں چھوڑ کر اس بات کو انھیں کے لئے مخصوص نہ کر دیتا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں یہ آیات نازل فرمائیں۔ ان میں صہیب بھی شامل ہیں۔ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ

بِالْعِزَّةِ وَالْعَشَىٰ يَزِيدُونَ وَجْهَهُ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ  
 مِنْ شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ  
 مِنَ الظَّالِمِينَ وَكَذَلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِيَقُولُوا أَهَؤُلَاءِ  
 مِنْ اللَّهِ عَلَيْهِمْ مِنْ بَيْنَاتٍ، أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ  
 وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ  
 كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ، أَنَّهُ مِنْ عَمَلٍ مَنكُم  
 سُوءٌ أَجْهَالَةٌ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهَا وَأَصْلَحَ فَأَنَّهُ  
 غَفُورٌ رَحِيمٌ -

(اور لے رسول تم لپٹے پاس سے ان لوگوں کو نہ ہٹاؤ جو صبح و شام اپنے  
 رب کو یاد کیا کرتے ہیں اور اسی کی ذات کو اپنا مقصود سمجھتے ہیں۔ نہ کچھ انکا  
 حساب تم پر ہے نہ کچھ تمہارا حساب ان پر۔ پھر تم ان کو ہٹاؤ گے تو ظالموں میں  
 سے ہو جاؤ گے اور ہم نے اسی طرح لوگوں میں سے بعض کی بعض کے ساتھ  
 آزمائش کی ہے (یعنی غریبوں کو ایمان دیا ہے اور تو ننگروں کو اس سے محروم  
 رکھا ہے) تاکہ تو نگر کہیں کہ۔ کیا ہم درنیسوں اور شریفوں کو چھوڑ کر ان (مفلوسوں  
 پر خدا نے احسان کیا ہے کہ انھیں ہدایت بخشتی۔ کیا نہیں ہے خدا شکر گزاروں  
 کو خوب جاننے والا۔ اور جب لے رسول تمہارے پاس وہ نوگ آئیں جو  
 ہماری آیتوں پر ایمان لائے ہیں تو ان سے کہو "سلام علیکم" سلام ہو تم پر  
 تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کو فرض کر لیا ہے۔ جو کوئی تم میں سے  
 ناواقفیت میں کوئی گناہ کرے گا اور نیک کام کرے گا تو بے شک خدا  
 بخشنے والا مہربان ہے)

صہیب ایسے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے

جب قریش نے آپ کے لئے ہر راستہ روک دیا تھا۔ وہ لوگوں کو آپ کی دعوت سے روکتے، مسلمانوں کی تحقیر کرتے اور ان کے ساتھ مضحکہ کرواتے تھے۔ صہیب کا شمار ان کھوڑے سے لوگوں میں ہے جو اس زمانے میں آپ پر ایمان لائے اور آپ کی تصدیق کی۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کی مصیبت کا حال دیکھا تو انھیں حبشہ کی طرف ہجرت

کرنے کا حکم دیا۔ آپ خود دعوتِ اسلامی کے پھیلانے میں جدوجہد فرماتے رہے یہاں تک کہ مکہ میں آپ کی زندگی خطرے سے گھر گئی۔ اس وقت آپ نے مدینے کی طرف ہجرت فرمانے کا ارادہ فرمایا۔ جہاں کے لوگ آپ کی راہ میں آنکھیں پھانے پر آمادہ تھے۔ ابھی آپ یثرب کو جاتے ہوئے قبا ہی میں مقیم تھے کہ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نکلے کے لوگوں کی امانتیں انھیں واپس کرتے کے بعد آپ کی خدمت میں پہنچے۔ اس موقع پر حضرت علیؓ کے ساتھ صہیب نے بھی مدینے کی جانب ہجرت کی ایک روایت میں ہے کہ جب صہیب نے ہجرت کا ارادہ کیا تو کفار قریش نے ان سے کہا: تم ہمارے پاس نفیر و حقیر کی حیثیت سے آئے ہمارے یہاں تمہارا مال بہت بڑھ گیا اور جس درجے کو پہنچے پہنچے، اب تم اپنی جان اور مال لے کر نکل جانا چاہتے ہو، بخدا یہ نہ ہوگا! صہیب نے ان سے کہا: کیا تمہارا خیال یہ ہے کہ اگر میں اپنا مال تمہیں دے دوں تو تم میرا مستہ چھوڑ دو گے؟ انھوں نے کہا: ہاں۔ اب صہیب نے جواب دیا: تو میں نے اپنا مال تمہارے لئے کر دیا، حبشہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا: صہیب نفع میں رہے، صہیب نفع میں رہے! اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم پر یہ آیت نازل فرمائی۔ ومن الناس من قشرى نفسه ابتغاء مرضاة الله (لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو خدا کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے اپنی جان بیچ دیتے ہیں)۔ (سورہ بقرہ)

دینی خدمات | عرض صہیب اللہ کے دین میں داخل ہوئے تو ان کا

اسلام بہت اچھا رہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند مرتبہ صحابہ میں شامل ہوئے۔ مسلمانوں میں آپ کی صحبت بہت زیادہ پیسر ہوئی اور ان کا مرتبہ آپ کے نزدیک بہت بلند تھا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے تمام معرکوں میں شریک رہ چکے ہیں تیر اندازی میں یہ بڑے ماہر مسلمانوں میں سے تھے۔ خود صہیب راوی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس غزوہ میں بھی تشریف لے گئے ہیں اس میں میں ضرور حاضر رہا۔ جس سرتے میں بھی روانہ ہوا میں آپ کے دائیں یا بائیں جانب ضرور موجود رہا جب کبھی لوگوں کو آگے کی طرف خطرہ محسوس ہوا میں ان کے آگے رہا اور جب پیچھے کی جانب اندیشہ ہوا تو ان کے پیچھے کی طرف ہولیا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اور دشمن کے درمیان کبھی نہیں لکھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار رحمت میں پہنچنے کے بعد صہیب دعوتِ اسلامی کا کام محبت و سرگرمی سے انجام دیتے رہے اور حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ رہے۔ بتوی نے زید بن اسلم کے حوالے سے یہ روایت کی ہے کہ زید کے باپ نے کہا: میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے



ساتھ چلا اور مقام عالیہ میں صہیب کے پاس پہنچا۔ جب صہیب نے انھیں دیکھا تو کہا: یا ناس، یا ناس۔ حضرت عمر یہ شکر بولے: یہ لوگوں کو کیوں پکارتے ہیں؟ میں نے کہا: یہ تو اپنے غلام کینس کو پکارتے ہیں حضرت عمر نے صہیب سے کہا: تم میں بجز تین باتوں کے کوئی بات بری نہیں: تم اپنے آپ کو عربی کہتے ہو حالانکہ تمہاری زبان عجمی ہے۔ اور تم اپنا مال فضول خرچ کرتے ہو۔ صہیب نے جواب دیا: مال میں فضول خرچی کا تو یہ حال ہے کہ میں سے صرف حق بات پر صرف کرتا ہوں، رہی میری کنیت تو یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی ہے۔ عربوں کی طرف میری نسبت کی صورت یہ ہے کہ بچپن میں مجھے رومیوں نے غلام بنا لیا تھا اس لئے میں نے ان کی زبان سیکھ لی۔

<p>جب ابو لؤہ نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما پر خنجر سے حملہ کیا تو حضرت عمر نے صہیب کو وصیت کی کہ جب تک مسلمان کسی</p>	<p>نماز میں مسلمانوں کی امامت</p>
---	-----------------------------------

۱۔ متن میں اس موقع کے الفاظ یہ ہیں ولسانک العجمی باسم نبی۔ یہ عبارت بے ربط ہے واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر نے ان کی کنیت پر بھی اعتراض کیا تھا ان کی کنیت ابو عجمی تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی تھی حضرت عمر نے ان سے کہا: تم نے ابو عجمی اپنی کنیت قرار دی جو ایک پیغمبر کا نام ہے اور اس نام کی تمہاری کوئی اولاد نہیں حضرت صہیب کے جواب سے بھی یہی بات واضح ہے اسلاف پر جو اعتراض کیا تھا مولف نے اس کے جواب کا بھی پورا حصر نقل نہیں کیا ہے صہیب نے کہا: اسلاف کے متعلق میرا اس عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فریضہ ہے تم لوگوں میں سب سے بہتر ہے جو لوگوں کو کھانا کھلائے اور سلام کا جواب دے (مشاعر جنیل ج ۲ ص ۱۱۱) (ماہرین)

خلیفہ پر متفق نہ ہو جائیں لوگوں کو نماز پڑھا دیا کریں۔ اس موقع پر حضرت عمر نے صحابہ میں سے چھ آدمیوں کو مقرر فرمایا تھا جو اہل شوریٰ کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کے تقرر کا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنے درمیان سے کسی کو خلیفہ منتخب کر لیں۔ حضرت عمر کے وفات پانے اور حضرت عثمان بن عفان کے خلیفہ ہونے تک صہیب نماز پڑھاتے رہے تاکہ حضرت عمرؓ کی وصیت پوری ہو جائے۔ اس موقع پر صہیب کا مسلمانوں کی امامت پر فائز ہونا اس مرتبہ کی واضح دلیل ہے جو انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے بعد حضرت عمر کی جناب میں حاصل تھا۔ اس کے علاوہ اس سے صہیب کی دینی قدر و منزلت بھی واضح ہوتی ہے کیونکہ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ نماز دین کے اہم ارکان میں سے ہے یہاں تک کہ خود خلیفہ مسلمانوں کی امامت کرتا تھا۔

صہیب ان بلند مرتبہ صحابہ میں سے تھے جنہوں نے مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں حاضر رہنا اپنے لئے لازم قرار دے لیا تھا آپ کے ساتھ تمام معرکوں میں شریک رہ چکے تھے اور روایت حدیث میں مشہور تھے ان سے ان کی اولاد میں مسیب، حمزہ، صالح، صیفی، عباد، عثمان، اور محمد نے حدیث روایت کی ہے اور ان کے پوتے زیاد بن صیفی نے بھی ان سے حدیث روایت کی ہیں۔

**وفات** | ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صہیب کی عمر بہت ہو چکی تھی اس لئے انھوں نے سکون و راحت کو ترجیح دی اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے عہد کی سیاسی تحریکوں میں حصہ نہیں لیا۔ اس میں کوئی تعجب کا مقام اس لئے نہیں کہ یہ ہجرت

سے تیرہ برس پہلے اسلام لائے تھے۔ مورخین نے ذکر کیا ہے کہ صہیبؓ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں ۳۸ھ میں وفات پائی اور بقول بعض ۳۹ھ میں۔ اس طرح صہیب کو اسلام کے چاس برس یا اس سے زیادہ ملتے آئے اور اس دین کی اشاعت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو جو حالات پیش آئے تھے ان سے یہ بھی دوچار رہے اور دین اسلام کی ترویج کا حال دیکھا:

## حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

۲۷۵ تا ۳۳۵ھ

چونکہ اہل فارس اپنے حکام کے ظلم سے رہائی اور فوجی خدمات سے سبکدوشی کے خواہاں تھے اور انھیں امید تھی کہ وہ عربوں کی بدولت مذہبی آزادی سے بہرہ مند ہو سکیں گے اس لئے انھوں نے عربوں کو خوش آمدید کہا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ اسلام غیر مسلموں کو جن میں یہودی، عیسائی، زروشتی، صابئی، بت پرست، آتش پرست، اور سنگ پرست شامل ہیں اس کی اجازت دیتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو جزیہ ادا کرنے کی شرط پر اپنے لئے جو دین چاہیں اختیار کر لیں۔ فارس کے شہروں میں بسنے والوں، خصوصاً صناعتوں اور پیشہ وروں نے بھی جنہیں حقارت و ذلت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ دین اسلام کا خیر مقدم کیا اس لئے کہ یہ مذہب انھیں دینی حریت سے مستفید ہونے کا موقع دیتا تھا جو دوسروں کے ساتھ حقوق میں ان کے مساوی رہنے کی ضامن تھی۔ ان لوگوں نے اسلام تک پہنچنے کی راہ بھی بہت سیدھی ساوھی اور آسان پائی تھی کیوں کہ اہل فارس کو اپنے قدیم مذہب کی بہت سی بنیادی تعلیمیں قرآن کریم میں مل سکتی تھیں اگرچہ ان کی شکل و صورت میں بہت زیادہ اختلاف تھا اس کے علاوہ معاشری پہلو نے اکابر فارس خصوصاً وہاں کے وفاقوں

کے دلوں میں جو بڑے زمیندار تھے قبول اسلام کی بڑی رغبت پیدا کر دی تھی اس لئے کہ زمین اگرچہ عرب فاتحوں کے تسلط کی وجہ سے عربوں کی ملک بن گئی تھی تاہم فاتحین نے اسے ایران کے باشندوں کی زراعت کے لئے چھوڑ دیا تھا اور صرف یہ شرط عائد کی تھی کہ مزارعین اپنی پیداوار میں سے جائداد کا محصول جو خراج کے نام سے موسوم ہے ادا کرتے رہیں۔

حضرت سلمان اہل نارس میں سے تھے  
سلمان کا وطن ورائگی  
تربیت وغیرہ  
اور اصبہان کے "جی" نامی ایک گاؤں کے  
باشندے تھے۔ ان کے والد اسی گاؤں

کے "وہقان" تھے۔ انھیں حضرت سلمان سے بڑی محبت تھی۔ بیٹے کے ساتھ باپ کی محبت، ایشیا اور ان کی نسبت فکر و اندیشہ کا بہ عالم تھا کہ وہ انھیں لڑکیوں کی طرح گھر میں بند رکھتے تھے۔ اس کے باوجود اس ناز و نعمت میں پرورش پائے ہوئے نوجوان نے اپنا وقت ضائع نہیں کیا اور لہو و لعب کی طرف توجہ کرنے کے بجائے اپنے آباؤ اجداد کے دین "مجوسیت" کے مطالعے اور تحقیق میں منہمک رہے یہاں تک کہ یہ آتش کدہ کے مجاور بن گئے جس کا کام یہ تھا کہ وہ آگ کو ایک گھڑی کے لئے بھی بجھنے نہ دے۔

حضرت سلمان کے والد کے گھر میں ان کا ایک حجرہ تھا۔ ایک دن انھوں نے سلمان سے کہا: "بیٹا تم دیکھتے ہو میں کن کاموں میں مشغول ہوں۔ اس لئے اب تم جائداد کی طرف روانہ ہو جاؤ اور یوں بند ہو کر نہ بیٹھو ورنہ تمہاری فکر مجھے ہر جائداد سے غافل بنا دے گی۔"

حضرت سلمان یہاں سے  
عیسائیوں سے ملاقات اور مسیحی کی رغبت  
چلے تو عیسائیوں کے

ایک گرجے کے پاس سے گزرے اور دیکھا کہ یہ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں۔ انکی نماز انھیں پسند آئی اور ان سے پوچھا کہ تمہارے دین کا اصل مرکز کہاں ہے ان لوگوں نے کہا: شام میں ہے۔ اس کے بعد یہ ان عیسائیوں کے ساتھ رہے یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا۔ جب ان کے والد کو ان کے انتظار میں دیر ہوئی تو انھوں نے ان کی تلاش میں اپنے آدمی بھیجے۔ سلمان واپس آئے تو باپ نے کہا۔ بیٹا میں نے تمہارے لئے قاصد بھیجے ہیں۔ حضرت سلمان نے جواب دیا: میرا گزرا ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا جو گرجے میں عبادت کر رہے تھے۔ مجھے ان کا یہ حال دیکھ کر تعجب ہوا اور میں نے جان لیا کہ ان کا دین ہمارے دین سے بہتر ہے۔ یہ سن کر حضرت سلمان کے والد کو دوسو سونے لے کر لیا اور انھیں ڈرہوا کہ ان کا بیٹا دین کے معاملے میں فتنے میں نہ پڑ جائے اس لئے انھوں نے سلمان کو اپنے گھر میں قید کر لیا۔ لیکن سلمان ایک تدبیر کر کے نکل آئے اور انھیں عیسائیوں کے پاس جا پہنچے اور ان سے فرمائش کی کہ جب عیسائی تاجروں کا قافلہ شام سے آئے اور واپس جانے لگے تو خبر کرویں۔ جس وقت عیسائیوں نے حضرت سلمان کو اطلاع دی کہ قافلے کے کوچ کا وقت قریب ہے تو انھوں نے اپنے پاؤں کی بٹری اتار پھینکی اور ان لوگوں کے ساتھ چل کھڑے ہوئے یہاں تک کہ ملک شام میں جا پہنچے اور وہاں کے ایک استغف رپادری سے ملے لیکن اس شخص کے طور طریقے حضرت سلمان کو کچھ پسند نہ آئے کیونکہ وہ خیرات اور زکوٰۃ کی رقم خود اپنے لئے جمع کرتا جاتا تھا، مسکینوں اور محتاجوں کو نہ دیتا تھا اس طرح اس نے سونے سے بھرے ہوئے سات مشکے جمع کرنے کئے جب اس استغف کا انتقال ہوا تو اس کا جانشین ایک اور شخص ہوا۔ یہ دنیا سے

نفرت اور آخرت سے رغبت رکھتا تھا۔ اللہ نے اس اسقف کی محبت حضرت سلمان کے دل میں ڈال دی اور یہ اس کے ساتھ رہنے لگے۔ جب اسکی وفات کا وقت قریب آیا تو سلمان نے ان سے کہا: "مجھے وصیت کیجئے"۔ اسقف نے موصل کے ایک شخص کا ذکر کیا۔ حضرت سلمان اس کے انتقال کے بعد موصل چلے گئے اور وہاں اس شخص سے ملے۔ یہ بڑا زاہد و عابد شخص تھا۔ سلمان اس کے پاس ٹھہر گئے۔ پھر جب اس کے مرنے کا وقت آیا تو اس سے بھی وصیت کے لئے درخواست کی۔ اس نے انھیں عمور یہ کے ایک شخص کی رہبری کی۔ یہ اس شخص کے پاس رہے اور اس سے بچریاں اور گائیں لیں اس کی وفات کا زمانہ آیا تو حضرت سلمان نے اس سے بھی کچھ وصیت کرنے کے لئے کہا۔ اس نے سلمان سے کہا: "آج کل میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو ہمارے جیسے طریقے پر ہے۔ لیکن اب تمہارے لئے ایک نبی کے آنے کا زمانہ قریب آ رہا ہے جو سچے دین ابراہیم کے ساتھ ان کے مقام ہجرت میں نخلستان کے اندر مبعوث ہوگا اور اس کے اندر ایسی نشانیاں ہوں گی جو چھپ نہیں سکتیں۔ اس کے دونوں شانوں کے درمیان ہر نبوت ہوگی۔ وہ ہدیہ کھائے گا صدقات نہ کھائے گا۔ اگر تم اس ملک میں جا سکو تو چلے جانا"۔

اس واقعے میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔ شام کے بعض بزرگان دین نے ایک نئے نبی کے ظاہر ہونے کی بشارت دی تھی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ بصری ملک شام میں گئے اس وقت آپ کی عمر ۱۲ سال تھی۔ اس موقع پر ہجرانام کے ایک راہب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے سونے اور بیدار ہونے کے حالات دریافت کرنے کے بعد ان کے اندر نبوت کی علامات دیکھیں اور جو

نشانیاں نصاریٰ کی کتابوں میں پڑھی تھیں آپ کے جسم میں موجود پائیں ہر قل شہنشاہِ روم کو علم نجوم میں بڑا دخل تھا اس نے والی ایسا کو کہا تھا کہ "میں نے علم نجوم سے دیکھا ہے کہ بنی آخر الزماں ظاہر ہو گئے ہیں" پھر اس نے اس معاملے میں رائے طلب کی تھی۔

اب حضرت سلمان نے شام کے صحرا سے قبیلہ کلب کے ایک قافلے کے ساتھ جزیرہ عرب کو کوچ کیا۔ وادی القریٰ میں لوگوں نے انھیں ایک یہودی شخص کے ہاتھ بیچ دیا۔ یہ اس کے پاس رہے یہاں تک کہ انھیں بنی قریظہ کے ایک اور یہودی نے خرید لیا اور انھیں مدینے لے آیا۔ یہاں یہ اسکے کھجوروں کے باغ کی دیکھ بھال کرتے رہے۔ اسی زمانے میں انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینے آنے کی خبر سنی۔

حضرت سلمان کہتے ہیں: "میں کھجور کے ایک

درخت پر کام میں مصروف تھا کہ اتنے میں

میرے آقا کا چچرا بھائی آیا اور کہنے لگا۔ "اللہ

آندر رسول کی خبر اور

حضور سے ملاقات

بنی قبیلہ رقیلہ والدہ ادس و خوزج) کو تباہ کرے میں ابھی ان کی طرف

سے گزرا تھا میں نے دیکھا کہ وہ ایک شخص کے پاس جمع ہیں جو ان کے

پاس مکے سے آیا ہے اور اپنے آپ کو اللہ کا نبی کہتا ہے۔ خدا کی قسم جیسے

ہی میں نے آقا کے بھائی کی یہ بات سنی میرے جسم میں لرزہ پیدا ہو گیا اور

اس کی وجہ سے وہ درخت کا نیچے لگا قریب تھا کہ میں درخت سے گر پڑتا مگر میں

تیزی کے ساتھ اتر پڑا۔ اور میں نے کہا: "یہ کیسی خبر ہے" میرے آقا نے مجھے ایک

گھونٹا مارا اور بولا: "مجھے اس سے کیا کام؟ جاؤ اپنا کام کرو" میں کام میں

لگ گیا یہاں تک کہ مجھے شام ہو گئی۔ اب میں نے کچھ کھجوریں جمع کر لی تھیں۔



میں انھیں لے کر نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچا جو اس وقت اپنے صحابہ کے ساتھ قبا میں تھے۔ میں نے ان سے کہا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ ایک نیک شخص ہیں اور آپ کے دوستوں میں کچھ لوگ حاجت مند ہیں اس لئے میں نے آپ کو ان کھجوروں کا زیادہ حقدار سمجھا۔ پھر میں نے وہ ان کے سامنے رکھ دیں۔ آنحضرت ﷺ نے اپنا ہاتھ روک لیا مگر اپنے دوستوں سے فرمایا: "کھاؤ" ان لوگوں نے کھا لیں۔ میں نے دل میں کہا: "یہ بھی ایک نشانی ہے"۔ پھر میں پلٹ آیا۔

## مزید نشانیوں کی تصدیق

جب حضور رسالت آئے تو حضرت سلمان نے کچھ کھجوریں جمع

کیں اور انھیں لے کر نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچے اور ان سے کہا: مجھے آپ کی بخشش بڑی محبوب معلوم

ہوتی ہے اس لئے میں نے آپ کے لئے انھیں ہدیہ کیا ہے یہ صدقہ نہیں ہے۔ آپ نے دست مبارک بڑھایا انھیں کھایا اور آپ کے صحابہ نے بھی کھایا۔ اب میں نے جی میں کہا: "یہ دو نشانیاں ہیں"۔ اس کے بعد میں لوٹ آیا اور پھر آپ کی خدمت میں پہنچا۔ اس وقت آپ ایک جازے کے ساتھ بقیع الغرقد میں موجود تھے اور صحابہ آپ کو گھیرے میں لئے ہوئے تھے۔ میں نے سلام کیا اور مر کر آپ کی پشت پر ہر نبوت کو دیکھنے لگا۔ آپ میرے اراکے کو جان گئے اور چار اتارومی میں نے ہر نبوت کو دیکھا ہے بوسہ دیا اور رونے لگا۔ آپ نے مجھے اپنے سامنے بٹھالیا۔ میں نے اپنی پوچھا حال کہہ سنا یا تو آپ کو تعجب ہوا اور آپ نے چاہا کہ میری سرگزشت آپ کے اصحاب بھی سنیں۔

پھر میں اپنے غلام ہونے کی وجہ سے آپ کے ساتھ بدر واحد میں شریک نہ ہو سکتا تھا اس لئے آپ نے مجھ سے فرمایا: "اے سلمان اپنے آپ کو آزاد کرنے کے لئے مکاتبت کر لو" میں اس معاملے میں برابر اپنے آقا سے کہتا رہا یہاں تک کہ میں نے اس شرط پر مکاتبت کر لی کہ میں اسکے لئے کھجور کے چھوٹے چھوٹے تین سو پودے لگاؤں اور چالیس اوقیہ سونا ادا کروں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا: "کھجوروں کے پودوں میں اپنے بھائی کی مدد کرو"۔ ان لوگوں نے پانچ پانچ اور سوس پودے لاکر میری مدد کی یہاں تک کہ پودے میرے پاس جمع ہو گئے۔ پھر آپ نے مجھ سے

۱۰ فقہائے مسلمین کا اجماع ہے کہ غلام کی مکاتبت مستحب ہے۔ امام احمد بن حنبل ایک روایت میں کہتے ہیں کہ جب غلام اپنے آقا سے مکاتبت کا طالب ہو تو یہ واجب ہو جاتی ہے۔ غلام کے لئے اس غرض سے تجارت کرنا جائز ہے کہ وہ مکاتبت کی رقم بلا قنطار ادا کر سکے۔ اس کے آقا کا فرض ہے کہ وہ اسے اس بات کی اجازت دے کہ وہ جہاں چاہے اور جو چاہے شغل کرے اور اگر مکاتبت اس رقم کی ادائیگی سے ناصر ہے اور جس مال پر اس کی مکاتبت کا تصفیہ ہوا تھا اس میں سے اس کے پاس باقی ہو تو اس صورت میں حنفیہ لئے آزادی کی رعیت دلانے کے لئے اس کے ادا کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ فقہا کاتب کے معاملے میں غلام کی حالت کا لحاظ رکھتے ہیں۔ غلام کے آزاد کرنے کے جتنے مواقع ہو سکتے ہیں ان میں سے ایک بھی لیا نہیں جس سے اسلام نے نادمہ اٹھایا ہرادر آزاد کرانے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت کیا ہو۔ چنانچہ اسلام نے طریقہ تدبیر مقرر کیا جو یہ ہے کہ آقا اس بات کی وصیت کر دیتا ہے کہ میرا فلاں غلام میرے مرنے کے بعد آزاد ہو جائے گا۔

فرمایا۔ "ان کے لئے زمین کھودو، اور تم ان میں سے کوئی پودا نہ لگانا یہاں تک کہ میں خود اپنے ہاتھ سے لگاؤں۔" میں نے ایسا ہی کیا پھر میرے دوستوں نے میری مدد کی یہاں تک کہ میں فارغ ہو گیا۔ میں آنحضرت کے پاس کھجور کا پودا لے جاتا، وہ اسے لگاتے اور اس پر مٹی برابر کر دیتے اس کے بعد وہ چلے گئے۔ قسم ہے اس نوات پاک کی جس نے انھیں حق کے ساتھ پیغمبر بنا کر بھیجا، ان پودوں میں سے ایک بھی نہ مر جھایا۔ اب سونا باقی رہ گیا تھا اس کا بھی یہ ہوا کہ ایک دن آپ ﷺ سے تھا تنے میں آپ کے دوستوں میں سے ایک شخص ایک انڈے کے برابر سونا لے کر آپ کے پاس آیا جو اسے بعض کمالوں سے ملا تھا۔ آپ نے فرمایا: "بیچاے" سلمان فارسی مکاتب کو بلاؤ۔ پھر مجھ سے فرمایا: "اس کو ادا کرو۔" دیکھا ہے ذمے مکاتب کی جو رقم ہے اس میں یہ سونا ڈیو۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ میرے ذمے جو کچھ ہے اس سے کیسے ادا ہو گا؟

اس طرح حضرت سلمان فارسی اللہ کے دین میں داخل ہوئے۔ ان کا اسلام بہت اچھا رہا اور یہ عالی مرتبہ صحابیوں میں شامل ہوئے انھوں نے

حضرت سلمان کے  
اسلام کی مزید تفصیل

نے غزوہ خندق میں شرکت کی۔ یہ وہی غزوہ ہے جس کے اثرات دین نصرت اور نشر و تبلیغ میں بہت دور رس تھے۔ یہ غزوہ ان واقعات کے بعد ہوا جن میں یہودیوں نے اپنی منافقت اور وعدہ خلافیوں سے اہل مکہ کے لئے زندگی کی ہر چیز خراب کر دی تھی اور ان حالات کے بعد رسول اللہ ﷺ نے انھیں بطور سزا دینے سے نکال دیا تھا۔ یہودیوں نے اس موقع پر عرب کے تمام قبیلوں کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف

اکٹھا کر دیا تھا۔ قریش غزوہ احد سے انتقام لے کر نکلے تھے اور انھیں یہ خیال ہو چلا تھا کہ انہوں نے مسلمانوں کو شکست دی ہے ان کے نزدیک اس بات ہی بات باقی تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک حملہ اور کر دیں جو ان کا قصہ تمام کر دے چنانچہ انھوں نے پیرائے قائم کی کہ مدینے کے اندر او باہر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے لشکر کا محاصرہ کر لیں۔ قبائل کے تمام گروہ مدینے منورہ پر چڑھائی کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

خندق کھدوانے کے لئے	جب مشرکین کے اس عزم کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو حضرت سلمان فارسی نے انھیں مدینے
حضرت سلمان کا مشورہ	

کی شمالی سمت میں خندق کھدوانے کا مشورہ دیا۔ مدینے کی دوسری سمتیں پہاڑوں، کھجوروں اور عمارتوں کی بدولت محفوظ تھیں اور دشمنوں کے ان تک پہنچنے میں مانع تھیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشورے کے مطابق خندق کھودنے کا حکم دیا تو مہاجرین اور انصاری نے حضرت سلمان کی رائے کو بہت پسند کیا۔ اور مہاجرین نے خوش ہو کر کہا: سلمان ہم میں سے ہیں، انصاری نے کہا: سلمان ہم میں سے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سلمان ہمارے اہل بیت ہیں۔"

جنگی نقطہ نظر سے	عوب اس قسم کے جنگی معاملات اور حربی اعمال سے واقف نہ تھے جن سے حضرت سلمان ظہور اسلام سے پہلے بلاد فارس میں
اس مشورے کی اہمیت	

واقف رہ چکے تھے۔ قریش نے جب اس خندق کو دیکھا تو ونگ رہ گئے ان میں سے ایک شخص نے کہا: "بخدا عوب تو ایسی چال نہ چل سکتے تھے!"

اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جو جامعیتیں قریش کے ساتھ  
 عہد و پیمانہ کر چکی تھیں ان کے دلوں پر مدت محاصرہ کے طولانی ہونے  
 کا بہت اثر پڑا۔ اسی طرح یہ جامعیتیں جن آرزوؤں اور تمناؤں کو اپنے دل  
 میں پرورش کر رہی تھیں اور جن امیدوں کے سنہرے خواب دیکھ رہی  
 تھیں ان میں ان کے ناکام و نامر اور رہنے اور حسرت و یاس کے ساتھ  
 واپس ہونے کا بھی بہت بڑا اثر ہوا اور ان میں اسلام تیزی کے ساتھ  
 پھیلنے لگا۔ اس خندق کی کھدائی کا ایک اثر یہ بھی ہوا کہ قریش نے  
 دوبارہ مدینے پر چڑھائی کرنے کا خیال تک نہ کیا۔ دوسری طرف اس  
 خندق کے کھدنے اور مشرکین پر فتح پانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم کو مدینے کی حفاظت کی طرف سے اتنا اطمینان ہو گیا کہ آپ نے  
 فرمایا: اب ہم ان سے جنگ کریں گے وہ ہم سے نہیں۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت سلمان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
 وسلم کو جو مشورہ دیا تھا اسلام کی تقویت اور اس کی اشاعت پر اسکا  
 بڑا اثر ہوا۔ اس اثر سے قریش کے اندر مقابلے کی روح کمزور پڑ گئی۔ اور  
 دعوت اسلام کا رخ استقلال و ثبات کی طرف ہو گیا۔ اور اسے فتح  
 پر فتح حاصل ہوتی رہی۔

حضرت سلمان کا اسلام و تباہی	ہجرت کے پہلے سال میں حضرت
اشاعت اسلام کی بشارت تھا	سلمان کا اسلام لانا جزیرۃ العرب
	سے باہر بھی اسلام کے پھیلنے

کی بشارت دے رہا تھا اور یہ صورت اس وقت پیش آتی تھی جب  
 عربوں کو اس جزیرے کے سوا کسی اور مقام کی فتح کا خیال تک نہ تھا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو خوب واضح فرمایا کہ اسلام کی دعوت صرف عربی قوم تک محدود نہیں ہے۔ چنانچہ آپ نے تمام انسانوں کے لئے اپنے عمومی رسالت کے دعوے کی تائید میں فرمایا: "جبکہ کے پہلے پھلوں میں بلال، روم کے پہلے پھلوں میں صہیب اور فارس کے پہلے پھلوں میں سلمان ہیں۔"

حضرت سلمان دین کے اندر فہم و تدبر میں بہت مشہور ہوئے جسے اصطلاح میں تَفَقُّہُ فی الدین کہتے ہیں۔ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت حدیثیں روایت کی ہیں۔ انھیں آپ کی صحبت اور مسلمانوں سے زیادہ میسر ہوئی اور ان کا مرتبہ بارگاہ رسالت میں بہت بلند تھا۔ ابن طبیان سے روایت ہے: ہم ایک غزوہ میں سلمان فارسی کے ساتھ تھے ایک شخص نے ایک پھل توڑا تھا وہ دوسرے گزرا اور لے اپنے ساتھ لے گیا میں بانٹنے لگا۔ سلمان کے پاس آیا تو انھوں نے اسے سخت سست کہا، اس نے بھی سلمان کو اسی طرح جواب دیا وہ انھیں جانتا نہ تھا پھر لوگوں نے اس سے کہا کہ "یہ سلمان ہیں"۔ یہ شکر وہ پلٹا اور ان سے معذرت کرنے لگا۔ پھر اس شخص نے سلمان سے کہا: "اے ابو عبد اللہ (سلمان) اہل روم (رومیوں) کی طرف سے ہمارے لئے کون کون سی باتیں جائز ہیں؟ انھوں نے کہا: تین باتیں: تم اپنی بگڑی سے ہدایت پانے تک اور افلاس سے اپنی لونگری تک ان کا لحاظ رکھو۔ جب تم ان میں سے کسی دوست کے پاس ہو تو ان کا کھانا کھاؤ وہ تمہارا کھانا کھائے، وہ تمہاری سواری پر سوار ہو اور تم اس کی سواری پر سبٹر طیکہ تم سے اس سمت سے نہ پھیرو۔ حدیث کا وہ ارادہ رکھتا ہے۔"

## حضرت سلمان کی

## روایت حدیث

حضرت سلمان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: جو شخص

جمعہ کے دن غسل کرے اور جتنا پاک صاف ہو

سکتا ہو اتنا پاک صاف ہو کر تیل لگائے یا اپنے گھر کی کوئی خوشبو استعمال

کرے اور اس نے دو آدمیوں کے درمیان بھوٹ نہ ڈالی ہو اور جب

امام نکلے تو اس کی بات سننے کے لئے کان لگا کر بیٹھے تو ایسے شخص کے

ایک جمعہ سے دوسرے جمعے کے درمیان دلے گناہ بخش دیئے جائینگے۔

حضرت سلمان اپنے بچپن کے ابتدائی زمانے میں شرافت و خوشحالی

اور ناز و نعمت سے فائدہ نہ اٹھاسکے۔ ان کے حالات میں تغیر و تبدل

ہوتا رہا۔ وہ مدینے میں ایک نصرانی غلام ہوئے۔ پھر اسلام لائے اور جیسا

کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ "ایران کا پہلا پھل" بنے۔ ان کا اسلام اچھا

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی صحبت بہت اچھی

رہی یہاں تک کہ آپ نے انھیں اہل بیت میں شمار فرمایا۔ پھر جب

ان کی عمر زیادہ ہوئی اور مدائن کی امارت نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے

عہد میں ان کے کندھے کو بوجھل بنا دیا تو دنیا کی طرف سے ان کی بے رغبتی

اور زہد میں اور اضافہ ہو گیا اور یہ نوبت پہنچی کہ وہ بالوں کے بنے ہوئے

کپڑے پہنتے اور گدھے پر بغیر پالان کے کھیل ڈال کر سوار ہوتے اور حیرت

کی روئی کھاتے۔ اور اس میں کوئی تعجب نہیں۔ اس لئے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما اپنے لباس

میں نفاست نہ برتتے تھے۔ ان کے عمال بھی انھیں کے نقش قدم پر

چلے اور ممالک کی فتوحات اور اموال میں وسعت کے باوجود اس پر

پر قائم رہے۔

حضرت سلمان بڑی عمر والے لوگوں میں تھے۔ بعض لوگوں نے اس بارے میں یہاں تک کہا ہے کہ وہ ڈھائی سو بلکہ ساڑھے تین سو سال تک زندہ رہے۔ یہ قول صداقت سے بعید معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کے سال پیدائش کا تعین کوئی آسان بات نہیں۔ اسی طرح مورخین اور اہل سیرت نے ان کے سن وفات میں اختلاف کیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ انکی وفات حضرت عمر بن الخطاب کی خلافت میں ہوئی۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت عثمان کے عہد خلافت میں ۳۷ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ اسی طرح ایک روایت کی رو سے ان کی وفات حضرت علی کی خلافت میں ۳۷ھ میں ہوئی۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ان کا وفات پانا زیادہ قرین صواب ہے۔

اس طرح حضرت سلمان کی زندگی کا آغاز جیسے غیر واضح حالات میں ہوا تھا ویسے ہی حالات میں اس کا اختتام ہوا۔ مورخین نے سلمان کی زندگی کے اس دور سے متعلق جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد گزرا کچھ زیادہ معلومات بہم نہیں پہنچائیں اگرچہ یہ آپ کے ساتھ زیادہ رہے تھے۔ انکا مرتبہ آپ کی نظر میں بلند تھا، تبلیغ اسلام میں شریک تھے اور دینی فہم و تفقہ اور انتظامی صلاحیت کی صفات سے موصوف تھے۔ اس کے باوجود ان سے مورخین کی بے اعتنائی کا یہ حال ہے۔

حضرت سلمان نے اپنے انتقال کے وقت تین بیٹیاں چھوڑیں ان میں سے ایک اصبان میں اور دوسری مہم رہیں :

نوٹ:- علامہ ابن حجر العسقلانی نے تہذیب التہذیب میں ان کی عمر سے متعلق بحث کی ہے اور یہ رائے قائم کی ہے کہ ان کی عمر سنی برس سے زیادہ نہیں ہوئی (ادع ۴ ص ۱۳۹) ادارہ



# سعد بن عبادۃ الانصاری مزار نبی الخزرج

سے تا ۱۵ھ

نام و نسب و قبیلہ  
و کنیت و غیرہ

سعد بن عبادۃ بن ولیم بن حارثہ بن ابی خزیمہ بن ثعلبہ  
بن طریف ابن الخزرج بن ساعدہ بن کعب بن الخزرج  
الانصاری الساعدی، قبیلہ خزرج سے منسوب ہیں

جو اصل و نژاد میں جنوب کے عربوں سے تعلق رکھتا ہے۔ ان کی کنیت  
ابو ثابت اور بعض کے قول کے مطابق ابو قیس تھی۔

اہل یثرب (مدینہ) میں قبیلہ اوس خزرج  
کے لوگ یہودیوں کے ذہنی تصورات سے  
مالوس تھے۔ ان میں قیامت کے دن مردوں  
اہل یثرب پر یہودیوں  
کے ذہنی خیالات کا اثر

کے اٹھائے جانے اور ان کا حساب و کتاب کے جانے اور اس کے بعد  
جنت و دوزخ و غیرہ سے متعلق جو عقیدے رائج تھے۔ اہل یثرب بھی ان  
سے متاثر تھے اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا مفہوم سمجھنے  
کی صلاحیت ان لوگوں میں نکلنے کے بت پرستوں سے زیادہ تھی۔ یہودیوں  
نے جس رسول کے معبود ہونے کی امید لائی تھی اور جس کے لئے وہ

۱۵ ایک روایت میں ان کا نسب حارثہ بن حزام بن خزیمہ بھی مذکور ہے۔

کہا کرتے تھے کہ جب وہ اُٹے گا تو یہودی اس کی مدد کریں گے۔ اور اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں اس کی بدولت برتری حاصل کر لیں گے اس میں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں جس درجہ مشابہت تھی۔ میثرب کے لوگوں نے اس کو جان لیا تھا۔ اسی لئے سونوں میں سے اہل میثرب نے اس رسول کی تصدیق کرنے میں سبقت کی تاکہ یہودی اس کے اتباع میں ان سے پہلے نہ کر جائیں اور پھر عادی وارم کی طرح انہیں قتل نہ کر ڈالیں۔

اوس و خزرج کے قبائل نے محسوس کر لیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت میں ان کے امن و تحفظ کا سامان موجود ہے۔ آپ قریش کے معزز ترین گھرانے اور ان کے سرداروں میں سے تھے اس کے علاوہ آپ کی والدہ حضرت آمنہ کھتیں جو بنی خزرج کی ایک شاخ بنی النجار سے نسبت رکھتی کھتیں۔ پھر آپ ایک ایسے برگزیدہ بنی تھے جس پر وحی نازل ہوتی تھی اور وہ آپ کی بدولت یہودیوں پر فضل و شرف میں غالب آسکتے تھے۔ اسی طرح نژاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں اتنی استعداد موجود تھی کہ ان لوگوں کو اپنے جھنڈے تلے اکٹھا کر سکیں۔

ریاست کے لئے اوس و خزرج کے درمیان ریاست کے معاملے میں کشمکش چلی آتی تھی۔ اسی حریفانہ کشمکش کی وجہ سے ان میں کئی لڑائیاں ہو چکی کھتیں۔ جس وقت یوم بعاث میں بنی خزرج کو شکست ہوئی۔ اس زمانے

۱۰۔ یہ وہ آخری لڑائی ہے جو اسلام سے پہلے اوس و خزرج کے درمیان ہوئی تھی اس میں اس زور کا ذکر ہے تھا۔ کہ دونوں خاندانوں کے تمام نامور لڑاکو مر گئے۔ (سیرۃ النبی حصہ اول ص ۲۶۰) (ادارہ ۵)

میں ان کے اندر اسلام قبول کرنے کی استعداد بہت زیادہ پیدا ہو چکی تھی یہ لوگ کسی ایسے حلیف کی تلاش میں تھے جو ان کے اور اپنی اوس کے درمیان اتحاد کر دے یا حریفوں پر غالب آنے میں ان کی مدد کرے۔ جب خزرج کی ایک جماعت یوم لعاث کے بعد والے موسم میں حج کے لئے مکہ روانہ ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منزل عقبہ کے پاس ان سے ملے۔ ان لوگوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا۔ پھر جب یہ میثرب واپس ہوئے تو انھوں نے اپنی قوم کو اسلام کی طرف بلایا اور اس کے نتیجے میں انصار کے گھروں میں سے کوئی گھر ایسا نہ رہا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا نہ رہتا ہو۔

**اہل میثرب کے وفود** بنوت کے بارہھویں سال میثرب کے لوگوں میں سے بارہ آدمی مکہ آئے اور عقبہ میں رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے۔ انھوں نے آپ کے ہاتھ پر اس بات پر بیعت کی کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے، چوری اور زنا نہ کریں گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گے، کوئی بہتان نہ لگائیں گے۔ اور نیک کاموں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہ کریں گے۔ پھر بنوت کے تیرہویں سال میثرب کے ہتترستخص آئے جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کر کے اپنے شہر میں آنے کی دعوت دیں گے اور ان کے بنی اور سردار ہونے پر ان سے بیعت کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمائش کی کہ وہ اپنے درمیان سے بارہ سردار منتخب کر لیں چنانچہ ان لوگوں نے نو سردار خزرج

۱۰ منی کے قریب مکہ کے راستے پر ایک منزل کا نام عقبہ ہے۔

میں سے اور تین آدس میں سے انتخاب کئے۔

**سعد بن عبادہ** بنی ساعدہ کے سردار اور نقیب تھے۔ ان کا شمار ان نقیبوں میں سے تھا۔ جنھیں خود ان کی قوم نے انتخاب کیا تھا اور

اس کا سبب یہ تھا کہ یہ لوگ ان کے ذریعہ ان بڑی شان اور مرتبے کے مالک تھے۔ ان میں اتنی استعداد تھی کہ اپنی قوم کو دعوت اسلام قبول کرنے رسول کی حمایت کرنے اور ان سے دشمنوں کی ایذا رسانی کو دفع کرنے پر آمادہ کر سکیں

سعد بن عبادہ یثرب کے ان لوگوں میں تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو بڑی شدت سے اختیار کئے ہوئے تھے۔ ان کی مدد اور

خیر مقدم کرنے میں ان کا درجہ اتنا بڑھا ہوا تھا۔ کہ وہ حرصیہ حد تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کا شرف اپنے گھر کے لئے حاصل

کرنا چاہتے تھے۔ اسی آرزو میں یہ منذر بن عمرو اور بنی ساعدہ کے لوگوں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور کہا: یا رسول اللہ، ہماری

طرف آئیے، تعداد، استعداد اور حفاظت کی صلاحیت والے لوگوں ہیں آئیے! آپ نے فرمایا: اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو، کیونکہ وہ خدا کی طرف سے مامور ہے۔ (جہاں خدا کا حکم ہوگا وہیں بٹھہرے گی)۔ لوگوں نے راستہ

چھوڑ دیا اور اونٹنی چلتے چلتے بنی مالک بن النجار کے گھر پہنچی اور بنی النجار کے دو یتیم لڑکوں کے اہلے میں بیٹھ گئی۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اونٹنی سے اترے اور ایوب بن خالد بن زید الانصاری کے گھر قیام فرمایا۔

**حضرت سعد کی** اگرچہ سعد بن عبادہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میزبانی کا شرف نہ ملا تاہم وہ لوگوں کو تعظیم و تکریم

**فرخ دلی و فیاضی** بجالانے اور حضور سے اپنی محبت و اخلاص ظاہر

کرتے ہیں انتہائی شوق سے کام لیتے تھے۔ وہ روزانہ حضور کی خدمت میں ایک پڑا پیالہ خرید یا گوشت سے بھرا ہوا لے جاتے یا آپ جس مکان میں برواقی ضرورت ہوتے وہاں آپ کے پاس بھیج دیا کرتے۔ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ سعد بن عبادہ اور ان کے گھر کے لوگ کرم و سخاوت میں ضرب المثل تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیس بن سعد بن عبادہ کی نسبت فرمایا "یہ سخی گھر نے کا شخص ہے"۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ قریش نے جیل ابو قیس پر رات کے وقت کسی پکارنے والے کو سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ کے متعلق پکار کر یہ کہتے ہوئے سنا:

يَا نَسِيمَ السَّعْدِ اِنْ يَصْبِحُ مُحَمَّدٌ

بِعَلَّةٍ لَا يَخْشَى خِلَافَ خَالِفٍ

(اگر دو سعد سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ) مسلمان ہو جائیں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مکے میں کسی مخالف کی مخالفت سے اندیشہ نہ رہے گا) قریش یہ سن کر سمجھے کہ اس سے سعد بن زید مناة بن تمیم اور قضاء کے سعد ہذیم مراد ہیں۔ مگر دوسری ہی رات کو انھوں نے پھر کسی کہنے والے کو یہ کہتے سنا:

يَا سَعْدُ سَعْدِ الْاَوْسِ عِن اَفْتِ نَاصِرٌ

وَيَا سَعْدُ سَعْدِ الْخَزْرَجِيِّنَ الْعِظَارِ

اجيبا الى داعي الهداي و تمنيا

على اللذان في الفردوس منية عارت

دائے بنی اوس کے سعد تم مددگار بن جاؤ اور اے میاض خزرجیوں کے سعد

تم دونوں ہدایت کی طرف بلانے والے کی دعوت قبول کرو اور ایک عارت

کی تمنا کی طرح اللہ سے فرودس کی تمنا کرو  
 دَرَاتِ ثَوَابِ اللّٰهِ لِلطَّالِبِ الْهَلٰی

حیات من الفراء وروس خوات ذخارف

دبے مشبہ طالب ہدایت کے لئے اللہ کا ثواب فرودس کے آراستہ باغ ہیں) یہ  
 سن کر قریش نے کہا: یہاں سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ مراد ہیں۔

سعد بن عبادہ انصار کے رئیسوں اور سرداروں میں  
 سے تھے۔ اور بنی خزرج کے ایسے سردار تھے۔ جن کی  
 نسبت کسی قسم کا اختلاف نہ تھا۔ یہ جنگوں میں انصار

سعد بن عبادہ کے  
 دوسرے فضائل

کا جھنڈا اپنے ہاتھ میں رکھتے تھے۔ جہاد میں ان کی خوب آزمائش ہو چکی تھی۔  
 ابن الکلبی، المدائنی اور الواقدی نے ذکر کیا ہے کہ یہ جنگ بدر میں شریک  
 ہوئے تھے۔ نیکن ابن اسحق نے شرکائے بدر میں ان کا ذکر نہیں کیا۔

نازک واقع پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ  
 پر جس قدر اعتماد فرماتے تھے اس کا اندازہ اس واقعے سے ہو سکتا ہے کہ  
 جس وقت یہودیوں میں سے بنی قریظہ کی نسبت حضور کو خبر پہنچی کہ انھوں  
 نے مسلمانوں سے کیا ہوا عہد توڑ دیا ہے تو آپ نے بنی خزرج کے سردار سعد  
 بن عبادہ ابنی اوس کے سردار سعد بن معاذ اور عبد اللہ بن رواحہ کو بنی قریظہ  
 کے پاس بھیجا تا کہ یہ لوگ ان کے حالات معلوم کر کے آپ کو آگاہ کریں اپنے  
 اھنیں روانہ کرتے وقت فرمایا: تم وہاں جا کر دیکھو کہ ان لوگوں کی نسبت  
 جو خبر ہمیں پہنچی ہے وہ صحیح ہے یا نہیں، اگر صحیح ہو تو مجھ سے ایسے اشارہ  
 میں بات کرو جسے میں سمجھتا ہوں اور علانیہ کہہ کر لوگوں (مسلمانوں) میں  
 کمزوری نہ پیدا کرو، اور اگر وہ اس معاہدے کو پورا کر رہے ہوں جو

ہمارے اور ان کے درمیان ہے تو اسے سب پر ظاہر کرو۔" جب ان لوگوں نے وہاں پہنچنے کے بعد یہودیوں کی طرف سے عذاری دیکھی تو لپٹ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کیا۔ آپ نے فرمایا: اللہ اکبر! اے گروہ مسلمانان تمہیں خوش خبری ہو۔

جب مسلمانوں کے اس خوف میں شدت ہوئی کہ نبی کریم ﷺ اور ان کے حلیفوں سے جا ملیں گے۔ جنہوں نے مدینے کا محاصرہ کر رکھا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ غطفان کے دو سرداروں سے اس شرط پر گفتگو کی کہ اگر یہ قبیلے محاصرہ سے علیحدہ رہیں تو انھیں مدینے کی سپداوار کا ایک ہتھائی حصہ دیا جائے گا۔ ان دونوں نے اس شرط کو منظور کر لیا۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سردار سعد بن عباد اور خزرج کے سردار سعد بن عبادہ سے اس متفقہ عہد کا ذکر کیا۔ دونوں نے کہا: یا رسول اللہ، اگر آپ کو خدا کی طرف سے کوئی حکم ہوا ہے تو ایسا کیجئے اور اگر صورت حال اس کے سوا ہے تو خدا کی قسم ہم انھیں تلوار کے سوا کچھ نہ دینگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے کوئی حکم تو نہیں دیا گیا ہے، یہ تو صرف ایک رائے ہے جو میں تم دونوں کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول، ان لوگوں کو نشانہ جاہلیت میں ہم سے اس بات کا حوصلہ کبھی نہ ہوا۔ اب کہ اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کی بدولت ہدایت عطا کرے گا ہے۔ وہ ہم سے ایسی طرح کیوں کر کر سکتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کے اس جواب سے خوش ہوئے۔

سعد بن عبادہ اور فتح مکہ میں شرکت  
اسی طرح سعد بن عبادہ نے فتح مکہ میں بھی شرکت کی۔ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنا چھبند اعنایت فرمایا۔ یہ اسے لئے ہوئے  
 ابوسفیان کے پاس سے گزرے جو مسلمان ہو چکے تھے۔ ان سے کہا: آج  
 معرکے کا دن ہے، آج جو بات (جنگ) حرام تھی حلال ہو جائے گی۔ آج کے  
 دن اللہ نے قریش کو ذلیل کیا ہے۔ اس کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم انصار کے ایک لشکر میں سے گزرے تو ابوسفیان نے آپ کو  
 آواز دے کر کہا: یا رسول اللہ، کیا آپ نے اپنی قوم کے قتل کئے جانے کا  
 حکم دیا ہے؟ سعد کا خیال ہے کہ وہ ہم سے لڑیں گے۔ اس پر حضرت عثمان  
 بن عفان اور حضرت عبدالرحمن بن عوف نے کہا: یا رسول اللہ، میں اس کا  
 اطمینان نہیں ہے کہ سعد کی طرف سے قریش پر حملہ نہ ہوگا۔ رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوسفیان، آج رحمت کا دن ہے،  
 آج اللہ نے قریش کو عورت بکشتی ہے، پھر آپ نے چھبند سعد سے لے کر  
 ان کے بیٹے فہس کو دے دیا۔ وہ چھبند اے کر کے میں داخل ہوئے  
 سعد میں اسلامی غیرت بہت زیادہ تھی۔ وہ مشرکین کو روک دینے میں  
 بہت سخت واقع ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ  
 آپ نے فرمایا: بیشک سعد غیرت مند ہیں۔ اور میں سعد سے زیادہ غیرت مند  
 ہوں اور اللہ ہم سے زیادہ غیرت مند ہے۔ اور اللہ کی غیرت یہ ہے کہ  
 اس کے احکام کو پورا کیا جائے۔

سعد کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں کئی نمایاں مواقع

۱۰ ایک روایت یہ ہے کہ آپ نے زبیر بن العوام کو چھبند اعنایت فرمایا۔ اور

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت علی کو امیر بنایا۔



ایسے پیش آچکے ہیں جو ان کی ایسانی صداقت رسول اللہ کے ساتھ خلوص کی شدت اور ان کی دعوت پر سختی سے کاربند ہونے کا ثبوت دیتے ہیں۔ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی ہوازن کے قیدیوں اور ان سے جیتے ہوئے مال غنیمت کے ساتھ ایک مقام پر پڑاؤ ڈالا اور انصار نے گمان کیا کہ آپ ان سے بے نیاز ہو گئے ہیں یہ اس وقت حضرت سعد کا خلوص ظاہر ہوا۔ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد کو حکم دیا کہ انصار کو اکٹھا کر لیں۔ پھر آپ نے ان کے سامنے نہایت

سہ۔ اس واقع کی تفصیل یہ ہے کہ ہوازن اور ثقیف کا معرکہ شوال ۳ھ میں ہوا تھا۔ اس معرکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتحیاب ہوئے۔ اور طائف کا محاصرہ چھوڑ کر مدینہ منورہ پر پڑاؤ ڈالا۔ یہیں مال غنیمت کی تقسیم عمل میں آئی جس میں اموال کے علاوہ ہوازن کے چھ ہزار قیدی بھی تھے۔ اس موقع پر اپنے لکے کے اکثر دسار کو جنہوں نے حال میں اسلام قبول کیا تھا مگر ابھی تک عقیدے میں مزید ب تھے۔ (قرآن مجید میں انہیں کرمولقۃ القلوب کہا ہے) نہایت فیاضانہ الغام دیئے۔ ان کے علاوہ بنی عزیز کی نو مسلم بھی ان انعامات کے مستحق ٹھہرے۔ اس پر انصار کو رنج ہوا۔ بعضوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو انعام دیا اور ہم کو محروم رکھا۔ حالانکہ ہماری تلواروں سے اب تک قریش کے خون کے قطرے ٹپکتے ہیں۔ بعض بولے کہ مشکلات میں ہماری یاد دہتی ہے۔ اور غنیمت اوروں کو ملتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو طلب فرمایا۔ ایک چرمی خیمہ لٹب کیا گیا جس میں لوگ جمع ہوئے۔ آپ نے انصار سے پوچھا کہ کیا تم نے ایسا کہا تھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے بوسر آوردہ لوگوں میں سے کسی نے یہ نہیں کہا، البتہ بعض نوزیر نوزوانوں نے یہ فقرے کہے تھے۔ اس کے بعد آپ نے ان کے سامنے ایک نہایت بلیغ خطبہ دیا۔ جس میں آپ نے فرمایا "اے انصار! ایک صوفیوں

بلیغ تقریر فرمائی جس میں انصار کے ساتھ اپنی قومی محبت اور دوسروں پر ان کی فضیلت واضح کرنے کے بعد ان کے لئے اور ان کے بیٹوں اور پوتوں کے لئے دعا فرمائی۔ یہ تقریر سن کر انصار اور ان کے سردار حضرت سعد روپڑے اور سب کے دل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا مندی سے خوش ہو گئے۔ اور انھوں نے اسی بات کو بہت بڑی غنیمت جیال کیا۔

سرداری کے معاملے میں جو رقابت اوس اور خزرج کے درمیان حضور کے مدینے کی طرف ہجرت فرمانے سے پہلے سے چلی آرہی تھی

سرداری کے معاملے میں  
اوس و خزرج کی رقابت

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں دب گئی تھی۔ لیکن حضور کی وفات کے بعد یہ رقابت پھر ابھرائی اور حضرت سعد کو خلافت کی تمنا نے اٹھرا وہ سقیفہ بنی ساعدہ میں آکر بیٹھ گئے۔ جہاں انصار جمع ہو گئے تھے۔ بنی خزرج نے سعد بن عبادہ کو اس مہم کے لئے تیار کیا۔ انھوں نے انصار کے درمیان اٹھ کر خطبہ دیا اور کہا: اے گروہ انصار! تمہیں دین کے معاملے میں سبقت اور اسلام میں جو فضیلت حاصل ہے۔ وہ عرب کے کسی قبیلہ کو میسر نہیں اسے ظاہر کر دو کہ تم اس بات میں دوسرے تمام لوگوں کے مقابلے میں ترجیح رکھتے ہو۔

نقیہ نوٹ: کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ اور لوگ ادنٹ اور بکریاں لے جائیں اور تم محمد کو اپنے گھر لے جاؤ۔ یہ سن کر انصار چیخ اٹھے کہ ہم کو صرف محمد درکار ہیں۔ اس کے بعد آپ نے انصار کو سمجھایا کہ مکے کے لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ میں نے انھیں جو کچھ دیا حق کی بنا پر نہیں بلکہ تالیف قلب کے لئے دیا۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ سیرۃ النبی ص ۱ ص ۲۲ ص ۲۵ ص ۲۵) (ادارہ)

جب اس اجتماع کی خبر حضرت ثمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو وہ یزیدی کے ساتھ حضرت ابوبکر اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہما کے ہمراہ سقیفہ میں پہنچے یہاں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر جو تقریر فرمائی اس میں مہاجرین کے موقف کو جائز بیان کر کے انھیں خلافت کا سب سے زیادہ حق دار قرار دیا اور کہا: اے گمراہ انصار! تم وہ لوگ ہو جن کی فضیلت اور اسلام میں ان کی عظیم الشان سبقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین اور اپنے رسول کے لئے تمہارا یار و مددگار ہونا پسند کیا۔ اور تمہاری جانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مقرر فرمائی۔ تم میں ان کی معزز بیویاں اور ان کے اصحاب ہیں۔ مہاجرین اولیٰں کے بعد ہمارے نزدیک تمہارے برابر کوئی نہیں۔ اس لئے ہم امیر ہیں اور تم وزیر، تمہارے بغیر کوئی مشورہ نہ ہوگا۔ اور تمہیں چھوڑ کر معاملات کا فیصلہ نہ کیا جائے گا۔

**انتخاب خلیفہ کا نازک موقع** اس موقع پر عربی جہت اور قبائلی خاصہ طبیعت کھل کر سامنے آگیا۔ انصار اس بات سے خائف تھے۔ کہ قریش اور مہاجرین حکومت میں ان کے مقابلے میں ترجیح حاصل نہ کر لیں۔ سب کو اپنے آپس کے حالات سے طرح طرح کے دسوسے اور اندیشے لاحق تھے۔ ادھر اوس اور خزرج ایک دوسرے سے خوف زدہ تھے۔ اس کو یہ ڈر تھا کہ کہیں تمہا خزرج ہی نہ خلیفہ بن بیٹھیں اس لئے وہ مہاجرین سے مل گئے۔ پھر حضرت عمر اٹھ کھڑے ہوئے اور انھوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی۔ سعد بن عباد نے صرف حضرت ابوبکر ہی کی بیعت سے انکار نہیں کیا بلکہ ان کے

بلند حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت سے بھی علیحدہ رہے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے انھوں نے سیاست اور لڑائی سے ہاتھ کھینچ لیا۔ پرسکون زندگی نو تہیج دی اور شام کا سفر اختیار کر کے مقام حوران میں ٹھہر گئے۔

سعد بن عبادہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں ایک بلند مرتبہ حاصل تھا۔ آپ سعد سے خود ان کے گھر جا کر ملاقات فرماتے اور ان کی شایان شان قدر فرماتے تھے۔ اس لئے انھوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کرنے میں سبقت کی تھی اور جہاد میں دوسروں پر ترجیح رکھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس جیسے بعض اکابر صحابہ نے ان سے حدیث روایت کی ہے۔

سعد بن عبادہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ حضور نے فرمایا: ایسا کوئی شخص نہ ہوگا جس نے قرآن سیکھ کر بھلا دیا ہو۔ اور وہ اپنے رب سے کوڑھی ہونے کی حالت میں نہ ملے۔ اور ایسا کوئی امیر نہ ہوگا جو قیامت کے دن بیڑیاں پہنے ہوئے نہ آئے۔ پھر انصاف ہی اس کو رہا کرائے گا۔

سعد بن عبادہ نے ہجرت کے چند مہینوں میں وفات پائی۔ یہ **وفات** واقعہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوا۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کا انتقال ۱۲ھ میں اور بعض بعض ۱۱ھ میں ہوا۔ ایک روایت یہ ہے کہ وہ اپنے غسل خانے میں مردہ پائے گئے۔ ان کا جسم سبز ہو گیا تھا۔ لوگوں کو ان کے انتقال کی خبر نہ ہوئی یہاں تک کہ بعض لڑکوں نے کسی کہنے والے کو ایک کنوئیں سے پکٹے ہوئے

مُحَن قَتَلْنَا سَيْدَ الْخَتَرِ

رَبِّ سَعْدِ بْنِ عَبَادَةَ

(ہم نے خزرچیوں کے سردار سعد بن عبادہ کو مار ڈالا)

فِي مَدِينَةِ بَسْمَةَ

بِغِلْمِ الْخَطِّ فَوَادَةَ

(ہم نے اس پر دو تیر مارے اور ہمارا نشانہ ان کے دل سے نہ چوکا)

جب یہ بات لڑکوں نے سنی تو گھبرا گئے اور انھوں نے اس دن کو

یاد رکھا۔ اس کے بعد انھیں معلوم ہوا کہ یہ وہی دن تھا جس میں سعد

نے شام میں وفات پائی تھی۔ کہتے ہیں۔ ان کا مزار اس مقام پر ہے

جسے المینحہ کہا جاتا ہے۔ یہ غوطہ دمشق کا ایک گاؤں ہے۔ مسلمان اس

مقام پر حضرت سعد بن عبادہ کے مرقد کی زیارت کے لئے ہمیشہ

آتے رہتے ہیں۔

## سعد بن معاذ سردار اوس

(۱۰)

سالقہ مقالے میں ایک عالی مرتبہ صحابی سعد بن عبادہ کا ذکر سہرچکا ہے۔ جو بنی خزرج کے سردار تھے۔ اور اسلام میں ان کے اثرات اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی صحبت و رفاقت اسلام پر روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ اب ایک اور جلیل المرتبت صحابی کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جو ناموروں میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ یہ حضرت سعد بن معاذ ہیں جو ادس کے سردار تھے۔ اور ان انصار میں سے تھے جنہوں نے اپنے شہر مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے پر ان کا خیر مقدم کیا تھا۔ اور آپ کے چھبندے تلے جمع ہو گئے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے اثرات دعوت اسلام کی نشر و اشاعت میں بہت زیادہ قابل لحاظ رہے ہیں۔

**نسب و غیرہ** سعد بن معاذ بن النعمان بن امری القیس بن زید بن عبد الاشہل ابن حشم بن الحارث بن الخزرج بن البثیت قبیلہ اوس سے منسوب ہیں جس نے سد مأرب کے ٹوٹ جانے پر ملک یمن سے ہجرت کی تھی۔ سعد بن معاذ کی والدہ کعبہ بنت رافع ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ و انصار میں شامل ہیں۔

مدینے کے عربوں میں ادس و خزرج کے قبائل میں اسلام کو قبول کرنے

اور نبوت رسول پر ایمان لانے کی صلاحیت قریش کے بت پرستوں سے زیادہ پائی جاتی تھی۔ اس لئے کہ یہ لوگ ان خیالات و افکار سے بہت ماہر تھے جو بنی قریظہ و بنی النضیر کے اہل کتاب میں رایج تھے۔ اسی لئے قریش کے عربوں نے دائرہ اسلام میں داخل ہونے میں عجلت کی تاکہ یہ یہودی اس معاملے میں ان سے سبقت نہ کر جائیں۔

جب جنگ بعاث میں بنی خزرج کو شکست ہوئی تو ان ایک جماعت حج کے لئے روانہ ہوئی۔ جن میں ان کے چھ سردار شامل تھے۔ یہ لوگ کسی ایسے حلیف کی تلاش میں تھے جو ان کے اور بنی اوس کے درمیان اتحاد کرادے یا انھیں اوس پر غالب کرادے۔ اس زمانہ میں یہ دونوں قبیلے اپنی اپنی جنگ اس کے خواہش مند تھے کہ سرداری کا منصب ان ہی میں رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقبہ کے پاس خزرج کی اس جماعت سے ملاقات کی اور ان لوگوں نے آپ کی دعوت پر کان دہرے اور اسے قبول کیا۔

جب اس کے بعد والا موسم آیا تو میثرب والوں میں سے حضرت مصعب کی راہگی

کی۔ اس بیعت کا نام "بیعت النساء" عقبہ کی پہلی بیعت رکھا گیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر کو اہل مدینہ کے ہمراہ روانہ کیا جو حال ہی میں حبشہ سے لوٹ کر آئے تھے۔ انھیں مدینہ اس غرض سے بھیجا تھا کہ وہاں کے لوگوں کو قرآن پڑھائیں، اسلام کی تعلیم دیں۔ اور مسجد میں ان کی امامت کا فرض انجام دیں۔ ہجرت کے تیرھویں سال مصعب حج کے بعد مقام عقبہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور اس کے بعد اسعد بن زیدارہ کے گھر کو اپنی قیام گاہ

بنایا۔ حضرت مصعبؓ مسلمانوں کو نماز اور قرآن پڑھانے کے لئے کبھی اس مکان میں جمع کرتے اور کبھی بنی ظفر کے گھر میں جو یثرب (مدینہ) کے قبیلوں میں سے ایک قبیلہ تھا۔ یہ خاندان بنی عبد الاشہل کے گھرانے کے ساتھ اسی گھر میں مقیم تھا۔

اس زمانے میں سعد بن معاذ (سعد بن زرارہ کے خال زاد بھائی) اور اُسید بن حنیفہ دو شخص بنی عبد الاشہل کے سردار تھے ایک دن مصعب سعد بن زرارہ کے ساتھ بنی ظفر کے گھر میں بیٹھے

## سعد بن معاذ کی آمد

تھے۔ اور دونوں ان لوگوں کو جو حال ہی میں اسلام لائے تھے۔ اسلامی تعلیمات سمجھانے میں مشغول تھے۔ اتنے میں سعد بن معاذ ان کے پاس پہنچے تاکہ ان کی حالت اور کیفیت سے واقفیت حاصل کریں اور اُسید بن حنیفہ سے کہا: تمہارا باپ نہ رہے، ان دونوں آدمیوں کے پاس جاؤ جو ہمارے گھر ہمارے کمزور لوگوں کو بے وقوف بنانے آئے ہیں، انہیں ڈانڈو اور ہمارے یہاں آنے سے منع کرو، اگر سعد بن زرارہ میرے عزیز نہ ہوتے جیسا کہ تم جانتے ہو تو میں تمہارے لئے بہت کچھ کرتا۔ اس موقع پر اُسید نے اپنا حربہ اٹھالیا اور سعد اور مصعب کی طرف چلے پھرا انہیں پکار کر کہا: ہمارے یہاں کون سی بات تمہیں لے کر آئی ہے، کیا تم ہمارے کمزور لوگوں کو بے وقوف بنا رہے ہو؟ اگر تم دونوں کے دل میں کوئی حجت خلش پیدا کر رہی ہو تو تمہارے ہم سے جدا ہو جاؤ۔ مصعب نے نرمی کے ساتھ جواب دیا: کیا تم بیٹھ کر ہماری بات سن سکتے ہو؟ ہم جو کچھ کہتے ہیں اگر اس کو پسند کرو تو قبول کر لینا اور اس سے نفرت کرو تو باز رہنا۔ اب اُسید نے اپنا حربہ زمین میں گاڑ دیا اور ان دونوں کے پاس بیٹھ کر ان کی باتیں سننے لگے۔ مصعب انہیں اسلام کے بنیادی قواعد سمجھانے اور قرآن مجید کی بعض آیتیں سنانے لگے۔ اُسید تھوڑی ہی دیر میں اسلام کی محبت میں مبتلا ہو گئے اور پکار اٹھے: اگر تم کسی



کو اس دین میں داخل کرنا چاہتے ہو تو کیا کرتے ہو؟ مصعب نے کہا: غسل کرو، اپنے کپڑے پاک کرو، پھر یہ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اُسید نے اس ہدایت پر فوراً عمل کیا۔ اسلام کی شہادت کو دہرایا پھر کہا: "میرے پیچھے ایک شخص ہے" اس لفظ سے سعد بن معاذ کی طرف اشارہ تھا۔ "اگر وہ تمہاری پیروی کرے تو اس کی قوم میں سے کوئی اُسے قبول کرنے سے باز نہ رہے گا، میں اسے ابھی تمہارے پاس بھیجتا رہوں"

## سعد کا قبول اسلام

اب اُسید بن حضیر چلے گئے۔ اور کھوڑی دیر بھی نہ گزری تھی کہ سعد بن معاذ اسعد بن زرارہ پر برہمی ظاہر کرتے ہوئے اپنے کپڑوں نے اسلام کے مبلغوں کی تائید کی۔ مصعب نے ان سے یہ توقع کی کہ وہ

جب تک اس دین پر نظر نہ کر لیں اس کے خلاف مفید نہ کریں۔ اس وقت سعد بن معاذ مصعب کی بات سننے کے لئے تیار ہوئے۔ جیسے ہی ان کی بات نے سعد پر اثر کیا اور ان کے دل کو اطمینان بخشا وہ دین میں داخل ہو گئے۔ اور کچھ نامور مسلمانوں میں شمار ہوئے۔ اس کے بعد سعد بن معاذ جوش وحمیت سے بھرے ہوئے اپنی قوم میں پہنچے اور ان سے کہا: اے بنی عبدالاشہل! تم اپنے درمیان مجھے کیسا سمجھتے ہو؟ انہوں نے کہا: اپنا سردار، رائے میں ہم سب سے بہتر، اور سرداری میں ہم سب سے محفوظ تر۔ پھر سعد نے اپنی یہ بات کہی جو ان سے منقول ہے جب تک تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لے آؤ تمہارے مردوں اور عورتوں سے بات کرنا مجھ پر حرام ہے۔ اس دن کے بعد سے عبدالاشہل کی تمام قوم اسلام لے آئی اور بہت جلد اُدس اور خزرج سب کی سرداری سعد بن معاذ کی طرف منتقل ہو گئی۔ اہل یثرب میں سے بکثرت لوگ مسلمان ہوئے یہاں تک کہ مدینے کا کوئی گھر ایسا نہ رہا۔ جس میں مسلمان مرد اور عورتیں موجود نہ ہوں۔ اس لئے اگر یہ کہا جائے کہ

سعد بن معاذ اسلام میں سب سے زیادہ بابرکت تھے تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہ ہوگی۔

سعد بن معاذ کا اپنی قوم میں جو مرتبہ تھا۔ اور وہ ان کے درمیان دین کی ترویج و اشاعت میں جتنا اچھا اثر رکھتے تھے۔ اس کا اندازہ اس واقعے سے ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ان کی ایمانی قوت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہزرت پر ان کے سچے اعتقاد کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ان امور میں کسی تعجب کی گنجائش اس لئے نہیں ہے کہ وہ بنی عبدالاشہل ہی نہیں بلکہ انصار کے متفقہ سردار تھے۔ انہیں عقل و رائے میں ان سب پر فضیلت تھی۔ وہ اسلام کی بضررت رسول اللہ علیہ وسلم کی حمایت اور ان کی طرف سے موذیوں کی اذیت و فحش کرنے میں ان سب سے افضل تھے۔ اگر سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ کے اسلام لانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جال شاعر کے اس قول کا مصداق ہو گیا تو یہ کوئی انوکھی بات نہیں :-

فَلَيْتَ يُسَلِّمُ السُّعْدَانُ يَصْبِرُ مُحَمَّدٌ

بِمَكَّةَ لَا يَخْشَى خِلَافَ مَخَالِفِ

(اگر دو سعد سعد بن عبادہ و سعد بن معاذ) اسلام لے آئیں، تو محمد صلی اللہ

علیہ وسلم کو مکہ میں کسی مخالف کی مخالفت سے اندیشہ نہ رہے گا۔)

سعد بن معاذ کی آزمائش جہاد میں خوب ہوئی تھی۔ یہ جنگ بدر،

جنگ احد اور جنگ خندق میں شریک ہوئے تھے۔ جب رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی جانب روانہ ہوئے اور انہیں قریش

کے آنے کی خبر ملی تو آپ نے لوگوں سے مشورہ فرمایا۔ مقداد نے کہا: بہتر ہے۔

اسی طرح حضرت ابو بکر اور حضرت عمر نے بھی آپ کے ارادے کی تائید کی۔ رسول

**عزوات  
میں شرکت**

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ یہ تھا کہ انصار تائبہ کریں کیونکہ وہ بہت تھے اس لئے سعد بن معاذ نے کہا: یا رسول اللہ معلوم ہوتا ہے آپ کا مقصود ہم لوگ ہیں؟ فرمایا: "ہاں" اس وقت سعد نے کہا: ہم آپ پر ایمان لچکے ہیں، آپ کی تصدیق کر چکے ہیں اور ہم نے اس کی گواہی دی ہے کہ آپ خدا کا جو پیغام لائے ہیں برحق ہے، ہم نے آپ کا حکم سننے اور ماننے کے لئے آپ سے عہد و پیمانہ کئے ہیں اس لئے یا رسول اللہ آپ جہاں چاہیں چلیں، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اس خدا کی قسم جس نے آپ کو رسول برحق بنا کر بھیجا ہے، اگر آپ ہمیں اس سمندر کے سامنے بھی لے جا کر کھڑا کر دیں تو ہم آپ کے ساتھ اس میں بھی جا گھسیں گے، ہم میں سے ایک شخص بھی پیچھے نہ رہے گا، ہمیں اس بات میں کبھی کوئی کراہت نہ ہوگی کہ آپ کل ہی ہیں ہمارے دشمن کے مقابلے پر کھڑا کر دیں۔ ہم لوگ جنگ میں صابر و ثابت قدم رہتے ہیں اور مقابلے کے وقت کھڑے اور سچے ثابت ہوتے ہیں۔ امید ہے کہ اللہ ہم میں آپ کو ایسی باتیں دکھائے گا جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی اس لئے اللہ کی برکت کے ساتھ ہمیں لے کر روانہ ہو جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سعد کی اس بات سے اور ان کی بہادری سے خوش ہوئے۔

عزودہ بدر میں حضرت سعد انصار کے چند آدمیوں کے ہمراہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے کھڑے ہوئے۔ اس وقت

اس کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں مشرکین یکا یک آپ کو نہ

آگھیریں۔ اس لئے سعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں بہت اہتمام سے

کام لے رہے تھے اور جدوجہد کے آثار ان کے چہرے سے نمایاں تھے۔ رسول اللہ

نے سعد سے کہا: بخدا اے سعد ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے قوم جو کچھ کر رہی ہے۔ تم

اس کو ناپسند کرتے ہو۔ انھوں نے کہا: جی ہاں یا رسول اللہ، یہ پہلا واقعہ ہے

**سعد بن معاذ  
عزودہ بدر میں**

جس میں اللہ نے اہل شرک کے ساتھ سابقہ ڈالے اس لئے میرے نزدیک لوگوں کا جان دینے میں سرگرمی دکھانا زندہ رہنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ گویا سعد بن معاذ کو یہ بات محبوب تھی کہ مسلمان اللہ کی راہ میں جہاد کرنے اور مشرکین کا خاتمہ کرنے کیلئے اپنی جانیں بیچ ڈالیں۔

اسی طرح سعد بن معاذ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ خندق میں بھی شرکت کی جو غزوہ احزاب کے نام سے مشہور ہے۔ اس ضمن میں حضور نے حرج شدت کے اوقات میں سعد بن معاذ پر جس قدر اعتماد فرمایا، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آپ نے سعد بن معاذ کو جو اس وقت اس کے سردار تھے اور سعد بن عبادہ کو جو حرج کے سردار تھے، اور عبد اللہ بن رواحہ کو یہودیوں میں بنی قریظہ کی طرف ان کی جہزیں لانے کیلئے بھیجا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ حضور کو خبر ملی تھی کہ یہودیوں نے مسلمانوں سے جو معاہدات کر رکھے ہیں انھیں توڑ دیا جائے جب سعد اور ان کے ساتھ والے بنی قریظہ کے یہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آئے تو انھوں نے کہا: ان لوگوں نے ویسا ہی غدر کیا ہے جیسا کہ عصل اور قارہ کے لوگوں نے اہل رجب کے ساتھ کیا تھا۔

جب مسلمانوں کا یہ خوف بہت بڑھ گیا کہ بنو قریظہ قریش اور ان کے حلیفوں میں مل جائیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چاہا کہ عطفان

ع یعنی اصحاب الرجب البیاعد۔ اصحاب الرجب وہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وفد لے کر آئے۔ اور فرمائش کی کہ ان کے یہاں چند لوگ اسلام سکھانے کے لئے روانہ فرما دیے جائیں۔ آپ نے چھ آدمی ان کے یہاں بھیج دیئے یہ واقعہ ۶۳۰ء میں غزوہ احزاب پہلے پیش آیا۔ رجب بنی حیان کے پانی کا مقام اس نام سے موسوم ہے جو اور عطفان کے درمیان واقع ہے۔

کے سرداروں سے صلح کا معاہدہ کر لیں اور اکھنیں اس شرط پر کہ وہ مدینے کے محاصرے سے باز رہیں گے۔ مدینے کی ایک نہانی پیداوار دی جائے اس وقت

سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ نے کہا: یا رسول اللہ کیا یہ ایسی بات ہے جسے آپ پسند کرتے ہیں تاکہ ہم اس پر عمل کریں؟ یا یہ کوئی ایسی بات ہے جس کے خدانے آپ کو حکم دیا ہے۔ اور اس کی تعمیل ہمارے لئے ناگزیر ہے یا آپ

اس کام کو ہمارے فائدہ کے لئے کر رہے ہیں؟ فرمایا: نہیں بلکہ میں خود تمہاری

اس کام کو کر رہا ہوں، بخدا میں یہ صرت اس لئے کر رہا ہوں کہ میں نے دیکھا

کہ عرب ایک ہی کمان سے تم پر تیر چلا رہے ہیں۔ اور ہر طرف سے تمہارے خلاف

شدت پرتل گئے ہیں۔ اس لئے میں نے ارادہ کیا کہ جس حد تک ممکن ہو تمہاری

خلاف ان کا زور توڑ دوں۔" یہ سن کر سعد بن معاذ نے عرض کی: یا رسول اللہ

ہم اور یہ قوم اللہ کے ساتھ مشرک کیا کرتے تھے، بتوں کی پرستش کرتے تھے

ہم اللہ کی نہ عبادت کرتے تھے نہ اسے جانتے تھے۔ اس وقت یہ لوگ مدینے کے

ایک پھل کی بھی تمنا بجز مہمانی یا بیع کی صورت کے نہ رکھتے تھے۔ اب کہ اللہ نے ہمیں

اسلام کے ذریعے عزت عطا کی اور اس کی راہ بتائی، آپ سے اور اسلام ہمیں سربلندی

بخشتی ہم اکھنیں اپنے امراں دیں؟

خدا کی قسم ہمیں اس کی حاجت نہیں، ہم اکھنیں تلوار کے سوا کچھ نہ دیں گے

یہاں تک کہ اللہ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ فرمادے۔" رسول اللہ علیہ

نے فرمایا: اچھا تم جاؤ اور وہ جاہلین۔ پھر سعد بن معاذ نے وہ عہد والی دستاویز

لے کر اس میں جو کچھ لکھا تھا۔ اسے مٹا دیا اور کہا: اب اکھنیں ہمارے خلاف

کوشش کرنے دو۔

سعد بن معاذ نے جنگ احزاب میں نہایت بہادرانہ جہاد کیا۔ یہ وہ غزوہ

جس میں قریش، عطفان اور یہودیوں میں سے بنو قریظہ مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہو گئے تھے۔ جس وقت مشرکین خندق میں زبردستی راستہ بنانے کی کوشش کر رہے تھے۔ حضرت سعد نے ایک تیر پھینکا۔ جنگ خندق والے دن سعد کی والدہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ قلعہ بنی حارثہ میں موجود تھیں۔ یہ واقعہ عورتوں کے لئے حکم حجاب نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔ اس وقت سعد زرہ پہنے ہوئے گزرے اس کا کچھ حصہ سکڑا ہوا تھا اس میں سے ان کا بازو نکل ہوا تھا۔ اور ان کے ہاتھ میں حربہ تھا اور وہ یہ کہہ رہے تھے:

لَيْتَ قَلِيلًا يُلْحِقَ الْهَيْبَا حَمْلُ لَابِاسٍ بِالْمَوْتِ إِذَا حَانَ الْأَجَلُ  
(دراٹھہر دحمل) میدان جنگ میں اپنے رجب وقت آگیا تو موت کا کوئی ڈر نہیں۔ سعد کی والدہ نے کہا: بیٹا لڑائی میں شامل ہو جاؤ تو نے دیر کر دی ہے حضرت عائشہ بولیں: اے سعد کی والدہ بچہ میں چاہتی ہوں کہ سعد کی زرہ جیسی اب ہے اس زیادہ کٹا رہتی اس کے تھوڑی ہی دیر کے بعد عاصم بن عمرو بن قنارہ جہان بن العرقہ نے جو بنی عامر بن لوی میں سے تھا۔ ان پر ایک تیر بارا اور ان سے کہا: لوی میری طرف سے، میں ہوں ابن العرقہ سعد نے کہا: اللہ دوزخ میں تیرے چہرے کو عرق آلود کرے سچے اور اے اللہ اگر تو نے قریش کی جنگ

ع ۱ ایک شخص کا نام ع ۲ العرقہ کی کنیت ام فاطمہ بیان کی گئی ہے۔ اس کے جسم سے خوشبو آتی تھی اس لئے "عرقہ" نام پڑ گیا۔ ع ۳ اس تیر کے لگنے سے سعد بن معاذ کی رگ ہفت اندام کٹ گئی (طبقات صح ۱ قسم ۱ ص ۵۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو سنا یا خدا اس کا چہرہ دوزخ میں عرق آلود کرے (سیر الصحیح ۲ ص ۱۴)

ابھی باقی رکھ چھوڑی ہے۔ تو مجھے اس کے لئے زندہ رکھ کیونکہ جن لوگوں نے تیرے رسول کو ستایا، اسے جھٹلایا اور نکالا ایسے لوگوں کے ساتھ جہاد کرنا بہت زیادہ پسند ہے اور اگر گوتے ہمارے اور ان کے درمیان جنگ ختم کر دی ہے تو میرے لئے شہادت مقرر فرما اور جب تک میری آنکھیں بنی قریظہ کے معاملے میں ٹھنڈی نہ ہو جائیں مجھے موت نہ دے۔

لیکن غزوہ خندق میں مسلمانوں کو جو کامیابی ہوئی اور اس مدت محاصرہ میں جتنا ظول ہوا۔ اس کی بدولت اگرچہ سعد اپنی تکلیفات کو بھول گئے تھے تاہم ان امور نے یہودیوں کے خلاف سعد کی عداوت اور غیظ و غضب کو بہت بھڑکا دیا تھا۔ کیونکہ ان لوگوں نے بد عہدی کی تھی۔ اور مسلمانوں کے خلاف دشمنوں کو اکسایا تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا تھا کہ یہودیوں کو سزا دینے اور مدینے سے نکال دینے کے سوا کوئی صورت اختیار نہ فرمائیں گے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کے وقت مدینے پہنچے تو حضرت بلال کو حکم دیا کہ لوگوں میں یہ سنا دی کر دیں: جو شخص مطیع و فرمانبردار ہو وہ عصر کی نماز سوائے بنی قریظہ کے کہیں نہ پڑھے۔ مسلمان ایک دوسرے کے پیچھے ہوئے۔ حضرت علی بن ابی طالب جھنڈا لیکر نکلے۔ جو اپنی حالت پر بھٹا۔ ہنوز لپٹا، بہیں گیا تھا۔

جب بنو قریظہ نے مسلمانوں کا لشکر دیکھا تو ان کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے۔ موت کا نقشہ آنکھوں میں بھرنے لگا۔ جو غدار سی و بد عہدی

کی تھی اس سے بیزاری ظاہر کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معافی کے طالب ہوئے۔ آپ نے ان کی یہ بات نہ مانی اور پچیس دن تک شدت کے

ساتھ محاصرہ قائم رکھا یہاں تک کہ وہ آپ کے حکم پر قلعے سے اتر آئے اور اوس سے جو ان کے حلیف تھے درخواست کی کہ وہ انھیں رہائی دلائے ہیں واسطہ بنیں جس طرح خزرج اپنے حلیف بنی قنیقاع کی رہائی کے لئے درمیان میں پڑے تھے۔ چنانچہ اوس نے سبقت کی اور کہا: یا رسول اللہ یہ لوگ ہمارے حلیف تھے۔ آپ نے فرمایا: اے گروہ اوس کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں کہ تم ہی میں کا ایک شخص ان کے درمیان فیصلہ کرے۔ انھوں نے کہا: جی ہاں پسند ہے۔ فرمایا: تو یہ کام سعد بن معاذ کے سپرد ہے جس وقت سعد کو بلا یا گیا تو وہ زخمی تھے۔ لوگوں نے ان سے کہا: اے ابو عمرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے حلیفوں کا معاملہ تمہارے سپرد فرمایا ہے، اس لئے تمہیں ان کا فیصلہ کرنا چاہیے سعد نے دونوں فریقوں سے ہذا کی قسم کھلو اگر عہد لیا کہ ان کے بارے میں حکم جو فیصلہ کرے گا اسی کو اس فیصلہ کا اختیار ہوگا۔ بنی قریظہ نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو قبول فرمایا تو سعد نے کہا: اب میں حکم دیتا ہوں کہ مردوں کو قتل کر دیا جائے اموال تقسیم کر دیئے جائیں، عورتوں اور لونڈیوں کو کنیز بنا لیا جائے تاکہ مسلمان ان سے خدمت لیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: تم نے اللہ کے فیصلے کے مطابق ان کا فیصلہ کیا ہے۔

سعد کے زخم کا اثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اور سعد

**آخری ساعتیں** کی والدہ اور تمام مسلمانوں کے دلوں پر بہت گہرا تھا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ سعد کے لئے مسجد میں خیمہ لگا دیا جائے

تاکہ وہ آپ سے قریب رہیں۔ آپ روز حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور تمام

مسلمانوں کے ساتھ سعد کی عیادت کے لئے جایا کرتے تھے۔ جب سعد نے بنی قریظہ



کے متعلق مفید کیا تو ان زخم بھٹ گیا۔ اور اس کا خون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہ آیا۔ حضرت ابو بکر نے کہا "ان کی کمر ٹوٹ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ایسا نہ کہو" حضرت عمر نے کہا: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اور سعد کی روح پرواز کر گئی۔ انھوں نے عزا وہ خندق کے ایک ماہ بعد حالت شہادت میں وفات پائی۔ یہ واقعہ ۱۵ھ میں پیش آیا۔ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد کے جنازے سے لوٹے آپ کے آنسو واڑا اٹھی پر بہ کر رہے تھے اور آپ اسے پکڑے ہوئے تھے۔

سعد کے مراتب اسلام میں بہت بلند تھے۔ کہا گیا ہے کہ سعد بن معاذ کی موت پر اللہ کا عرش ہل گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کے جنازے میں ستر ہزار فرشتے آسمان سے اترے جنہوں نے پہلے

کبھی زمین پر پاؤں نہ رکھا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر قبہ کے فشار (کھینچنے) سے کسی کو نجات ہوتی تو بے شک سعد بن معاذ اس کو نجات پالیتے۔

سعد بن معاذ سے منقول ہے کہ انھوں نے کہا: میں چیزیں ایسی ہیں جن کے اعتبار سے میں صحیح معنوں میں مرد ہوں۔ ان کے سوا اور بالوں میں عام مردوں کی طرح ہوں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بات بھی سنی اسے یہی جانا

۱۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنازے کے ساتھ تھے۔ فرمایا کہ ان کے جنازے میں ستر ہزار فرشتے شریک ہیں۔ لاش بالکل ہلکی ہو گئی تھی۔ منافقین نے مضحکہ کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ ان کا جنازہ فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں۔

کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے برحق ہے۔ میں جب بھی نماز کی حالت میں رہا  
 جب تک میں نے اسے ادا نہ کر لیا میرا دل کبھی کسی اور بات میں مشغول  
 نہ ہوا۔ میں جب بھی کسی جنازے میں شریک ہوا ہوں میں نے ہی اپنے  
 آپ سے باتیں کی ہیں۔ نفس کی باتوں سے واسطہ نہیں رکھا (یعنی میرے  
 دل میں نفسانی وسوسے پیدا نہیں ہوئے) یہاں تک کہ میں اس جنازے  
 سے واپس آگیا۔ سعید بن المسیب کا قول ہے: یہ وہ فضیلتیں ہیں جنہیں میں  
 نبی کے سوا کسی میں گمان نہیں کرتا تھا۔

## سعد بن ابی وقاص

۱۵۵ تا ۱۵۵ھ

حضرت سعد بن ابی وقاص جو ایک حلیل القدر صحابی ہیں۔ ان کا شمار اسلام کے بہادر مجاہدین میں ہے۔ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنکے جنتی ہونے کی گواہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے خدا کی راہ میں خون بہایا اور سب سے پہلے اس راہ میں تیر چلایا اور یہی وہ شخص ہیں جن کی نسبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ میرے ماموں ہیں۔ جس شخص کے ماموں ہوں اسے چاہئے کہ مجھے دیکھے کہ (ماموں سے کتنی محبت کرتا ہوں)۔

حضرت سعد کا نسب یہ ہے: سعد بن مالک بن وہب

**نسب و قرابت**

بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب

بن لوی بن قہر بن النضر بن کنانہ القرشی۔ یہ حضرت آمنہ (والدہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم) بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ کے چچے بھائی ہیں۔ ان کا اور حضرت آمنہ کا نسب عبد مناف سے جاملتا ہے۔ اس طرح یہ نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں ہیں۔ ان کی والدہ حمہ بنت سفیان ابن امیہ بن عبد شمس ہیں۔ ایک قول کی بنا پر ان کا نسب حمہ بنت

ابی سفیان بن امیہ ہے۔ اس طریقے سے حضرت سعد بنی ذات میں دو شریف گھرانے جمع تھے۔ ایک ہاشم کا گھرانہ دوسرے عبد شمس کا گھرانہ۔ ان دونوں خاندانوں کی شان اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ میں بہت بلند ہے۔ حضرت سعد نے مکہ کے گھرانوں میں اس نجیب خاندان میں شریف والدین کی آغوش میں آنکھیں کھولیں اور جس طرح اشراف و اکابر اور عقل و شعور والے سردار نشوونما پاتے ہیں اسی طرح یہ بھی پروان چڑھے۔ جب رسالت محمدیہ کا آفتاب جگمگایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں بیشتر و نذیر (خوش خبری دینے والے اور خدا کے عذاب سے ڈرانے والے) کی حیثیت سے تبلیغ شروع فرمائی اس وقت حضرت سعد عمر کے ساتویں سال میں تھے، انھوں نے حضور کی دعوت کو لبیک کہا اور اللہ کے دین میں داخل ہو گئے۔ حضرت سعد سے روایت ہے کہ انھوں نے بیان کیا "میں نے اسلام لانے سے پہلے خواب میں دیکھا کہ جیسے میں ایک تاریکی میں ہوں اور مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا ہے۔ یکایک میرے لئے ایک چاند روشن ہوا اور میں نے اس کی پیروی کی۔ اس وقت ایسا معلوم ہوا جیسے میں اس چاند کی طرف سبقت کرنے والوں کو دیکھ رہا ہوں۔ زمین بن حارثہ علی بن ابی طالب اور ابو بکر کی طرف دیکھ رہا ہوں، اور جیسے ان سے پوچھ رہا ہوں کہ تم یہاں تک کب پہنچے اور انھوں نے کہا: اسی وقت۔ اور مجھے اطلاع پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پوشیدہ طور پر اسلام کی دعوت لے رہے ہیں اس لئے میں "شعب اجیاد" میں ان سے ملا۔ وہ اس وقت عصر کی نماز پڑھ چکے تھے پھر میں اسلام لایا۔ اور اسلام لانے میں ان لوگوں کے سوا کسی نے مجھ سے سبقت نہیں کی۔ اس طرح حضرت سعد کا شمار ان لوگوں میں ہے جو اولین میں پہلے مسلمان ہوئے۔

حضرت سعد نے اپنے نئے دین کو مضبوطی سے پکڑا اور اپنے دل میں اس کی بڑھتی

## دین میں استقلال اور حکمت

عظمت کرتے رہے۔ اس کی تائید اس واقع سے ہوتی ہے کہ حبیب یہ مسلمان ہونے کے بعد اپنی والدہ کے پاس پہنچے تو انھوں نے کہا۔

”اے سعد، یہ نیا دین کیا ہے جو تم نے اختیار کیا ہے؟ تمہیں یہ دین چھوڑنا

پڑے گا ورنہ میں نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی اور اسی حال میں مرجاؤں گی اور لوگ

میرے دھیسے تمہیں شرمندہ کریں گے“ حضرت سعد نے جو اپنی ماں پر سب

سے زیادہ مہربان تھے کہا: امی جان ایسا نہ کیجئے گا کیونکہ میں اپنا دین نہیں

چھوڑوں گا۔ حضرت سعد کا بیان ہے کہ میری والدہ ایک دن ایک رات اسی حال

میں رہیں۔ انھوں نے کھانا نہ کھایا اور صبح ہوئی تو وہ دبی ہو چکی تھیں۔ پھر میں نے

کہا: خدا کی قسم، اگر آپ کے ہزار جائیں ہوں اور ایک ایک کر کے یہ جائیں چلی

جائیں تو بھی میں اس دین کو کسی وجہ سے نہ چھوڑوں گا، جب انھوں نے یہ صورت

دیکھی تو کھایا پیا۔ اور اس واقع سے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (و ان جا

هدا علی ان تشرک بما لیس لک بہ علم فلا تطعہما و صا

حبہما فی الدینا معروفاً۔ (اگر وہ دونوں (والدین) تم پر اس بات کا زور

ڈالیں کہ تم ایسی چیز کو میرا شریک ٹھہراؤ جس کے (معبود ہونے کی) کوئی دلیل

دلیل تمہارے پاس نہیں ہے تو ان کا کہنا نہ ماننا اور دنیا میں ان کے ساتھ خوبی نہ

لہبر کرنا۔ (سورہ نعام، آیت ۱۵)

دین کے معاملے میں حضرت سعد کی نیچنگی اور عقیدہ کی مضبوطی اس حد کو پہنچ گئی

تھی کہ وہ اس راہ میں جان قربان کر دینے کے لئے بھی خوشی سے تیار رہتے۔ اور

دین کی حمایت اور عقیدے کے دفاع کے لئے اپنے آپ کو خطرے میں ڈال

لذت محسوس کرتے تھے۔ ان حالات میں اگر حضرت سعد حمیت اور دینی جوش میں اور صحابہ سے بڑھے ہوئے تھے تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ عہد اسلام کی ابتداء میں جب نماز پڑھتے تھے تو درود میں چلے جاتے تھے اور نماز قوم سے چھپا کر ادا کرتے۔ ایک دفعہ حضرت سعد چند اصحاب رسول کے ساتھ مکے کے ایک درے میں موجود تھے۔ یکایک مشرکوں کا ایک گروہ ان کے سامنے آ پہنچا اور ان سے لڑنے اور ان کی دیندگی برائی کرنے لگا یہاں تک کہ لڑائی کی ٹھان لی باس وقت مسلمان بھی لڑے اور حضرت سعد نے مشرکین کے ایک شخص کو اونٹ کے تالوں کی پٹری ملا کر اس کا سر توڑ دیا۔ یہ پہلا خون تھا جو اسلام میں بہایا گیا۔

**غزوات میں شرکت** | جنگ احد میں جب مسلمانوں کے بین گئی آزمائش ہوئی تو اس موقع پر حضرت سعد کی بہادری

ہمایت نمایاں صورت میں ظاہر ہوئی۔ یہ ثابت قدمی سے ڈٹے رہے اور انھوں نے بڑے استقلال کا ثبوت دیا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ:- ہم واقعہ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ لڑے تھے اور ہمارے ساتھ انگور اور ببول کے پتوں کے سوا کوئی کھانا نہ تھا اس روز جنگ میں سعد کی بہادری کا یہ حال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بکار کر کہا:- "اے طاقتور لڑ کے میرے باپ اور ماں تجھ پر قربان، تیر چلا۔ حضرت علی بن ابی طالب کہتے ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے لئے اپنے باپ اور ماں دونوں کا ذکر اکٹھا نہیں کیا۔ یہ سعادت صرف سعد بن ابی وقاص کو حاصل ہوئی۔"

حضرت سعد غزوہ بدر اور غزوہ خندق میں بھی اسی طرح شریک ہوئے تھے جس طرح وہ تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک

ہو چکے تھے۔ یہ ان دس صحابیوں میں سے تھے جن کی نسبت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے وقت ان سے راہنی تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کے سایہ رحمت میں جگہ پائی اور آپ کی خلافت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ملی۔ پھر حضرت ابو بکر کی وفات کے بعد خلافت کی بیعت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مکمل ہوئی۔ اس زمانے میں سلام لشکر ایرانیوں اور رومیوں کے ملکوں میں داخل ہو چکے تھے۔ حضرت ابو بکر نے اپنے عہد میں ایک لشکر عراق کے اطراف حضرت خالد بن الولید کی سرکردگی میں روانہ کیا تھا۔ ان کے ساتھ مثنی بن حارثہ بھی تھے۔ حضرت خالد ایرانیوں پر غالب ہوئے اور حیرہ و انبار پر تسلط حاصل کر لیا۔ لیکن عربوں کو کھوڑی ہی مدت بعد ایرانیوں کی اس کثیر التعداد فوج کے مقابلے میں سپاہ ہونا پڑا جو یزدجرد ثالث آخری بادشاہ آل ساسان نے رستم کی قیادت میں تیار کی تھی۔ مسلمان صحرا کے اطراف میں پلٹے۔ مسلمانوں کی کوششیں رایگیاں ہوتی نظر آنے لگیں۔

پھر جب حضرت عمر خلیفہ ہوئے اور ملک فارس میں بے چینی بڑھی تو مثنی بن حارثہ انہیں وہاں کے حالات اور کمسنی کے باوجود یزدجرد کے تحت نشین ہونے کے واقعات باخبر کیا اور اس بات پر ابھارا کہ اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ ادھر سپہ نامہ عمر میں رومیوں کو اجنادین میں شکست دے کر ان کی طرف سے مطمئن ہو چکے تھے اس لیے آپ نے اپنی توجہ عراق سے لڑنے پر مہذول کی اور لوگوں کو عراقیوں سے لڑنے کی دعوت دی۔ ان کو سمجھایا کہ یہ علاقہ آسانی سے فتح ہو سکتا ہے۔ آپ نے ارادہ کیا کہ لشکروں کی سپاہ کا فرض خود انجام دیں لیکن بعض صحابہ نے استورہ دیا کہ اکابر صحابہ میں سے کسی شخص کو اس مہم پر بھیجا اور اس کے جانے کے بعد خود خلیفہ کا مدد روانہ کرنا مناسب ہو گا۔ یہ بات

سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہتر پر چڑھے اور کہا:۔ لوگو! میں تمہارے ساتھ چلنے کا عزم کر رہا تھا۔ مگر تم میں سے ہونٹمت اور دانا اشخاص نے مجھے اس ارادہ سے ہٹا دیا اور مشورہ دیا کہ میں خود بھڑوں اور صحابہ میں سے کسی شخص کو بھیج دوں جو لڑائی کے معاملات کا والی و مختار بنے۔

زمانہ جنگ احد کے بہادر اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب صحابی حضرت سعد بن وقاص کو اس مقصد کے لئے محفوظ کئے ہوئے تھا کہ وہ عرب کی عزت اور اسلام کی عظمت و شرافت کو چارچاند لگائیں۔ اس لئے انھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مہم کے لئے انتخاب کر کے عراق میں لڑنے والی اسلامی فوجوں کا امیر بنا دیا۔ اب حضرت سعد بن وقاص نے ان علاقوں میں جو حجاز اور کوفہ کے درمیان واقع تھے آنا جانا اور گشت کرنا شروع کر دیا۔ یہ خبریں سنا کرتے اور ان کے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قاصد اور ان کے خطوط آتے رہتے جن میں وہ اپنی رائیں لکھتے اور انھیں لشکروں کے ذریعے مار دینے پھرتے۔ پھر قادیسیہ کے قریب حضرت سعد اور رستم کا مقابلہ ہوا۔ یہ مقام عراق کا دروازہ تھا۔ رستم کی فوج میں تیس ہزار جنگجو تھے اس کے مقابلے میں حضرت سعد کا لشکر سات اور آٹھ ہزار سپاہیوں کے درمیان تھا۔ فارس کے لوگ عربوں کے تیروں کا مذاق اڑاتے تھے اور انھیں تنکوں سے تشبیہ دیتے تھے۔

فوجی نقتل و حرکت شروع کرنے سے پہلے حضرت سعد نے رستم کے پاس ایک خط بھیجا جس کا مضمون یہ تھا:

”اللہ نے ہماری طرف اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔ ہم نے اس کی تبلیغ کو لبیک کہا اور اس کی پیروی کی سعادت حاصل کی اس نبی نے ہمیں ان لوگوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا جو ہمارے دین کی مخالفت کریں۔ ہم تمہیں خدائے واحد کی



عبادت کرنے اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی طرف بلا تے ہیں۔ بہتر ہے کہ تم اسے مان لو ورنہ ہمارے تمہارے درمیان تلوار ہی فیصلہ کرے گی۔ رستم نے جواب میں کہا:-

سورج اور چاند کی قسم ہے کل چاشت کا وقت بھی ختم نہ ہونے پائے گا کہ تم سب کو قتل کر دیں گے۔

یہ سن کر حضرت سعد کے قاصد نے کہا:- کاحول و کاقوة الابدالہ اللہ اللہ کے سوا کسی میں طاقت ہے نہ قوت (گو یا اس نے رستم کا مذاق اڑایا جو اس وقت اپنی قوت پر مغرور ہو گیا تھا اور مسترات نے اس کے لئے پردہ عنیب میں جو کچھ چھپا رکھا تھا اس کی ذرا پروا نہ کی۔

حضرت سعد اس معرکہ میں گھس پڑے اور اس سے کامیاب و فتح مند ہو کر نکلے۔ اکھنوں نے اہل فارس کو مصیبت میں ڈال دیا، کسریٰ کی ایک بیٹی کو قید کر لیا اور رستم کی فوجوں میں سے ایک بڑی تعداد کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد ہی الفلایج، السنہین، یابل اور نہر الملک و کوئی وغیرہ کے دہقانوں نے اسلام قبول کیا۔

پھر حضرت سعد نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو فتح کی خوشخبری بھیجی تو امیر المؤمنین نے اکھنیں لکھا۔

”اپنی جگہ ٹھہرو۔ اور ان کا پیچھا نہ کرو۔ اس فتح پر قناعت کرو اور مسلمانوں کے لئے

ایک ہجرت گاہ اور شہر بناؤ جس میں وہ رہیں۔ اور میرے وران کے درمیان سمندر حائل نہ کرو، اس لئے حضرت سعد نے کوفے کی حد بندی کی اور حضرت سلمان الفارسی اور حدیث بن الیمان کو روانہ کیا کہ یہ دونوں ان کے لئے ایک ایسا مقام تلاش کریں جس میں یہ شہر ابکثرت پانی جاتی ہوں۔ ان دونوں حضرات نے حیرہ کے

قریب فریث کا ایک مغربی مقام پسند کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس کتاب پر ہمدان فرمایا۔ اس کے بعد حضرت سعد محرم ۱۱ھ میں اپنے لشکر کے ساتھ گونے میں اترے۔ خمیوں میں عربی سپاہ کے جمع ہونے کا یہ پہلا موقع تھا اس کے بعد انھوں نے بالنس کے گھر بنائے۔ مگر جیسے ہی ان گھروں میں آگ لگی حضرت عمر نے حکم دیا کہ مکانات کچی اینٹوں سے بنائے جائیں۔ ابو الہیج بن مالک الاسدی نے اس نئے شہر میں سڑکوں اور کلیوں کی حد بندی کی اور اس میں ایک جامع مسجد بنائی۔ اس کے سامنے کے حصے میں سنگ مرمر کے ستونوں والا ایک سائبان بنایا عربوں نے اس مسجد کو شہر کے وسط میں رکھا جہاں سے راستے اور گزرگاہیں نکل آئیں۔ انہی راستوں کے آخر میں سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہ) کا گھر بنایا گیا اور اس کے اندر بیت المال رکھا گیا۔ اب کوہ عراق کا پایہ تخت اور اسلامی ملکوں میں علم اور سیاست اور جنگی امور کا سب سے بڑا مرکز بن گیا۔

پھر حضرت سعد ملک عراق کے اندر گھسے اور دو ماہ تک محاصرہ کرنے کے بعد شہر مدائن پایہ تخت بلاد فارس پر غلبہ پایا۔ عربوں کو یہاں سے بکثرت مال غنیمت ملا۔ جس میں کسریٰ کی بساط بھی شامل ہے۔ ہزدجرد حلوان کی طرف بھاگا اور اپنے ساتھ اپنے اموال بھی لے گیا۔ حضرت سعد کو یہ سب باتیں اس کمال اور مہارت کی بدولت میسر آئیں جو انھیں حد بندی اور جنگی امور کے انصرام میں حاصل تھی۔ اسی کی وجہ سے فتح کی تکمیل عربوں کے لئے ایک آسان مہم بن گئی۔

جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا زمانہ وفات قریب آیا تو انھوں نے شوریٰ کے لئے بن چھ آدمیوں کو مقرر کیا ان میں سے ایک حضرت سعد بھی تھے۔

۱۔ غالباً کسریٰ کی بساط سے وہ عجیب و غریب فرنیس مراد ہے جس کو اہل ایران بہار کے نام سے پکارتے تھے۔ ملاحظہ ہو الفاروق ج ۱ ص ۱۱۹۔

آپ نے اس موقع پر کہا: اگر خلافت سعد کے حصے میں آئے تو بہتر ہے ورنہ میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ انھیں عامل بنائیں۔ کیونکہ میں نے انھیں کسی کوتاہی یا چینت کی وجہ سے معزول نہیں کیا، جب بیعت خلافت حضرت عثمان بن عفان کے ہاتھ پر مکمل ہوئی تو اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے ضمن میں لوگوں کو حضرت سعد کے اخلاص اور ان کی فضیلت کا اچھی طرح علم ہوا۔ حضرت عثمان نے انھیں کوفے کا والی مقرر کر دیا اور عراق کے معاملات میں ان کو آزادانہ اختیارات دیدیے کیونکہ اس کی فتح مکمل کرنے کے بعد اس کے حالات پر ان کی نظر بہت گہری ہو گئی تھی اور وہ وہاں کے نظم و نسق پر بہت زیادہ قابو رکھتے تھے۔

اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور عالم اسلام میں فتنے کی آگ بھڑک اٹھی۔ اس موقع پر حضرت سعد نے ان گروہوں سے جو باہم لڑ جھگڑ رہے تھے علیحدگی اختیار کی اور خانہ نشین ہو گئے اس لئے کہ یہ نزاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے درمیان تھا اور ان کو اندیشہ تھا کہ وہ جس فریق کا بھی ساتھ دیں گے اس کا دوسرا حریف برہم ہوگا۔ اس لئے حضرت سعد نے چاہا کہ ان سب کی دوستی کا پاس رکھیں۔ انھوں نے خلافت کی طرف سے منہ موڑا اور نماز روزے میں یکسوئی کے ساتھ مشغول ہو گئے۔ پھر حضرت عثمان کی شہادت کے بعد جب حضرت سعد بن وقاص کے بیٹے عمر اور ان کے بھتیجے ہاشم بن عقیب نے چاہا کہ حضرت سعد اپنے لئے خلافت کی دعوت دیں تو انھوں نے انکار کیا اور اس مہم سے باز رہے۔ پھر حضرت معاویہ نے خلافت کی طمع کی اور حضرت سعد کو لکھا کہ وہ خون عثمان کا مطالبہ کرنے میں مدد کریں۔ حضرت سعد نے انھیں جواب میں یہ اشعار لکھے:-

مُعَاوِيَةَ دَاوُدَ الَّذِي الْعِيَاءُ وَلَيْسَ لَهَا تَحِيُّبٌ دَوَاءٌ

اے معاویہ تمہاری بیماری تھکا دینوالی ہے اور تم جس مرض کو لے کر آئے ہو اسکی کوئی دوا نہیں (

أَيُّدُ عَوْنِي أَبُو حَسَنِ عَلِيٌّ فَلَمَّا أَرَادَ عَلَيْهِ مَا لَيْتَنَامُ

یہ مجھے ابو الحسن علیؑ نے بلایا تو جو کچھ وہ چاہتے ہیں اسے میں نے ان پر رد نہیں کر دیا)

وَقُلْتُ لَهُ اعْطِنِي سَيْفًا قَصِيْرًا تَمَيِّزُ بِهِ الْعَدَاوَةَ وَالْوَلَاءَ

میں نے ان سے کہا مجھے ایک چھوٹی تلوار دیدو جو عداوت اور دوستی میں تمیز کرتی ہو)

الطَّمَعُ فِي الَّذِي أَعْيَا عَلِيًّا عَلَى مَا قَدْ طَمَعْتَ بِهِ الْعَفَاءَ

کیا تم اس بات کی طمع کرتے ہو جس نے علیؑ کو تھکا دیا۔ تم نے جس بات کی طمع کی ہے ہمیں پر بادی ہے)

لِيَوْمٍ مِّنْهُ خَيْرٌ مِّنْكَ حَيًّا وَصِيَّتَا أَنْتَ لِلْمَرْءِ الْعَدَاءُ

ان کا ایک دن بھی تمہاری زندگی و موت سے بہتر ہے اور تم کو تو اس شخص کے لئے فدا ہو جانا چاہئے)

حضرت سعد کے سوا سب سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انھوں نے

اپنی ذات میں کیسے شریفانہ اخلاق اور کتنے بلند اوصاف جمع

کر رکھے تھے، وہ پاکیزہ اصل، روشن دل، قوی القلب، جری و بہادر، بہت زیادہ

روزہ رکھنے والے اور بہت زیادہ عبادت کرنے والے شخص تھے، وہ جب جنگ

میں حصہ لیتے تھے تو دشمن کے ساتھ شدت اختیار کرتے اور دین اور رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مدافعت کرتے، ان کے یہ پسندیدہ فضائل ان

تمام غزوات میں ظاہر ہوئے ہیں جن میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

زمانے میں حصہ لے چکے تھے۔ اسی طرح یہ اوصاف ان خونریز اور خطرناک معرکوں

میں بھی نمایاں ہوئے جن میں مسلمان گھس چکے ہیں۔ بے شبہ سعد بن ابی وقاص

بہت سے شریفانہ اخلاق و محاسن اوصاف کے جامع تھے۔

ابوالمہمال نے کہا ہے: حضرت عمر بن الخطاب نے عمرو بن معدی کرب سے

حضرت سعد بن ابی وقاص کے حالات پرچھے تو انھوں نے کہا:-

دل کے متواضع ہیں۔ وضع و لباس میں عرب ہیں اور اپنی کچھار کے اندیشہ میں  
 قضیوں میں انصاف کرتے ہیں۔ برابر برابر تقسیم کرتے ہیں سرسویں میں دور تک  
 چلے جاتے ہیں (نڈرہیں جلالت کی پروا نہیں کرتے) ہم پر مہربان ماں کی طرح شفقت  
 کرتے ہیں اور چھوٹی کی طرح ہمارا حق ہمیں پہنچاتے ہیں۔ میری جان کی قسم فارغ  
 قانین کی یہی وہ خصلتیں ہیں جن کی بدولت تاریخ نے مدینہ گزرنے کے باوجود  
 ان کے ذکر کو غیر فانی بنا دیا ہے۔ حضرت سعد اپنی سپاہ پر ماں کی طرح مہربان  
 کرتے تھے یہاں تک کہ ان کے دل مسٹھی میں لے لیتے اور وہ حضرت سعد سے محبت  
 کرنے لگتے۔ جب وہ محبت کرتے تو ان سے خلوص برتتے اور خلوص سے پیش  
 آتے تو ان کے لئے خدا کی طرف سے فتح و نصرت لکھی جاتی۔ وہ چھوٹے اور  
 بڑے اور عربی اور عجمی کے درمیان کوئی فرق نہ کرتے۔ ان کے نزدیک کنگھی کے  
 دندانوں کی طرح سب برابر تھے۔

من تفوق فی القتال و حتی قبہ  
 قال العظیم الاکبر والشرف الالاعظ  
 (جو شخص لڑائی میں فائق ہوتا ہے اور اس میں تمنا ہو جاتا ہے وہ بڑی عنیت اور شرف  
 حاصل کرتا ہے)

پھر اللہ کی مرضی یہ ہوئی کہ یہ پاکیزہ و لطیف کردار ختم ہو جائے۔ بعد  
**وقات** | بن ابی وقاص کی وفات قریب آہنچی اس وقت انھوں نے اپنے  
 ایک اونچی جتے کے بوسیدہ ٹکڑے منگوائے اور کہا:- مجھے ان کے اندر کفنانا۔ میں نے  
 انھی کو پہن کر جنگ بدر میں مشرکین سے مقابلہ کیا تھا اور میں انھیں اسی غرض سے چھپاتا  
 تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کی وفات ۵۵ھ میں ہوئی اس وقت ان کی  
 عمر (۷۲) سال تھی۔

## حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ

### وفات ۲۷ھ

بقارئین کو ایک ایسے بزرگ کی سیرت سے آگاہ کیا جاتا ہے جو غزویں اور مسلمانوں کے نہایت مشہور بہادریوں اور اسلامی فتوحات کے عظیم ترین قائدین میں سے ہیں اور جنہوں نے اللہ کی راہ اور اس کے دین کی نصرت کے لئے جہاد کرنا شروع کیا تو جب تک اپنے پروردگار کے حضور میں نہ پہنچ گئے تمام عمر جہاد کرتے رہے۔ یہ بزرگ تھے حضرت سید اللہ خالد بن الولید۔

**نسب اور خاندان وغیرہ** حضرت خالد جاہلیت اور اسلام کے اشرف و شرفین میں سے تھے ان کے والد ولید بن المغیرہ بن عبید اللہ

بن عمر بن شریم تھے اور ماں کا نام لبابۃ الصغریٰ بنت الحارث، ابن حزیان ابوالالیہ ہے جو حضرت میمونہ بنت الحارث زوجہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہن تھیں ان کی ماں کی دوسری بہن لبابۃ الکبریٰ حضرت عباس بن عبدالمطلب کی بیوی تھیں اس طرح حضرت خالد عمر ب کے شریف ترین خاندانوں سے تھے، انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ان کے چچا حضرت عباس سے خاندانی نسبت تھی اور بنی مخزوم اور بنی ہلال سے بھی۔

حضرت خالد نے مکے میں اشرف کے لڑکوں کی طرح نشوونما پایا۔

حجاز کی تجارتی و ادبی تحریکوں کا مرکز تھا جہاں عرب ہر طرف اور ہر گوشے سے حج کے دنوں میں جمع ہوا کرتے تھے۔ اس طریقے سے وہ اجتماعی آداب ایک دوسرے کو منتقل کرتے۔ حماسی (رزمیہ اور جوشیلے) اشعار سناتے اور اپنی نسبی و اصلی عظمت اور خاندانی شرافت کے حالات بیان کرتے اس قسم کے یہ تمام مظاہر ان کے لڑکوں اور بچوں میں عجیب و نادر طبعی خصوصیات اور شرفیاء حصائل پیدا کرتے اور ان کو بڑے بڑے کارنامے انجام دینے اور اعلیٰ مقام کی طرف بڑھنے پر اکساتے رہتے۔

عرض حضرت خالد نے قریش کے ترقی یافتہ اور اونچے گھرانوں کے نوجوانوں کی طرح تربیت پائی، انھوں نے شہسوار کی سیکھی اور شجاعت و دلوری میں شہرت پائی۔ ان کی قوم نے ان کی ہرگزاری اور ذاتی اوصاف و کمالات کی قدر کی انھوں نے قبیلہ کی نگرانی ان کے سپرد کی۔ یہ لوگ اس نام کا ایک خیمہ لگا کر اس میں لشکر کی تیاری کا سامان جمع کیا کرتے تھے اسی طرح قریش نے اپنے گھوڑوں کی دیکھ بھال اور سواروں کی قیادت کا فرض بھی حضرت خالد کے سپرد کر رکھا تھا۔ اس طرح یہ لڑائیوں میں قریش کے سواروں کے سردار رہا کرتے تھے۔

جب اسلام ظاہر ہوا اور قریش کے جوان اور بوڑھے اسلام کے ہنایت سخت دشمن بن گئے اس زمانے میں خالد ان لوگوں میں شامل تھے جو اس دین سے علائقہ عداوت رکھتے تھے۔ جب غزوہ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو تاکید فرمائی کہ جب تک لڑائی ختم ہونے کا اعلان نہ ہو جائے اپنی اپنی جگہ ثابت قدم رہیں اور مقررہ مقامات سے نہ ہٹیں اور مسلمانوں نے بارگاہ رسالت کی اس ہدایت کے خلاف کیا تو خالد نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور وہ پہاڑ کے تیراندازوں سے خالی ہونے کے منتظر رہے جیسے ہی موقع آیا انھوں نے

مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کر دیا اور ان کی پیٹھ پر نیزوں سے وار کرنے لگے۔ اس طرح مسلمانوں کی جیت شکست سے بدل گئی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس آئے اور مسلمانوں نے اس موقع سے نہایت مفید سبق حاصل کیا جو ان کی آئندہ زندگی میں بہت دور رس اثرات کا حامل رہا۔ ہنوز حضرت خالد اسلام کی عداوت میں اسی طرح سرگرم تھے کہ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے چھٹے سال عمرہ ادا کرنے کے لئے روانہ ہوئے جس سے مراد غیر موسم حج میں کعبہ مکرمہ کی زیارت کرنا ہے۔ اس وقت قریش کے لوگ آپ کو مکے میں داخل ہونے سے روکنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ اس موقع پر سواران مشرکین کے سردار خالد ہی تھے۔ اس وقت قریش اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو معاہدہ ہوا اس کا خلاصہ یہ تھا کہ اس سال آپ بغیر عمرہ کئے واپس ہو جائیں اور آئندہ سال اپنے صحابہ کے ساتھ آکر مکے میں داخل ہوں۔ قریش اس موقع پر مکے سے نکل جائیں گے آپ صحابہ کے ہمراہ مکے میں تین دن مقیم رہیں گے اور اس زمانے میں ان کے ساتھ میانوں میں رکھی ہوئی تلواروں کے سوا اور کوئی ہتھیار نہ ہوگا۔

**حقائق احسان کا** یہ معاہدہ درحقیقت مسلمانوں کی کامیابی تھی۔ قریش نے محسوس کر لیا تھا کہ اسلام لامحالہ غالب ہو کر رہے گا۔ ادھر مسلمان اس وعدے پر یقین کئے ہوئے تھے جو اللہ تعالیٰ نے ان سے فتح مکہ کی نسبت کیا تھا۔ خالد نے جان لیا کہ مسلمانوں کو بار بار فتح ہو رہی ہے اسلام تمام عربی شہروں میں اہمیت حاصل کرتا جا رہا ہے، قریش کے سردار قتل کئے جا چکے ہیں اور ان کے ذمی شعور لوگ مر چکے ہیں اور یہ سمجھ لیا تھا کہ عنقریب اسلام کو نتیجے میں فتح ہوگی اور مکے کا سقوط بہت قریب ہے۔



## حضرت خالد کا اعلان اسلام

ان وجوہ سے حضرت خالد نے عجلت کی اور وقت کے گزرنے

سے پہلے اسپتال لیا۔ انھوں نے اسلام میں داخل ہونے کی نیت کر لی اور قریش میں

کھڑے ہو کر کہنے لگے:- یہ بات ہر صاحب عقل پر روشن ہو گئی ہے کہ محمد جاوید اور

شاعر نہیں ہیں۔ ان کا کلام رب العالمین کے کلام میں سے ہے اس لئے ہر سمجھدار

شخص کافر صحت ہے کہ وہ ان کا اتباع کرے۔ عکرمہ بن ابی جہل نے یہ بات سنی تو

سٹ پٹا گیا اور بولا:- بے شہہ تم بے دین ہو گئے ہو اسے خالد۔ حضرت خالد نے

کہا:- میں بے دین نہیں ہوں بلکہ اسلام لے آیا ہوں۔ عکرمہ نے کہا:- اگر قریش

کے لئے زیادہ حق بات یہی تھی کہ وہ ایسی باتیں نہ کہیں تو بے شہہ تمہارے لئے

بھی یہی بات ٹھیک تھی۔ حضرت خالد نے کہا کیوں؟ عکرمہ نے جواب دیا اس لئے

کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جس وقت تمہارے باپ کو زخمی کیا تو ان کی عزت پر

میٹہ لگا دیا، تمہارے چچا اور چچے بھائی کو بدر میں قتل کیا جسدا میں تو مسلمان

ہوں گا نہ اسے خالد تمہاری ایسی بات کہوں گا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ قریش اس سے

لڑنے کا ارادہ کر رہے ہیں؟ حضرت خالد نے جواب دیا:- یہ تو جاہلیت کا معاملہ اور

اسی قسم کی حیثیت ہے۔ لیکن جب حق محمد پر واضح ہو گیا تو خدا کی قسم میں مسلمان ہو گیا۔

اس کے بعد حضرت خالد نے بنی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گھوڑے بھینچے اور اپنے

مسلمان ہونے کا اقرار بھی ان تک پہنچا دیا۔

حضرت خالد اور حضرت اُدھر حضرت عمرو بن العاص مدینہ منورہ کے قصر سے ملے

حضرت خالد اور حضرت عمرو بن العاص کی ملاقات سے آ رہے تھے راستے میں حضرت خالد سے ملاقات ہوئی

انھوں نے خالد سے پوچھا:- اے ابوسلیمان کدھر؟ حضرت خالد نے کہا:- یقیناً

یہ مذہب ثابت قدم رہا، اور یہ شخص واقعی بنی ہے۔ بخدا میں تو مسلمان ہونے جا رہا

ہوں اور تمہارا کب تک ارادہ ہے؟ حضرت عمرو بن العاص نے جواب دیا:- خدا کی

قسم میں خود اسی لئے آ رہا ہوں کہ اسلام لائوں۔ پھر یہ شرطوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ پہلے حضرت خالد بن ولیدؓ کی اسلام لائے اور بیعت کی پھر حضرت عمرو بن العاصؓ حضور کے قریب گئے، مسلمان ہوئے اور بیعت سے مشرف ہوئے۔ حضرت خالدؓ کی رومی مہم حضرت خالدؓ جس طرح اسلام لائے سے پہلے نامور مشرکین میں سے تھے اسی طرح مسلمان ہونے کے بعد اسلام کے مشاہیر میں شامل ہوئے اور اس دولت سے نالغال ہونے کے بعد انہیں ہمیشہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتماد حاصل رہا۔ اسی اعتماد کے باعث آپ گھوڑوں کی باگ ڈور حضرت خالدؓ کے سپرد فرما دیتے تھے اور اسی لئے عربوں اور رومیوں کی جنگ میں حضرت خالدؓ ہی سب سواروں کے آگے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسانوں کے پاس جو حدود و مقام ہیں رہنے والے عرب تھے اسلام کی دعوت دینے کے لئے ایک قاصد روانہ فرمایا لکھا جسے انھوں نے قتل کر ڈالا۔ پھر آپ نے ہجرت کے اٹھویں سال میں ہزار جنگجو لائے ان کا ایک لشکر اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ کی قیادت میں غسانوں کی جانب بھیجا۔ یہیں شہنشاہ روم کی فوجوں نے مقام موتہ پر اس لشکر سے مقابلہ کیا۔ اس معرکہ میں حضرت زید نے شجاعت کے خوب جوہر دکھائے یہاں تک کہ اللہ راہ میں شہید ہو گئے۔ ان کے بعد اس لشکر کی سرداری حضرت عبداللہ بن ابی رواحہ کے سپرد ہوئی۔ انہیں بھی شہادت نصیب ہوئی۔ اس کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب ان کے جانشین بنے۔ یہ بھی ان سے جا ملے۔ اب حضرت خالد بن الولید نے حضرت زید اپنے ہاتھ میں لیا اور جہاد میں شجاعت کی داد دی۔ وہ خود کہتے ہیں: اس روز میرے ہاتھ میں سات تلواریں ٹوٹیں۔ ان میں سے صرف چوڑی پھانی تلوار ثابت رہی۔

سیدنا اللہ کا خط اس لڑائی میں جو قائدین شہید ہوئے ان کی شہادت کی خبر

بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے ملی۔ آپ منبر پر چڑھے اور مسلمانوں کو خطبہ  
 دیتے ہوئے حضرت زبیر اور ان کے جانشینوں کی شہادت سے آگاہ کیا اور فرمایا: اس  
 کے بعد جھنڈا اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار خالد بن الولید نے لیا اور اللہ نے  
 اسے فتح عطا کی۔ اسی بنا پر حضرت خالد «سیف اللہ» کے نام سے موسوم ہوئے۔  
 مکے پر چڑھائی میں حیب اہل مکہ نے اس معابدہ صلح کو توڑ دیا جو ستھ میں ان  
 حضرت خالد کا حصہ کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ہوا تھا اور  
 مسلمانوں کے ایک حلیف قبیلے کو لوٹ لیا تو اس قبیلے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 کی پناہ لی۔ اس لئے مسلمان ہجرت کے آٹھویں سال دس ہزار سپاہ کے ہمراہ  
 مکے روانہ ہوئے اس مہم میں حضرت خالد مسلمانوں کے دائیں بازو کی کمان  
 کر رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا تھا کہ مکے میں  
 اس کے پچھلے علاقے سے داخل ہوں، اس موقع پر حضرت خالد نے خوب  
 بہادری دکھائی۔ یہاں تک کہ ان کے لشکر میں سے صرف دو آدمی شہید ہوئے۔  
 سیف اللہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ حضرت خالد سے کام  
 مختلف مہمیں لیا کرتے تھے۔ آپ نے انھیں بنی جذیمہ کے پاس  
 روانہ فرمایا جو بنی عامر بن لوی کے قبیلے سے تھے۔ اسی طرح غزوہ حنین  
 ۸ھ میں حضرت خالد مقدمہ الجیش کے سردار تھے۔ یہ اس غزوہ میں  
 زخمی ہوئے تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عیادت فرمائی اور ان  
 کے زخم پر پھونک ماری تو وہ اچھا ہو گیا۔ اسی طرح حصور نے انھیں اُکیدر میں  
 عبد الملک والی دو مئہ الجندل کی جانب بھیجا۔ انھوں نے اسے قید کر لیا اور  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر کیا۔ آپ نے جزیہ ادا کرنے کی شرط  
 پر اس شخص سے مصالحت فرمائی۔ پھر انھیں ہجرت کے دسویں سال بنی الحارث

بن کعب کے یہاں بھیجا یہ سب حضرت خصال اللہ کے یہاں لکھنے پر منظر اللہ سے ہو گئے۔

بارگاہ رسالت اس طرح خصال اللہ کا اسلام بہت سے اچھلے پھلے انہوں نے خصال اللہ

سے مضبوط تعلق کی راہ میں جہاد کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے ساتھ اپنا تعلق نہایت مضبوط رکھا۔ اس باب میں یہ لایا گیا کہ ہاں لکھا ہے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عمر میں اپنے بالوں کو منڈوا کر لوگ آج

کے بال پتے کرنے کے لیے حقیقت کر کے۔ حضرت خصال اللہ نے بھی پیشانی کے بال

حاصل کرنے میں حقیقت کی راہ اور انہیں محفوظ رکھنے کے لیے ایک ٹوپی اپنے لیے

کر لی جس میں حضرت کی پیشانی کے یہ بال آگے کی حیثیت حفاظت کے ساتھ

چھلے سے۔ یہ اس لیے لکھا ہے جو ان بالوں سے برکت حاصل کرتے تھے۔ وہ

جس معرکے میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حصول برکت کے لئے

اور فتح و نصرت کے نیک شگون کے طور پر اس ٹوپی کو ضرور پہنتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحلت فرماتے کے بعد

فتنہ ارتداد

جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور مرتدین سے

لڑائی جھگڑے ہوتے لگے جن کی وجہ سے عربی اتحاد کے پارہ پارہ ہونے کا اندیشہ

پیدا ہو گیا عربوں میں پھوٹ پڑ گئی اور دین کی عمارت میں جھٹیش کے آثار نظر

آنے لگے۔ اس موقع پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرب کے جن سادات و اشراف اور مہاجرا

عقل و دانش سے مدد لی حضرت خالد بن الولید ان میں سب سے پیش پیش تھے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انہیں کو مسیلہ الکذاب سے لڑنے کے لئے

یمامہ کی سمت روانہ کیا حضرت خالد نے لڑائی کے موقع پر مسیلہ کو مقابلے کیلئے

لکھارا تاکہ اس فتنے کی جڑ کاٹ جائے اور اس کی آگ فرو ہو سکے۔ لیکن مسیلہ

حضرت خالد کے سامنے ٹھہر نہ سکا اور پیٹھ دکھا کر بھاگا۔ مسلمانوں نے اس کے

ساتھیوں پر حملہ کر کے انھیں شکست دی۔ اس طرح حضرت ابو بکر نے طلحہ بن خویلد سے لڑنے کے لئے بھی حضرت خالد بن ولید کی کو بھیجا اور طلحہ وہی شخص ہے جس نے بنو تہامہ کا دعویٰ کیا تھا۔ اسے بھی حضرت خالد نے شکست دی اور جب اس سے لڑ کر قانع ہوئے تو مالک بن نویرہ کی طرف روانہ ہوئے اور اسے بھی ہزیمت دے کر قتل کیا۔

مالک بن نویرہ کو حضرت خالد نے قتل کیا تو لوگوں نے ان سے اختلاف کیا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بھی ان کے اس کام کو ناپسند کیا یہاں تک کہ جو امور شام میں مسلمانوں کے لشکر سے حضرت خالد کے معزول کئے جانے کا باعث ہوئے، ان میں یہ واقعہ اہم اسباب میں شمار کیا جاتا ہے۔

۱۵۔ مالک بن نویرہ بھی انھیں لوگوں میں شامل تھا جنہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا۔ حضرت خالد کی فوج پہنچیں تو یہ لوگ مقابلے کی تاب نہ لائے اور مالک کے حکم سے منتشر ہو گئے۔ پھر حضرت خالد کے فوجی دستوں نے انھیں گرفتار کر کے پیش کیا اور یہ سب حضرت خالد کے حکم سے قتل کر دیے گئے۔ ان میں مالک بھی شامل تھا۔ یہ اختلاف یہ تھی کہ حضرت خالد کی فوج کے بعض لوگوں نے دیکھا کہ ان لوگوں نے جیب مسلمانوں کی اذان ہی تو انہوں نے بھی اذان دی (گویا اس طرح اپنے مسلمان ہونے کا اقرار کیا) اس لئے مسلمان ان کا خون گونے سے باز رہے اور انہوں نے کہا اب ان لوگوں کا قتل جائز نہیں۔ ان حضرات میں جو اس خیال حامی تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ابو قتادہ بھی شامل تھے۔ ابو قتادہ نے جیب دیکھا کہ حضرت خالد نے مالک بن نویرہ کی بیوی سے زادی گولی تو انھیں یہ بات اور زیادہ گھلی۔ وہ لشکر سے علیحدہ ہو گئے اور حضرت ابو بکر سے اپنے اختلاف کا حال بیان کر کے خالد کی شکایت کی۔ مگر آپ نے ابو قتادہ کے اس استدراج کو غلط قرار دیکر ان کو سختی کے ساتھ حضرت خالد ہی کے پاس واپس کر دیا۔ حضرت ابو بکر کا یہ عمل جنگی سیاست کے نقطہ نظر سے بہت درست اور سوزوں تھا۔ اس کے بعد جیب حضرت خالد حضرت ابو بکر کے پاس ہوئے تو مالک کے معاملے میں اپنی فرد گواہی کی معافی چاہی۔ (ادارہ)

ابھی حضرت ابو بکر مرتدین کی لڑائیوں سے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ آپ نے ملکوں کی فتوحات اور اسلام کی اشاعت کے لئے اسلامی فوجیں روانہ کر دیں چنانچہ ایک لشکر حضرت خالد بن الولید کی قیادت میں عراق کے اطراف میں بھیجا۔ ان کے ساتھ مثنیٰ بن حارثہ الشیبانی بھی تھے۔ اس کے نتیجے میں ان عربی قبائل نے جو دریائے فرات کے جنوبی علاقوں میں رہتے تھے اطاعت قبول کر لی۔ حضرت خالد اہل فارس پر غالب آئے اور حیرہ اور انبار پر فتح پائی۔ اب انھیں فتح پر فتح ہو رہی تھی کہ اتنے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خط اس مضمون کا پہنچا کہ "کو توج کرتے رہو یہاں تک کہ یرموک میں مسلمانوں کے لشکر سے جا ملو۔ کیونکہ یہ لوگ فکر مند ہو گئے ہیں اور غم میں مبتلا کر دیئے گئے ہیں۔" اے ابو سلیمان، اللہ تمہارے اقدام اور نیت کو مبارک رکھے۔ تم اس کام کو پورا کرو۔ اللہ تمہارے لئے اسے پورا کرے۔ تمہارے دل میں خود پسندی نہ آنے پائے، ورنہ حما سے میں رہو گے اور رسوا ہو گے۔ اور خبردار کسی عمل پر فخر نہ کرنا کیونکہ بے شبہ احسان جانا اللہ ہی کے لئے زیبا ہے اور وہی ثواب و جزا کا مالک ہے جس زمانے میں مسلمانوں کو عراق میں لے در لے فتوحات ہو رہی تھیں، شام سے خبریں آئیں کہ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح میں رومیوں کی مدافعت کی قوت نہیں رہی اس لئے حضرت ابو بکر نے حضرت خالد کی مدد حاصل کی اور انھیں شام کے اسلامی عساکر کی کمک کے لئے روانہ کر دیا۔ حضرت خالد عراق میں مثنیٰ بن حارثہ کو مسلمانوں کے لشکر کا سردار بنا کر دلاور بہادروں کے ایک بڑے لشکر کے ساتھ چل کھڑے ہوئے اور کوچ کرتے ہوئے بصری پہنچے۔ اس وقت حضرت عبیدہ نے شمر حبیل بن حسنة کو بصری بھیجا تھا اور انھوں نے اپنے امداد رومیوں کو شکست دینے کی قوت نہ پائی۔ اس موقع پر صرف حضرت خالد ہی کی آمد سے

مسلمانوں کو نجات دہی جنھوں نے اس شہر پر اس کے والی درومانوس کی اعانت سے قبضہ کیا۔ یہ شخص مسلمان ہو گیا تھا اور اس نے مسلمانوں کو قلعے کی سرنگ کے ذریعے شہر میں داخل ہونے کا راستہ بتا کر شہر مسلمانوں کے سپرد کر دیا۔

مگر حضرت خالد بن ولیدؓ کے موقع پر شام کی طرف بالوں نا خواستہ روانہ ہوئے تھے اور ان کے دل میں یہ خیال جم گیا تھا کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب نے حضرت ابو بکرؓ پر زور ڈال کر انھیں عراق سے دور کرایا ہے تاکہ اس ملک کی فتح ان کے ہاتھوں میں نہ ہو۔ جس وقت حضرت ابو بکرؓ کا مذکورہ بالا مکتوب انھیں ملا تو انھوں نے کہا: یہ ابراہیم بن امیہؓ تھا اس سے ان کی مراد عمرؓ بن الخطاب رضی اللہ عنہ تھے۔

کام ہے۔ انھوں نے مجھ پر حسد کیا کہ عراق میرے ہاتھوں فتح نہ ہو جائے۔

اب حضرت خالدؓ نے معرکہ یرموک میں حصہ لیا جس میں مسلمانوں کے چار لاکھ لشکر تھے یہ لشکر رومی فوجوں سے لڑنے کے لئے چالیس ہزار مجاہدین سے ترتیب دیا گیا تھا۔ رومیوں کی فوجوں کی تعداد ایک لاکھ چالیس ہزار سپاہیوں سے زیادہ تھی۔ اس وقت حضرت خالدؓ نے دیکھا کہ مسلمان رومیوں سے اپنی جانتوں کا پہلا راز لے چکے ہیں۔ لڑنے سے پہلے انھوں نے لشکر کو اس طرح مرتب کیا کہ ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو قلب میں رکھا۔ عمرؓ بن العاص کو وایاں بازو اور یزید بن ابی سفیان کو بالائیں بازو سپرد کیا۔ ان کے بعد جنگ نہایت شدت سے ہونے لگی۔ اس معرکہ میں حضرت خالدؓ نے اپنے متعلق حضرت ابو بکرؓ رضی اللہ عنہ کی اس امر کو ملحوظ رہنے سے دیا جو انھوں نے ان الفاظ میں ظاہر کیا: "خفی" اور خدا کی قسم میں خالد بن ولیدؓ کے ہاتھوں رومیوں سے ان کے شیطانوں کو سوت سے کھجواؤں لگایا۔

جوز دونوں عرب یرموک میں رومیوں سے لڑنے میں مصروف تھے انھیں حضرت ابو بکرؓ رضی اللہ عنہ کی روایات اور حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی اطلاع

میں حضرت عمر حضرت خالد کے اس موقف کا ذکر کرتے رہتے تھے جو انھیں نے مالک بن نویرہ کے قتل کے سلسلے میں اختیار کیا تھا اس لئے حضرت عمر نے حضرت خالد کو قیادت سے معزول کر دیا اور ان کو جگہ حضرت ابو عبیدہ کو منقرہ کر دیا، حضرت ابو عبیدہ کو اس بات سے شرم محسوس ہونے لگا اس وقت حضرت خالد ظلیفہ المسلمین کا یہ خط پڑھیں یہاں تک کہ دمشق فتح ہو گیا صلح حضرت خالد ہی کے ہاتھوں عمل میں آئی اور صلح نامہ انھیں کے نام سے لکھا گیا۔ لیکن حضرت خالد ایسے شخص نہ تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ سے سہر گشتی گرتے یا ان کے حکم سے روگرداں ہوتے۔ وہ مسلمانوں کے اتحاد پر جرحیں تھے اور وہ چاہتے تھے کہ مسلمان اللہ کی رضا جوئی اور دین کی نصرت کے لئے جہاد میں مستعد رہیں۔ انھوں نے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خط پڑھا تو کہا میں وہ شخص نہیں ہوں کہ امیر المؤمنین کے حکم کی نافرمانی کروں، اس کے بعد بھی وہ حضرت ابو عبیدہ کی قیادت میں اسلام کے ایک سپاہی کی حیثیت سے لڑتے رہے۔

مگر حضرت خالد کو قیادت سے معزول کرنے میں بعض مسلمانوں کی رائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے مختلف تھی۔ چنانچہ ابو عمرو بن حفص بن المغیرہ نے حضرت عمر سے کہا "آپ نے اس عامل کو معزول کر دیا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا تھا۔ اس جھنڈے کو گرا دیا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند فرمایا تھا" حضرت عمر نے اس کے جواب میں کہا: تم قرابت میں قریب ہو۔ کسٹن ہو اور اپنے ابن عم پر غضبناک ہو۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت عمر نے حضرت خالد کو اس لئے معزول کیا تھا کہ انھیں اندیشہ تھا کہ لوگ ان کی وجہ سے فتنے میں نہ پڑ جائیں حضرت عمر



نے عزم کر لیا تھا کہ حب خالد حج سے واپس آئیں تو انھیں والی بنادین، اگر حضرت خالد کو ۲۱ھ میں موت نہ آسکتی تو وہ ایسا ہی کرتے حضرت خالد کی وفات کے متعلق ایک روایت ہے کہ ان کا انتقال حمص میں ہوا اور ایک روایت میں ان کا مقام وفات مدینہ منورہ بیان کیا گیا ہے ۱۵

جب حضرت خالد کی وفات کا وقت آیا تو انھوں نے کہا، میں نے جہاں جہاں گمان ہو سکتا تھا شہادت طلب کی مگر میرے لئے اس کے سوا مقدمے میں کچھ نہ تھا کہ اپنے بستر پر مروں کا اللہ اکبر کہنے (یعنی مسلمان ہونے) کے بعد اس رات کے ہوتے ہوئے جو میں نے ڈھال لگائے ہوئے اس حال میں گزاری کہ آسمان صبح تک پانی برساتا رہا یہاں تک کہ کفار کا نقشہ بدل گیا۔ مجھے کسی اور عمل کی تمنا نہیں۔

پھر کہا۔ "جب میں مرجاؤں تو میرے اسلحہ اور گھوڑے کا خیال رکھنا اور اسے اللہ کی راہ میں تیاری کے لئے دے دینا۔"

ان کا حجازہ نکلا تو امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب اس کے ساتھ چلے گئے۔ ایک ایک حضرت خالد کی والدہ کو ان کا لوحہ کرتے اور یہ کہتے ہوئے سنا

۱۵ فتنے سے مراد یہ ہے کہ اس زمانے کے مسلمان عام طور سے اور مجاہدین خاص طور

سے کہیں یہ نہ سمجھ سکتے تھے کہ یہ فتوحات جو ہو رہی ہیں یہ سب حضرت خالد ہی کی وجہ سے ہیں فتح صرف اللہ کی طرف سے اور حق کی وجہ سے ہوتی ہے۔

خالد بن الولید کی معزولی کے اسباب میں ایک جہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ اخراجات کے حسابات

باقاعدہ دربار خلافت میں نہیں سمجھتے تھے دیوہ معزولی کے لئے دیکھے الفاروق علیہ السلام ۱۵۹۔

أَنْتَ خَيْرٌ مِنْ أَلْفٍ مِنَ الْقَوِّ  
مِ إِذَا مَا كَفْتِ وَجُوهَ الرِّجَالِ

(جس وقت بڑے بڑے مرد گوشے میں جا بیٹھتے تھے تم اس وقت قوم کے  
ایک لاکھ آدمیوں سے بہتر ہوتے تھے)  
یہ سن کر حضرت عمرؓ نے کہا:-

تم نے سچ کہا بخدا، وہ بے شبہ ایسے ہی تھے۔ ولید کے گھرانے کی  
عورتوں کو چاہئے کہ "خالد پر اس وقت تک آنسو بہاتی رہیں جب تک ہاڑی  
مار مار کر رونا نہ آئے۔"

# حضرت عمرو بن العاص

(وفات ۳۳ھ)

اب حضرت عمرو بن العاص کا ذکر لگایا جاتا ہے جو عربوں اور مسلمانوں کے  
ہنایت مشہور بہادروں اور اسلامی فتوحات کے عظیم المرتبت قائدوں میں  
سے تھے۔

عمرو بن العاص بنی سہم میں سے تھے جو قریش کے اصحاب حکومت شمار ہوتے  
تھے۔ یہ مکہ جیسے مقام میں شرقا کی اولاد کے ساتھ پروان چڑھے اور مکہ جیسا کہ آپ  
جاتے ہیں حجاز کی تجارتی وادنی تحریکات کا مرکز تھا جہاں ہر سمت سے عرب آکر جمع  
ہوتے ایک دوسرے سے اجتماعی اطوار و آداب کا تبادلہ کرتے، باہم رزمیہ اشعار  
ساتے اس قسم کے مظاہرں سے ان کے بچوں اور لڑکوں میں عجیب طبعی خصوصیات  
شرفیہ نہ خصل اور ذہنی بیداری کے اوصاف خوب بچ جاتے تھے۔

اگرچہ قریش کے اندر لکھنے پڑھنے کا مستقل رواج نہ تھا اس کے باوجود عمرو  
بن العاص نے ایک پڑھے لکھے شخص کی حیثیت سے نشوونما پایا۔ انھوں نے جب  
سے ہوش سنبھالا تجارت کا بے حد شوق تھا۔ تجارت کی بدولت ان کا تعلق  
و دالشمندی میں بڑا اضافہ ہوا۔

عمرو بن العاص ان عربوں میں سے تھے جنکی نگاہوں نے بت پرستی کا عروج

وزوال دیکھا تھا۔ قریش میں یہ بھی اسلام دشمنی میں بہت سخت تھے۔ قریش نے اپنا جو دند ناجاشی کے یہاں اس عرض سے بھجوا تھا کہ مکے سے قریش کے جو لوگ ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے ہیں انھیں واپس لے آئے اس وفد کے ایک رکن یہ بھی تھے لیکن اس کے بعد یہ مسلمان ہو گئے اور ان کا اسلام بہت اچھا رہا ان میں اپنے نئے دین کے ساتھ بڑا غلوں پیدا ہو گیا تھا۔ عمرو بن العاص کا ایمان بڑا قوی ایمان تھا۔

جب عمرو بن العاص اسلام لائے تو مسلمانوں کو بڑا رشک ہوا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ اسلام لائے اور عمرو بن العاص کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی شجاعت اور زبردگی سے بھی بہت خوش تھے آپ نے انھیں سرپرستوں کی قیادت سپرد فرمائی جس کے ارکان میں حضرت ابوبکر الصدیق حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت ابو عبیدہ الجراح جیسے بڑے بڑے چیدہ مسلمان شامل تھے اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہذیل کا سولہ نامی بت منہدم کرنے کے لئے جو سر یہ روانہ فرمایا تھا اس کی قیادت بھی انھیں کے سپرد فرمائی اس کے علاوہ عمان میں انھیں صدقہ والی مقرر فرمایا جہاں کے لوگ پہلے بخوسی تھے اور اب اسلام لاکر تھے انھوں نے اس مقام پر اسلام کے بہتوں قائم کئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیبا سے پردہ فرمائے تک یہ عمان میں صدقات کے حاکم تھے۔

حضرت ابوبکر کی سعیت خلافت کے بعد جب مرتدین کی شدید لڑائیاں اٹھ کھڑی ہوئیں حرت کی بدولت مسلمانوں کی وحدت پارہ پارہ ہونے کو تھی اس وقت حضرت ابوبکر نے حرت سے شوقانے عزیب سے مدد لی ان میں حضرت عمرو بن العاص بھی تھے اسی طرح انھوں نے بنی قضاعہ کو مطیع بنانے انھیں زکوٰۃ

ادا کرنے پر مجبور کرنے اور اسلام کی طرف لوٹانے میں بھی بڑی اہم خدمات انجام دی ہیں۔

ابھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ مرتدین کی لڑائیوں سے پوری طرح فارغ نہ ہوئے تھے کہ انھوں نے عراق اور شام کے شہر فتح کرنے کے لئے لشکر روانہ کر دینے اس موقع پر جو لشکر فتح فلسطین کے لئے بھیجا گیا اس کا قائد حضرت عمرو بن العاص کو بنایا۔ ان مہموں میں عمرو بن العاص جتنے معرکوں میں شریک ہوئے ان سب میں انھیں رومیوں کے مقابلے میں پلے درپلے فتح حاصل ہوتی رہی۔

شام و فلسطین کی لڑائیوں میں حضرت عمرو بن العاص کی ان نمایاں فتوحات نے خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن الخطاب پر واضح کر دیا تھا کہ ان میں کس قدر شجاعت ہے اور احتیاط و تدبیر کی کتنی صفات پائی جاتی ہیں اس لئے حضرت عمر نے فتح مصر کی مہم خطرناک مشکلات کے باوجود عمرو بن العاص کے سپرد فرمائی، یہ ان گنے چنے لوگوں میں سے تھے جو رومیوں کے زیر اقتدار قوموں کی نفسیات کو سمجھ سکتے تھے۔

اس میں کوئی تعجب کا مقام نہیں اس لئے کہ انھوں نے مصر کی فتح کو شام و فلسطین کے ملکوں میں قدم جانے کا وسیلہ سمجھ لیا تھا، ان وجوہ سے مصر سے بھی رومیوں کا تسلط ختم کرنا اسی طرح ضروری تھا جس طرح شام و فلسطین سے ختم کیا جا چکا تھا، اس کے علاوہ مصر کی دولت نے بھی عربوں کو اس کی فتح پر اکسایا۔ عمرو بن العاص زمانہ جاہلیت میں مصر کی سیاحت کے وقت وہاں کے تمول سے واقف ہو چکے تھے اس لئے انھوں نے سوچا کہ اگر یہ ملک فتح ہو گیا تو عرب و اسلام کی مسالحت کے لئے اس سے فائدہ اٹھایا جاسکے اور مصر قبضی قوم رومیوں سے اس لئے نفرت کرتی تھی کہ رومی ان پر محاصل کا

بوجھ لادتے رہتے تھے۔ قبلیوں کے ذہنی عقائد سے اختلاف و انکار کرتے تھے روہیوں نے انھیں شہریت کے حقوق سے بھی محروم کر رکھا تھا۔

جیسے ہی حضرت عمرو بن العاص کی فوجوں نے جو چار ہزار سے زیادہ نہ تھیں صحرا کو عبور کر کے قلعہ بابلین کی طرف کوچ کیا اور دریائے نیل میں طعیانی کے زمانہ میں قلعہ کا محاصرہ کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مدد طلب کی حضرت عمر نے چار ہزار مجاہدین کی کمک روانہ کر دی جن کی قیادت چار مشہور صحابیوں کے تفویض تھی۔ ان کے نام یہ ہیں۔ حضرت زبیر بن العوام، مقداد بن الاسود، عبادہ بن الصامت اور مسلمہ بن مخلد۔

پھر حضرت عمرو بن العاص نے قلعہ بابلین فتح کر لیا اور اسکندریہ کی طرف روانہ ہوئے جو اس زمانہ میں ملک مصر کا دارالسلطنت تھا اور دنیا کے تمام شہروں میں سب سے زیادہ دولت مند خوشحال اور تجارت و ثروت میں سب سے بڑھا ہوا تھا۔ انھوں نے اسکندریہ سے روہیوں کو نکال کر اس ملک سے ان کا تسلط زائل کیا۔ عمرو بن العاص کی دور بین نگاہوں نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ برقعہ کو فتح کر کے مصر کی مغربی حدود کو محفوظ بنانا بہت ضروری ہے۔ وہ اس فتح کو مصر کی قدرتی توسیع خیال کرتے تھے۔ اسی طرح انھوں نے عرب کا اقتدار ملک نوبہ تک وسیع کر دیا تھا تاکہ مصر کی حدود جنوب کی طرف سے محفوظ ہو جائیں اور اس طرح سے ملک کی اصلاح کا کام اطمینان سے انجام دیا جاسکے۔

اب شہر اسکندریہ میں مصر کا پایہ تخت بننے کی ویسی صلاحیت نہ رہی تھی جیسی سکندریہ کے زمانے سے چلی آرہی تھی۔ کیونکہ عرب ایک بحری قوم نہ تھے۔

۱۵ امتداد اطمینان مصر

۱۶ مولف کی اس رائے اتفاق کرنا مشکل ہے اسلئے کہ عرب اپنی جہاں پرانی میں بہت مشہور رہے ہیں۔ ادارہ

اس لئے ایک نیا پایہ تخت خشکی کے قطع پر اختیار کیا گیا تھا اور یہ تھا جہاں سے بلا عرب  
 کے ہنا تھوڑا بط قائم رکھنا آسان ہو۔ اس غرض سے عمرو بن العاص کی نگاہ آحاب  
 فلسطین پر پڑی جو دریائے نیل اور پہاڑ اور کھیتوں سے قریب تھا۔ انہوں نے حصن  
 بابا بلبیون کے شمال میں اسلامی مصر کی سب سے پہلی مسجد تعمیر کی۔ یہی وہ پرانی مسجد ہے  
 جو آج کل جامع عمر کے نام سے مشہور ہے۔ تھوڑے ہی دنوں میں جامع عمر و مصر کی بنیاد  
 و ایجاد عماری شہر کیوں کام کر بن گئی۔ یہ عمارت ایک عام مجلس سے مشابہہ تھی جس میں مسلمان  
 جمع ہو کر تھے اور علماء و تفسیر و حدیث اسے اپنی قیام گاہ کے طور پر استعمال کرتے تھے  
 اسی طرح عمرو بن العاص نے اس خلیج کو پھر سے کھدوایا جو دریائے نیل کو بحر  
 احمر سے ملائی تھی بعد میں یہ خلیج امیر المومنین عمر بن الخطاب سے منسوب ہو کر خلیج  
 امیر المومنین کے نام سے مشہور ہوئی اس کے بعد جب المعز لدین الشدافاطمی کے  
 قائد جوہر الصنطلی کے ہاتھوں جو تھی صدی پھری میں شہر قاہرہ کی بنیاد پڑی تو یہی  
 خلیج خلیج قاہرہ کہلائی۔

عمرو بن العاص نے اپنی توجہ لشکر کی تنظیم پر بھی مبذول کی اس کے لئے ایک  
 وزارت قائم کی جو سپاہ کے معاملات کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ اس وقت سپاہ کی  
 تعداد حصن بابلیون فتح کرنے کے بعد (۶۶۰۰۰) سے زیادہ نہ تھی۔ عمرو  
 کے فرائض ولایت عام تھے وہ حج و قضا و نماز و خراج و سپاہ و پولیس سب کی نگرانی  
 کرتے تھے۔ انہوں نے قضا کا محکمہ رعیت اسلامیہ کے احکام کے موافق  
 منظم کیا تھا۔ ملک مصر کو اضلاع میں تقسیم کیا اور ہر ضلع میں ایک قبطی حاکم  
 عدالت مقرر کیا جو غیر مسلموں کے دینی و شہری تنازعات کی شریعتوں کے مطابق

متصل کیا کرتا تھا۔ لیکن جب کبھی کسی عربی اور قبطی کے درمیان جھگڑا اُبھرتا تو داخلہ  
ایک ایسی مجلس میں حاضر ہوتے جو خلیفین کے قاضیوں سے ترتیب دی جاتی تھی اس  
بات میں کسی تعجب کی ضرورت اس لئے نہیں کہ دینی معاملات میں سہولت پہنچانا اور  
مسلمانوں اور ذمیوں میں سے غیر مسلموں کے درمیان مساوات قائم رکھنا دین  
اسلامی کے اہم بنیادی اصول ہیں۔

قبطیوں کے ساتھ حضرت عمرو بن العاص کا معاملہ ان کے نرم سلوک پر دلالت  
کرتا ہے یہ بات اس لئے بھی ان سے بعید نہیں معلوم ہوتی کہ قبطیوں نے  
انھیں مرد دی تھی اور فتح کی ہم کو ان کے لئے آسان بنا دیا تھا اس لئے عمرو بن العاص  
ان سے محبت کرتے ان کے درمیان عدل قائم رکھتے اور ان کے شہروں کی آباد کاری  
کا خیال رکھتے تھے انھوں نے اپنی پسندیدہ سیاست سے مصریوں کے دلوں میں  
عموماً اور قبطیوں کے دلوں میں خصوصاً گھر بنا لیا تھا۔

حضرت عمرو بن العاص وضاحت میں بہت مشہور تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ  
جب کسی شخص کو بات کرنے میں تاملتے دیکھتے تو کہتے: "اس شخص کا اور عمرو بن العاص  
کا پروردگار ایک ہے"

عمرو بن العاص نے جو خط حضرت عمر کو لکھا تھا اس میں مصر کی تخریب کے ساتھ  
اس سیاست کی بھی تشریح کی تھی جس پر چلنے کا عزم انھوں نے کیا تھا۔ اس  
خط سے عمرو بن العاص کی پالیسی کا اندازہ واضح ہو جاتا ہے۔ خط کے اقتباس کا ترجمہ  
یہ ہے۔

اے امیر المؤمنین آپ کو معلوم ہو کہ مصر کی زمین خاکستری رنگ کی اور اس  
کے درخت ہرے ہیں۔ طوں میں اس کی مساوت ایک ماہ کی ہے اور عرض میں دس  
دن کی۔ اسے ایک نما کی رنگ کا پہاڑ اور خاک آلود ریت اپنے دامن میں لئے ہوئے



ہے اس کے وسط میں دریائے نیل نے اپنی جگہ بنا رکھی ہے جس کے صبح و شام مبارک اور بابرکت ہیں۔ اس میں بیشی و کمی اسی طرح جاری ہے جس طرح سورج اور چاند میں بیشی و کمی ہوتی ہے اس کے مقررہ اوقات ہیں جو اس سے خوشحالی برساتے ہیں اور اس میں مکھیاں بکثرت ہوتی ہیں زمین کے چٹمے اور نالے اسے بڑھاتے اور پھیلانے ہیں۔

اسی طرح وہ اپنی بلیغ اور حکیمانہ باتوں میں بھی بہت مستہزہ ہوئے ان کے اقوال عہد بہ عہد نقل ہوتے چلے آئے ہیں۔ ان میں بعض یہاں درج کئے جاتے ہیں:-  
 ”عقل مند وہ نہیں ہے جو شر سے خیر کو پہچانتا ہے بلکہ وہ ہے جو دو برائیوں میں سے بہتر برائی کو پہچانے۔“

عمر بن العاص کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ دن اکھنوں نے حضرت معاویہ سے کہا:-

شریف جیب بھوکا ہوتا ہے تو حملہ کرتا ہے، کینہ جیب پیٹ بھرا ہوتا ہے تو حملہ کرتا ہے اس لئے شریف کی ضرورت پوری کرو۔ اور کینہ کو دفع کرو۔  
 حضرت معاویہ نے حضرت عمر بن العاص سے کہا:- لوگوں میں سب سے بلیغ کون ہے؟

اکھنوں نے جواب دیا:- جس کی رائے اس کی خواہش رد کرنے والی ہو۔  
 پھر پوچھا:- اور سب سے زیادہ سخی کون ہے؟ کہا:-  
 جو اپنی دنیا کو اپنے دین کی مصلحت میں صرف کرے۔

پوچھا:- اور سب سے بہادر کون ہے؟ کہا:- جو اپنی جہالت کو اپنے ظلم سے دفع کرے۔

عمر بن العاص کے درختان اقوال میں سے بعض یہ ہیں:-

”ایک ہزار شرفا کی موت سے اتنا نقصان نہیں پہنچتا جتنا ایک سفلے کے بڑھ جانے

سے پہنچ جاتا ہے۔

ایک مرتبہ لوگوں نے انھیں ایک خچر پر بیٹھا دیکھا جس کے منہ کے بال بڑھ چکے تھے  
سے کھچڑی ہو گئے تھے کسی نے کہا:-

آپ اس خچر پر سوار ہوتے ہیں حالانکہ آپ مصر کے امیر ہیں؟ — انھوں نے  
جواب دیا:-

میری سواری کا جانور جب تک مجھے سوار کرے اس کے لئے کوئی غم کی بات  
ہیں، مری بیوی جب تک میرے ساتھ اچھی طرح بسر کرے اس کے لئے اور میرا  
دوست جب تک میرے راز کا تحفظ کرے اس کے لئے کسی فکر کی بات نہیں ملال کی  
باتیں تو جو بڑے اخلاق سے ہوتی ہیں۔

ان کا قول ہے "جب میں اپنا راز اپنے دوست پر فاش کر دوں اور وہ اسے  
ظاہر کر دے تو یہ اس کے لئے روا ہے۔ اس پر لوگوں نے کہا:- "یہ کیسے؟ کہا:-  
میں ہی اس راز کے محفوظ رکھنے کا زیادہ حقدار تھا۔"

عروبن العاص عرب کے مشہور سیاست دانوں میں سے تھے واقعہ صفین  
میں جب حضرت علی بن ابی طالب کا لشکر فتح حاصل کرنے ہی والا تھا اس وقت  
عروبن العاص نے جو حیلہ ایجاد کیا جس طرح نیزوں کی اہیوں پر قرآن اٹھوایا حضرت  
علی کی صفوں میں پھوٹ ڈالنے کے لئے جو اثرات پیدا کئے اور اپنی تدبیر سے ابوموسیٰ  
الاشعری پر جس طرح غلبہ پایا یہ سب واقعات عروبن العاص کے مذکورہ بالا وصف  
کی دلیل ہیں، خارجیوں کی اس جماعت کا قیام جو نہ صرف حضرت علی کی حکومت پر راضی  
ہوئے نہ حضرت معاویہ کی حکومت پر، اور شیعوں کے گروہ کا اپنی واضح منتہی میں ظاہر

ہونا، امیر معاویہ کا کامیاب ہونا اور خلافت کا ان کی طرف منتقل ہو جانا۔ بھی صرف  
عمر بن العاص کی سیاست کا نتیجہ تھا۔

حضرت عمرو بن العاص بڑے خوش طبع اور حاضر جواب تھے، ایک دن  
حضرت معاویہ نے ان کی برجستہ گوئی کا امتحان لینا چاہا، اس موقع پر عمرو بن العاص  
نے ان سے کہا:-

آپ کے پاس جو لوگ ہیں انھیں مجلس سے باہر کر دیکھے، معاویہ نے ان  
لوگوں کو رخصت کر دیا۔ عمرو بن العاص نے کہا:-

اے امیر المؤمنین:- میں آپ سے کان میں بات کہوں گا۔ معاویہ نے  
اپنا سر ان کے قریب کر دیا۔ عمرو بن العاص نے کہا:-

اس گھر میں ہمارے پاس ہے کون کہ میں آپ سے کان میں بات کروں؟  
عمرو بن العاص کا انتقال عید الفطر کے دن ۴۳ھ میں ہوا، کتاب الحیوان  
الکبریٰ میں روایت ہے کہ جب عمرو بن العاص کی وفات کا وقت قریب آیا تو  
ان سے ان کے بیٹے نے کہا:- ابا جان آپ ہم سے کہا کرتے تھے:-  
یکاش کہ میں کسی عقلمند اور ہوشیار شخص سے اس کی موت کے وقت ملتا  
تاکہ وہ جو کچھ دیکھتا بیان کرتا۔ ایسے شخص آپ ہیں۔ اس لئے موت کا حال مجھ سے  
کہئے۔ انھوں نے کہا:-

اے بیٹے بخرا الیہ معلوم ہوتا ہے جیسے آسمان نے زمین کو ڈھانپ  
لیا ہے۔ اور جیسے میں ایک سوئی کے ناکے سے سانس لے رہا ہوں گویا ایک کانٹا  
میرے پاؤں سے سرتک کھینچا جا رہا ہے۔

لیتئی کنت قبل ما قد بد الی خادوس الجبال ادرعی الوعول

(کاش جو کچھ میرے لئے ظاہر ہوا ہے اس پہلے میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر پہاڑی بکرے چراتا رہتا)

## حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ

۲۸ تا ۳۶

**نام و نسب اور خاندانی حالات**  
 زبیر بن العوام بن خویلد بن اسد بن عبد العزی بن  
 قصى بن كلاب۔ ان کی والدہ صفیہ بنت عبد المطلب  
 ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھوپھی ہیں

اس طرح یہ ایک طرف تو آپ کی بھوپھی کے بیٹے ہیں دوسری طرف حضرت  
 خدیجہ بنت خویلد زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی کے لڑکے  
 ہیں۔ ان کی والدہ نے ان کی کنیت ابو الطاہر اپنے بھائی زبیر بن عبد المطلب  
 کی کنیت پر رکھی تھی مگر حضرت زبیر کی کنیت ابو عبد اللہ مشہور ہوئی۔

جب اسلام ظاہر ہوا تو حضرت زبیر ان لوگوں کے ہراول میں تھے جنہوں  
 نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاکر ان کی سچائی کا اقرار کیا۔ یہ  
 حضرت ابوبکر کے مسلمان ہونے کے تھوڑے ہی دنوں بعد اسلام لائے۔  
 اس دین میں داخل ہونے والوں میں ان کا نمبر پانچواں تھا۔ ابھی یہ لڑکپن  
 ہی کی منزل میں تھے کہ اللہ نے انہیں ہدایت عطا کی۔ اس ضمن میں  
 یہاں تک کہا گیا ہے کہ جس وقت یہ مسلمان ہوئے ہیں ان کی عمر پندرہ برس

سے زیادہ نہ تھی۔ (نوٹ دوسرے صفحے پر)

جب ان کے والد عوام کا انتقال ہوا اس وقت یہ چھوٹے تھے اور ان کی دیکھ بھال ان کے ماموں نوفل بن خویلدہ کیا کرتے تھے ان کی والدہ حضرت صفیہ ان کی تربیت پر بہت توجہ کرتی تھیں اور انھیں صبح راہ پر رکنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتیں بلکہ جب یہ چھوٹے تھے ان کے ساتھ سختی کرتیں اور مارتیں، اس بات پر ان کے بھائی نوفل نے بہن کو ڈانٹا کہ میں اندیشہ ہوا کہ اس طرح وہ اپنے بیٹے کے دل میں نفرت و عداوت پیدا کر دیں گی۔ حضرت صفیہ نے اس وقت بھائی کو جو جواب دیا اس سے بیٹے کے ساتھ ان کی محبت اور مصلحت اندیشی ٹپک ہی ہے انھوں نے رجز کے طور پر یہ شعر پڑھے۔

من قال انى العضة فقد كاذب وانما اضر به لى يدب

لا جس نے یہ کہا کہ میں اس سے دشمنی کرتی ہوں۔ چھوٹ کہا۔ میں تو اسے اس لئے مارتی ہوں کہ وہ

ہو رشیار ہو جائے

ويهمم الجيش وياتى بالسلب ولا يكن لى له خباء نجيب

ياكل فى البيت من تمر وخب

(اور اس لئے مارتی ہوں کہ (وہ پیادہ بن کر) لشکر کو شکست دے اور مال غنیمت لائے اور ان

مال کو کوئی چھپانے والا چھپانہ سکے اور گھر میں کھجور اور دانہ کھائے)

ان حالات میں اگر حضرت زبیر نے سن سٹور ہی سے قوت، ہیبت اور حق

کو ترجیح دینے اور مظلوم کے ساتھ تھانہ صاف کرنے کی صفات پیدا کر لی تھیں تو کوئی

تعجب کا مقام نہیں۔ یہ جب مسلمان ہوئے تو انھوں نے نئے دین کے آداب سیکھے

اور اس طرح سیکھے کہ

۱۵ ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ سولہ برس کے تھے، بقول بعض بارہ برس اور ایک روایت

کی بنا پر آٹھ سال کے تھے (مؤلف)

اس راہ میں جتنے صدیوں اور تکلیفوں سے واسطہ پڑا ان میں سے کسی کی پروا نہ کی۔ یہاں تک کہ بیان کیا گیا ہے ان کا چچا انھیں چٹائی میں لپیٹ کر باندھ دیتا اور پھر ان پر دھواں کرتا تاکہ یہ اپنے دین سے پھر کر کفر کی طرف پلٹ آئیں۔ لیکن حضرت زبیر نے اس دین کو شرت سے بکڑے رہنے کے سوا کوئی بات نہ مانی جو ان کا نہایت پختہ عقیدہ بن کر دل کی گہرا بوں میں جم چکا تھا۔ انھوں نے مشرکین کے ہاتھوں جو جوازیتیں اٹھانی تھیں اٹھائیں اور مسلمانوں کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔

جب حضرت زبیر مکے واپس آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاجرین کے درمیان بھائی چارہ کرایا تو ان میں اور حضرت عبداللہ بن مسعود

**حضرت عبداللہ بن مسعود سے مواخات**

میں مواخات قائم کی۔ حضرت زبیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ مخلص اور قوی الامان صحابیوں میں سے تھے اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ یشرب کی جانب ہجرت کرنے میں سبقت کرتے ہیں اور ہاجرین میں سے جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتے ہیں یہ بھی ان کے ساتھ اس شرف سے سرفراز ہوتے ہیں۔ اہل یشرب بہت حضور کے نہایت مضبوط اور راسخ العقیدہ انصار بن گئے تھے اس لئے جیسے ہاجرین مدینے میں ٹھکانے سے بیٹھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاجرین اور انصار کے درمیان بھائی چارہ کرا دیا تاکہ جو لوگ اپنا گھر بار اور مال و دولت مکے میں چھوڑ آئے تھے ان کے دل سے ہجرت کا صدمہ کم ہو سکے۔ اس موقع پر آپ نے اور لوگوں کے علاوہ حضرت زبیر بن العوام اور مسلمہ بن سلامہ بن وقش کے درمیان مواخات قائم فرمائی اور یہ مواخات اس درجے پر پہنچی کہ مواخات کرنے والے اس رشتے کو ایک سے دوسرے

تک وراثتہ مستقل کرنے لگے یہاں تک کہ سورۃ الانفال میں اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوا۔  
 وَالَّذِينَ آمَنُوا مِن بَعْدِ وَهَابِ وَرَاحِجٍ وَرَامِصٍ فَانكحهم  
 واولادهم ليعصموا دينهم ولي كتاب الله۔

لوگ جو ہجرت کے بعد ایمان لائے، ہجرت کی اور تمہارے ساتھ جہاد کیا وہ تمہارے  
 ہی شمار میں ہیں اور ان میں سے جو رجمی قرابت والے (یعنی رشتہ دار) ہیں وہ کتاب اللہ  
 میں ایک دوسرے (کی میراث) کے زیادہ حق دار ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر جیسے  
 عظیم المرتبہ صحابی کی شایان شان قدر کی۔ آپ ان کے  
 اسلام کی طرف سبقت کرنے، آپ کی دعوت پر صدق دل

## رسالت پناہ کیلئے جاہنازی کا جذبہ

سے ایمان لانے اور آپ سے محبت کرنے کا حال خوب جانتے تھے۔ اسی طرح جہاد  
 میں بھی ان کی اچھی طرح آزمائش کا حال آپ پر روشن تھا۔ کہتے ہیں سب سے پہلے  
 اللہ کی راہ میں حضرت زبیر نے تلوار کھینچی۔ جب مسلمان مکے میں رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم کے ساتھ حضرت زبیر کو اطلاع ملی کہ کافروں نے حضور کو پکڑ لیا۔ یہ  
 سنتے ہی وہ اپنی تلوار سے لوگوں کی صفیں چیرنے لگے اس وقت حضور مکے کے  
 بالائی حصے میں تھے۔ آپ نے زبیر سے کہا: "اے زبیر تمہیں کیا ہول ہے؟ اٹھو لے  
 کہا: "مجھے یہ خبر دی گئی کہ آپ پکڑ لئے گئے ہیں" اس وقت آپ نے نماز پڑھی اور حضرت  
 زبیر کے لئے اور ان کی تلوار کے لئے دعا فرمائی۔

حضرت زبیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے  
 غزوات میں شرکت

ہیں کہ یہ آپ کی تمام جنگوں میں حاضر رہے ہیں۔ یہ جب جنگ بدر میں لڑ رہے تھے  
 اس وقت زرد عمامہ پہنے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

آج (فرشتے بھی زبیر کی ہیبت میں اترے ہیں۔ جس وقت یہودیوں نے مسلمانوں سے جو عہد کیا تھا توڑ دیا حضور نے حضرت زبیر کو ان کی خبر لانے کے لئے بھیجا یہودیوں میں بنی قریظہ نے یہ حرکت قریش اور ان کے حلیفوں کے آنے کے بعد کی تھی اور ۵۷ھ میں مدینہ پر حملہ کر دیا اور خندق کو عبور کرنے کی کوشش کی۔

اسی طرح حضرت زبیر صلح حدیبیہ میں بھی موجود تھے۔ جن مسلمانوں نے بدر اور حدیبیہ میں شرکت کی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شجاعت اور جنگ میں ان کی آزمائش، اور جہاد میں ان کے اخلاص کو اتنا پسند فرمایا کہ آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے۔

جو لوگ بدر اور حدیبیہ میں شریک ہوئے ان میں سے کوئی دوزخ میں ہرگز داخل نہ ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار رحمت میں جگہ پانے کے بعد حضرت زبیر نے گوشہ نشینی اختیار کی۔ مدینے

ہی میں ہے اور حج کے سوا کسی موقع پر یہاں سے کہیں نہ گئے۔ یہ تجارتی مشاغل میں منہمک ہے جن سے ان پر مال و دولت کی بارش ہوتی رہی۔ ان کو گھر میں عیبی تربیت میسر آئی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب کی بدولت جو فیوض حاصل کئے تھے اور کتاب اللہ (قرآن مجید) کے فضائل و اداب سے جو کمالات ان میں پیدا ہوئے تھے ان کے ثمول اور خیر و برکت میں ان سب باتوں کا بڑا دور رس اثر تھا۔ ایک دن کسی نے ان سے کہا:-

آپ نے تجارت میں جو خیر و برکت پائی کس چیز سے پائی؟ انھوں نے جواب دیا:- اس بات سے کہ میں نے عنین کی ہوئی چیز نہیں خریدی اور کسی نفع کو رد نہیں کیا۔ اور اللہ جسے چاہتا ہے۔ اسے برکت دیتا ہے۔



لیکن حضرت زبیر کو جس وقت حضرت عمر بن الخطاب  
عہد فاروقی کا جہاد رضی اللہ عنہ نے خدا کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے بلایا

تو انھوں نے اپنے تمول کی ذرا پروا نہ کی۔ حضرت عمر جنگ میں ان کی شجاعت و بہارت  
 سے واقف تھے۔ جب عمرو بن العاص نے ان سے مدد طلب کی تو انھوں نے چار ہزار  
 آدمی ملک میں روانہ کئے جن میں چار قائدین تھے اور عمرو بن العاص کو لکھا:-  
 میں تمہیں چار ہزار اشخاص مدد کے لئے بھیج رہا ہوں جن میں چار آدمی مشہور  
 صحابہ میں سے ہیں اور ان میں سے ہر ایک ایک ہزار کے برابر ہے، یہ چاروں  
 صحابی :- زبیر بن العوام، عبادہ ابن الصامت، مقداد بن الاسود اور سلمہ  
 بن مخلص ہیں۔

جب مسلمانوں نے حصن بابلین کے محاصرہ میں شدت کی اس وقت حضرت  
 زبیر کی بہادری خوب نمایاں ہوئی۔ انھوں نے اس موقع پر کلمہ دین کی سر بلندی کے لئے  
 ایثار و قربانی کی نہایت اچھی مثالیں قائم کیں۔ وہ دیکھے جنگ ایک نازک موقع پر  
 پہنچ گئی ہے اور حضرت زبیر یہ کہہ کر مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں: یا فتح و ظفر  
 ہے یا شکست و رسوائی۔ پھر اپنی جان کو اسلام پر فدا کرنے کے لئے کہتے ہیں:-  
 میں اپنی جان اللہ تعالیٰ کی نذر کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اللہ اس کی بدولت مسلمانوں  
 کو فتح عطا فرمائے گا۔ اس کے بعد وہ قلعے کے ایک طرف سیڑھی لگا کر چڑھتے ہیں  
 اور مسلمانوں کو حکم دیتے ہیں: "جب میری تکبیر سنو تو سب مل کر اس کے جواب میں  
 تکبیر کہو" اہل قلعہ کو عقلمندی کی حالت میں دیکھ کر حضرت زبیر قلعے کی چوٹی پر تکبیر کا نعرہ  
 بلند کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں تلوار ہے۔ مسلمان سیڑھی پر حملہ کرنے لگتے ہیں تو  
 حضرت عمرو بن العاص اس ڈر سے کہ کہیں سیڑھی نہ ٹوٹ جائے انہیں منع کرتے ہیں  
 اس کے بعد حضرت زبیر پھر تکبیر کہتے ہیں اور باہر سے مسلمان تکبیر کا جواب دیتے ہیں

اب اہل قلعہ کو اس میں کوئی شک نہیں رہتا کہ عرب سارے سارے گھس آئے ہیں یہ سوچ کر وہ بھاگ اٹھتے ہیں اور حضرت زبیر اپنے ساتھیوں کو لئے ہوئے قلعے کے دروازے کی طرف بڑھتے ہیں اور اسے کھول دیتے ہیں۔ اس طرح اس بہادر سپاہی اور مسلمان مجاہد نے شہر اسکندریہ کی فتح کا راستہ ہموار کر دیا جو اس زمانے میں ملک مصر کا پایہ تخت تھا۔

ان حالات میں اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر بن العوام کو اپنا حواری بنایا اور انھیں عشرہ مبشرہ میں شمار فرمایا تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں اسی طرح جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے شوریٰ کے لئے چھ اشخاص انتخاب کئے تاکہ وہ ان کی وفات کے بعد اپنے درمیان سے کسی کو خلیفہ بنالیں اور ان چھ میں حضرت زبیر کو بھی رکھا تو یہ بھی کوئی حیرت کا مقام نہیں۔ آپ نے حضرات صحابہ سے کہا:-

تم لوگوں کا فرض ہے کہ اس گروہ کی پیروی لازمی جائز جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ رحلت تک راہنی رہے اور جن کے متعلق فرمایا کہ یہ لوگ اہل جنت ہیں (جب خلیفہ کا انتخاب ہونے لگا تو) ان چھ اشخاص میں سے جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان

رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے کے حامی تھے ان کے درمیان حریفانہ کشمکش پیدا ہوئی مگر حضرت زبیر نے ان دونوں کے حامیوں میں سے کسی کی جانب بھی اپنا میلان ظاہر نہیں کیا، بلکہ گوشہ عافیت کو ترجیح دی اور جب حضرت عبدالرحمن بن عوف نے اپنے آپ کو خلافت کے دعویٰ سے نکال لیا تو انھوں نے عبدالرحمن ہی کی تائید کی۔ پھر جب خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف لوٹی تو حضرت علی نے بہت چاہا کہ اس شکر رنجی کے باوجود جو ایک زمانے تک ان کے اور حضرت زبیر کے درمیان

رہ چکی تھی حضرت زبیر کو ترجیح دیں اور انھیں اپنا مقرب بنائیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سیاست میں جو معارضہ درپیش ہوا اس میں حضرت زبیر نے کوئی شدت نہیں برتی بلکہ صحابہ نے اپنی تنقید اور نصیحت کا جو پہلو اختیار کیا اس میں یہ بھی ان کے شریک رہے۔ انھوں نے اس ہنگامہ میں وہ رویہ اختیار نہیں کیا جو مدینے اور دوسرے شہروں کے لوگوں نے تنقید عثمان کے فتنے میں شریک ہو کر اختیار کیا تھا۔ اور جس کا نتیجہ بالآخر حضرت عثمان کی شہادت کی شکل میں ظاہر ہوا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کے اس موقف کا لحاظ رکھا اور جس وقت لوگوں نے ان سے کہا: حضرت زبیر کو خلیفہ بنا دیجیے تو انھوں نے اپنی رضا مندی ظاہر کی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ پسند تھے اور آپ ان سے بہت محبت کرتے تھے۔

مگر ان حالات کے باوجود ہم یہ نہیں جانتے کہ وہی زبیر جنھوں نے گوشہ عافیت کو ترجیح دی اور ان باتوں میں مہمک نہیں ہوئے جن میں بعض مسلمان مشغول ہو گئے تھے، حضرت عائشہ اور حضرت طلحہ سے کیسے جاملے! بعض روایات سے یہ بھی ظاہر ہے کہ جس طرح طلحہ ولایت یمن کی خواہش میں حضرت عائشہ سے مل گئے تھے زبیر ولایت عراق کے خواہاں تھے اور اسی غرض سے وہ ان دونوں کی صف میں شامل ہوئے۔ ان دونوں کو جس بات کی خواہش تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوری نہ کی اس لئے انھیں آپ پر غصہ آیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے پچھتاہے اس کے بعد دونوں نے حضرت علی سے بغاوت کرنے کا عزم کر لیا اب انھوں نے عمرہ ادا کرنے کے لئے حضرت علی سے مکہ جانے کی اجازت مانگی۔ مگر انکی باتیں آپ پر پوشیدہ نہ رہیں اور ان سے کہا: خدا کی قسم تم دونوں عمرہ کو ارادہ نہیں رکھتے۔

اگرچہ حضرت زبیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کے بیٹے اور ام المؤمنین حضرت خدیجہ کے بھائی کے لڑکے تھے اس پر بھی انھوں نے ناموں کی نصیحت نہ سنی نہ مسلمانوں کی وحدت کا پاس رکھا بلکہ اس کے برخلاف ام المؤمنین حضرت عائشہ سے جلے جو اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں تاکہ خلافت کے حصول میں کامیاب ہو سکیں اور خود خلیفہ نہ بن سکیں تو ان کے بیٹے ہی کو خلافت مل سکے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بہن کے بیٹے تھے۔

**شہادت** حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے چاہا کہ یوم جمل میں حضرت زبیر کو لڑنے سے باز رکھیں اس لئے آپ نے ان کو پکارا اور ان کو یاد دلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم دونوں کو بیٹے ہوئے پایا تو تم سے کہا تھا کہ تم عنقریب علی سے لڑو گے اور تم ان کے حق میں ظالم ہو گے۔ یہ بھی روایت ہے کہ حضرت زبیر کو یہ واقعہ یاد آیا تو انھوں نے لڑائی سے چلے جانے کا ارادہ کیا اس وقت عمرو بن جرموز نے ان کا پیچھا کیا جو بنی تمیم میں سے تھا، اور انھیں اس مقام پر جو وادی الباع کے نام سے مشہور ہے قتل کر دیا۔ یہ واقعہ ماہ جمادی الاول ۳۶ھ کا ہے۔ اس وقت حضرت زبیر کی عمر چھیا سٹھ سال تھی اور بقول بعض ستر سٹھ سال، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان اسلام اور اکابر صحابہ میں سے کسی کے انتقال سے خوش نہیں ہوئے بلکہ انھیں حضرت زبیر کے اس واقعہ سے غم ہوا جس وقت ان کے قتل ہونے کے بعد عبد اللہ بن عباس حضرت علی کے پاس آئے اور ان سے پوچھا: ابن صفیہ (یعنی حضرت زبیر) کا قاتل کہاں داخل ہوگا؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: دوزخ میں۔ جیسا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا ہے حضرت زبیر دین کے ارکان میں سے تھے اور پہلے شخص تھے جس نے اپنی تلوار اللہ کی راہ میں کھینچی جہاد میں ان کے معرکے مشہور ہیں، روایت کی گئی ہے کہ حضرت زبیر کی تلوار میں ضربوں کے

نشانات تھے۔ دو جنگ بدر میں آئے تھے اور ایک یوم یرموک میں۔

حضرت زبیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کی ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں زیادہ رہنے کے باوجود انکی حدیثیں تعداد میں بہت کم ہیں۔ زبیر بن بکاء نے کتاب النسب میں لکھا ہے: میں نے زبیر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں کم روایت کرنے کا سبب پوچھا تو انھوں نے کہا: میرے اور ان کے درمیان جو رحمی قرابت اور رشتہ تھا تم اسے واقف ہو مگر میں نے انھیں یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:-

”جس شخص نے میری نسبت وہ بات کہی جو میں نے نہیں کہی تو اسے اپنا

ٹھکانا دوزخ میں بنانا چاہئے“

**حضرت زبیر کا تمول** حضرت زبیر شہید و متمند لوگوں میں سے تھے ان کی ثروت و تونگری بڑھتے بڑھتے ضرب المثل بن گئی تھی، بصرے، کوفے، فسطاط اور اسکندریہ میں ان کی مملوکہ زمینیں تھیں اور مدینے میں بعض مکانات تھے۔ ان کے دو ہزار غلام تھے جو انھیں خراج ادا کرتے تھے مگر اس رستم میں سے ایک درہم بھی ان کے گھر میں داخل نہ ہوتا تھا، بلکہ وہ سب کا سب تصدق کر دیتے۔ لوگوں کا قرض ان پر بہت ہو گیا تھا اور یہاں تک نوبت پہنچی تھی کہ انھوں نے جنگ جمل کے دن اپنے بیٹے عبد اللہ کو نصیحت کی کہ ان کے مال میں سے ان کا قرضہ ادا کر دیں۔ حضرت عبد اللہ نے یہ سارا قرضہ لوگوں کو ادا کر دیا اور ان جلیل القدر صحابی نے جب دینا سے کونج کیا تو یہ فقیر و مفلس تھے۔

حضرت زبیر کی مدد حضرت حسان بن ثابت کر چکے ہیں۔ انھوں نے حضرت

زبیر کو اور صحابہ پر فضیلت دی تھی جس طرح حضرت ابو ہریرہ جعفر بن ابی طالب

کو صحابہ پر ترجیح دے چکے تھے حضرت حسان نے جن اشعار میں حضرت زبیر کی تعریف

کی ہے ان میں سے بعض یہ ہیں۔

اقام علی عهد النبى وهدیہ حواریہ والقول بالفعل یعدل

(وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد اور آپ کی عادت پر قائم رہے، وہ آپ کے حواری تھے اور قول بالفعل میں مساوت رکھتے تھے)

اقام علی منہاجہ وطرایقہ یوالی ولی الحق والحق یعدل

(وہ آپ کے طریقے اور مسلک پر قائم تھے اور صاحب حق سے دوستی رکھتے تھے اور حق ہی بڑا نسا والہ ہے)

لہ من رسول اللہ قرابۃ قریبۃ ومن نصرۃ الاسلام حجۃ مومنۃ

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی قریبی قرابت تھی اور اسلام کی نصرت میں انہیں مضبوط اور پائدار عزت حاصل تھی)

حضرت زبیر کو جہاد کے معاملے میں جو امتیاز حاصل تھا اور وہ جیسے جیسے فضا

سے آراستہ اور صدق و وفا و کرم کی صفات میں جیسے مشہور تھے ان سب کے باوجود

ہمیں ان کی نسبت یہ کہے بغیر چارہ نظر نہیں آتا کہ یہ بھی اس فتنے میں مبتلا ہو گئے تھے

جس میں بعض صحابہ نے شریک ہو کر وحدت اسلامیہ کو تباہ کر دیا اور مسلمانوں کے

فروغ اور گروہوں میں بٹ جانے کا باعث ہوئے جن کے آثار ان خونریز اور

شدید لڑائیوں میں نمایاں تھے جو حضرت علی اور حضرت معاویہ کے درمیان

ہوئی تھی چنانچہ کچھ مدت بعد خلفائے راشدین کی حکومت زائل ہو گئی اور

اس کی عمارت کے گرے پڑے آثار پر دولت امویہ قائم ہوئی۔ پھر تعلقات میں وہ

روایتی تاہم واری جو زمانہ جاہلیت میں بنی امیہ اور بنی ہاشم کے درمیان پیدا ہو گئی

کھٹی اور بڑھ گئی۔

## حضرت طلحہ بن عبد اللہ

۲۳ قہتا ۳۳۴

**نام و نسب** ہم اس مقالہ میں ایک اور عالی مرتبہ صحابی کا حال بیان کرتے ہیں۔ یہ ان پیشرو ناموران اسلام میں سے ہیں جو رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور آپ کی رسالت و نبوت کی تصدیق کی ان کا نام و نسب طلحہ بن عبید اللہ بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم ابن مرہ بن کعب بن لوی القرشی ہے۔ ان کی والدہ کا نام صعبت بنت الحضرمی ہے۔ جو العلاء بن الحضرمی کی بہن تھیں اور یمن کے لوگوں میں سے تھیں۔

**قبول اسلام** حضرت طلحہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر

اسلام قبول کیا تھا۔ کہتے ہیں، اس دین داخل ہونے والوں میں سلسلے کے لحاظ سے ان کا نمبر آٹھواں ہے۔ ان کے مسلمان ہونے کا سبب یہ ہے کہ ایک باریہ سوق بصری رہا بازار بصری، میں تھے۔ جہاں عوب کے تجارتی زمانہ جاہلیت میں آیا جا یا کرتے تھے۔ وہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ گئے تھے۔ اس مقام پر بحیرا نامی ایک راہب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی نیند اور بیداری کے حالات پوچھنے کے بعد ان کے اندر نبوت کی علامات دیکھیں۔

اسی شہر میں حضرت طلحہ نے ایک راہب کو اپنی خانقاہ میں یہ کہتے

ہوئے منا۔ اس موسم کے لوگوں سے پوچھو کیا ان لوگوں کے درمیان کوئی حرم والا بھی ہے۔ حضرت طلحہ نے کہا: ہاں میں ہوں، پھر اس نے پوچھا: کیا احمد ظاہر ہو گئے؟ میں نے کہا: کون احمد؟ اس نے جواب دیا: عبداللہ کے بیٹے، یہی وہ مہینہ ہے جس میں وہ نکلیں گے۔ وہ سب سے آخری نبی ہوں گے۔ ان کے ظاہر ہونے کی جگہ حرم ہے۔ ان کی ہجرت کا مقام نخلستان، حرہ اور بانہ ہے۔

راہب کی یہ گفتگو حضرت طلحہ کے دل میں گھر کر گئی اور وہ عجلت کے ساتھ مکے میں پہنچے اور اپنے دو دستوں سے پوچھا: کوئی نئی بات ہوئی ہے؟ انھوں نے کہا ہاں: محمد الامین نے نبوت کا وعوے کیا ہے، ابن ابی قحافہ یعنی ابو بکر اس کے ساتھ ہو گئے ہیں۔ اب حضرت طلحہ یہاں سے بڑھ کر حضرت ابو بکر کے گھر گئے اور ان کے ساتھ ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور آپ کے ہاتھوں پر اسلام لائے۔ پھر آپ سے اس راہب کا واقعہ بیان کیا۔

حضرت طلحہ کو اپنے تجارتی مشاغل سے معنوی و ادبی فوائد حاصل ہوئے۔ یہ قدیم تہذیبوں والی مختلف قوموں سے ملے۔ ان اقوام کے سیاسی و اجتماعی حالات سے واقفیت نے بھی انہیں بڑی مدد دی اور ان کے عقلی مراتب و مدارج بڑھانے میں بڑا حصہ لیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت طلحہ کا دل قبول اسلام کے لئے پہلے ہی سے آمادہ تھا۔

حضرت طلحہ کا شمار ان چند مسلمانوں میں ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کرنے میں عجلت و سبقت کی اور اسلام ان کے دلوں کی گہرائیوں میں اتر گیا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہیں اس دین کی مدد کرنے میں خاصی آزمائشوں سے سابقہ پڑا۔ حضرت طلحہ نے غزوات میں جو مشہور کارنامے انجام دیئے ہیں ان سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ جس وقت غزوہ بدر



ہوا۔ یہ ملک شام میں مصروف تھے۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسلام میں ان کی سبقت اور وہی جدوجہد سے واقف تھے اس لئے آپ نے انہیں ان لوگوں میں شمار فرمایا جو اس غزوہ میں شریک ہوئے تھے۔ مال غنیمت سے ان کا حصہ مخصوص کر کے ان کے لئے محفوظ رکھا۔ اسی طرح حضرت طلحہ غزوہ احد میں بھی شریک ہوئے۔ اس غزوہ کے اخراجات کے لئے قریش نے وہ تمام مال و دولت مخصوص کر دیا تھا جو اس قافلے کے اندر موجود تھا۔ جس نے غزوہ بدر کا نزاع کھڑا کر دیا تھا۔ اس موقع پر حضرت طلحہ نے خوب بہادری دکھائی اور اللہ کی راہ میں جہاد کا حق ادا کیا۔

معرکہ احد جب احد کا معرکہ ہوا اور تیر اندازوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت کی تعمیل میں ڈھیل ڈالی کہ وہ اپنی اپنی جگہوں پر ڈٹے رہیں۔ اور دشمن نے میدان جنگ میں جو اموال غنیمت اپنے پیچھے چھوڑے تھے انہیں جمع کرنے لگے تو خالد بن الولید نے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، پہاڑ کو تیر اندازوں سے خالی دیکھ کر فائدہ اٹھایا۔ مسلمانوں پر ان کی پشت سے حملہ کر دیا ان کی پیٹھوں کو اپنے نیزوں کا ہدف بنا لیا۔ مسلمان اس ناگہانی آفت سے گھبرا گئے اور ان کا نظام درہم برہم ہو گیا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بھی خطرے میں پڑ گئی۔ پھر جس وقت مشرکین میں سے ابن قتیہ نے چلا کر یہ کہا کہ "خبردار، محمد قتل کر دیئے گئے" تو یہ آفت اور بھی شدت پکڑ گئی۔ مسلمانوں نے ایک دوسرے کی ہڈیوں سے ہاتھ اٹھایا۔ ان کے ایک گروہ کے دلوں پر یاس چھا گئی۔ لیکن حضرت طلحہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہ چھوڑا، برابر آپ کی طرف سے مدافعت کرتے اور اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر حضور اکرم کی حفاظت کرتے رہے۔ اپنے ہاتھ پر تیروں کو روکتے روکتے ان کی انگلیاں

مثل ہو گئیں۔ یہ بات حضرت طلحہ کے سچے ایمان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ان کی فنائیت اور اسلام کی مدافعت پر قطعی دلیل ہے کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان بچانے کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت طلحہ کو ایمانی قوت اور دینی اخلاص کے ساتھ بدنی قوت و ولاوری اور مضبوطی کی صفات بھی عطا فرمائی تھیں جو انہیں دین کی حفاظت میں مدد دیتی تھیں اور ان کے ہاتھوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت دفع کراتی تھیں خواہ اس کام میں ان کے ہاتھ ہی مثل ہو جاتیں۔ مورخین اور اصحاب سیرت نے حضرت طلحہ کے جو حالات بیان کئے ہیں ان سے یہ صفات خوب واضح ہو جاتی ہیں۔ ان کے بیان کے مطابق حضرت طلحہ گورے رنگ کے تھے جس پر سرخی بھلکتی تھی۔ میانہ قد اور خوب رو تھے۔ قد کوتاہی لئے ہوئے تھا۔ سینہ چوڑا اور دونوں شانوں کے درمیان کافی فاصلہ لئے ہوئے تھا۔ پاؤں موٹے جب چلتے تیز چلتے۔ رفتار سے مستعدی، قوت اور جوش و سرگرمی ٹپکتی تھی۔ انہوں نے اپنی یہ تمام صفات دین کی اعانت میں صرف کیں یہاں تک کہ حفاظت رسول کے لئے اپنی جان تک دینے کے لئے تیار ہو گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک پہاڑ کی چٹان کی طرف چلے تاکہ اس پر چڑھیں۔ اس وقت آپ نیچے اوپر دوڑ رہے تھے۔ آپ سے اس چٹان پر نہ چڑھا گیا۔ یہ دیکھ کر حضرت طلحہ آپ کے پیچھے بیٹھ گئے اور آپ ان کے اوپر سے اٹھ کر چٹان پر کھڑے ہو گئے۔

**جاننازی و فداکاری** حضرت طلحہ ایسے فدائیوں میں سے تھے جو دینی کی نہایت نازک ساعتوں میں شکروں کے سامان کو خود سے چھوڑ دیا کرتے تھے۔ گزشتہ دوسری عالمگیر جنگ کے دوران میں اس جنگ کے جن ذمہ دار لوگوں کا تذکرہ اخبارات میں

غیر فانی بن گیا ہے وہ جس فداکارانہ طریقے پر چلے دراصل اسے سب سے پہلے حضرت طلحہ ہی نے ایجا و کیا۔ دوسری عالمگیر جنگ کے ان لوگوں نے اپنی جانیں اپنے وطنوں پر قربان کر دیں۔ انہوں نے اپنے آپ کو ان جنگی کارخانوں اور میگزینوں کے وسط میں ڈال دیا جنہیں وہ تباہ کر دینا چاہتے تھے تاکہ دشمن کے ہاتھ نہ لگیں، اور ان کے ساتھ اپنی جانوں کو بھی اپنے ہاتھوں تباہ کر دیا۔ آپ حضرت طلحہ اور ان کے دوستوں کو دیکھتے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد کے دن مسلمانوں کے قدم اکھڑتے دیکھ کر موت پر بیعت لی۔ ان لوگوں نے صبر و استقلال سے کام لیا اور حضور اکرم پر اپنی جانیں چھڑکنے لگے۔ اس موقع پر جن اصحاب کی جان جانا تھی وہ سنہی خوشی قربان ہو گئے۔ موت کی اس بیعت میں جن لوگوں نے حصہ لیا ان میں یہ حضرات بھی تھے: حضرت ابو بکر، عمر، طلحہ

زبیر، سعد، سہل بن حنیف، اور ابو جہانہ رضی اللہ عنہم،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے پہلے مکہ میں حضرت طلحہ اور حضرت عبداللہ بن الزبیر کے درمیان مواخات قائم کر دی تھی۔ یہ مواخات ویسی ہی تھی جیسا کہ مدینے میں آپ نے ہاجرین اور انصار کے درمیان قائم فرمائی۔ اس میں حضرت طلحہ اور حضرت ابو ایوب الانصاری کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا گیا تاکہ ہاجرین کے دل سے ہجرت کا بوجھ ہلکا ہو جو اپنے گھر اور مال و دولت کے میں چھوڑ آئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال فرمانے کے بعد جو اہم واقعات پیش آئے حضرت طلحہ نے ان میں بھی حصہ لیا۔ یہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی طرف مائل ہوئے۔ انہوں نے مرتدین کی خونریز جنگ میں بھی شرکت کی جو جزیرۃ العرب کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کا سامان بن گئی تھی اور جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوڑی ہوئی میراث تباہی کے قریب پہنچ چکی تھی۔

حضرت اکرمؐ نے اپنے مخلص متبعین میں جن میں طلحہ بن عبید اللہ جیسے لوگ شامل تھے جو قومی روح چھوٹی تھی اگر موجود نہ ہوتے تو اس میراث کے فنا ہونے میں کوئی کسر باقی نہ رہی تھی۔

**شوری میں شرکت** حضرت طلحہ ان چھ اشخاص میں سے تھے جنہیں حضرت عمرؓ نے الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلیفہ منتخب کرنے کا اختیار دیا تھا طلحہ اس وقت مدینہ میں موجود نہ تھے اس کے باوجود حضرت عمرؓ کا انھیں شوری کے ارکان میں شامل کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ اسلامی سیاست کے ممتاز مرکز سے کس قدر بہرہ اندوز تھے۔ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر فرمایا تھا: جب میں مرجاؤں تو تین دن تک مشورہ کرتے رہوں، چوتھا دن عرف اس صورت میں آئے کہ تم میں سے کوئی امیر منتخب ہو چکا ہو۔ عبداللہ بن عمرؓ کے طور پر آئیں۔ طلحہ اس معاملے میں تمہارے شریک ہوں۔ اگر وہ ان تین دنوں میں آجائیں تو انھیں اپنے اس کام میں بلاؤ اور اگر ان کے آنے سے پہلے تین دن گزر جائیں تو اپنا کام پورا کر لو۔

حضرت طلحہ ان بزرگوں میں سے ہیں جنہوں نے حضرت علیؓ کی خلافت کے لئے رائے دی ہیں سبقت کی تھی لیکن یہ جلد ہی بدل گئے اس لئے کہ انھیں ولایت یمن کی خواہش تھی۔ جب حضرت علیؓ نے واپس لوٹ کر کے بھیجا اور ولایت میں حضرت طلحہ کو کوئی حصہ نہ ملا تو یہ ان سے ناراض ہو گئے۔ ان کی شان میں کلام کرنے لگے۔ ان کی بیعت پر پچھتائے اور چلے جانے کا عزم کر لیا۔ چنانچہ حضرت علیؓ سے عمرہ ادا کرنے کے لئے نکلے جانے کی اجازت مانگی۔ مگر ان کی یہ بات حضرت علیؓ پر پوشیدہ نہ رہی اور آپ نے حضرت طلحہ اور حضرت زبیر سے کہا: مجدا تمہارا ارادہ عمرہ کا نہیں ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ طلحہ اور زبیر کا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے خلاف ہونا خلافت کے مطالبے کے لئے تھا۔ کہا گیا ہے کہ ان کے حردن کے

بعد مروان بن الحکم نے ان دونوں سے کہا۔ "میں تم دونوں میں سے کس کو امارت سپرد کروں اور نماز کی اجازت دوں؟ تو عبداللہ بن الزبیر نے کہا: میرے باپ کو (یعنی حضرت زبیر کو) اور محمد بن طلحہ نے کہا: میرے باپ کو۔

**شہاد** حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ ہونے والوں میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر بھی تھے جنہوں نے بصرے کے سرداروں کو ہموار کرنے کا کام کیا اور خیر خواہوں کی نصیحت پر کان نہ دھرے۔ نہ مسلمانوں کے اتحاد کا پاس و لحاظ کیا جس کا شیرازہ منتشر ہونے کو تھا۔ یہ تینوں وسط جاوسی الآخر سلمہ میں حضرت علی کے لشکر کے مقابلے پر آئے۔ اس جنگ میں حضرت طلحہ پر مروان بن الحکم نے تیر چلا یا جس سے وہ شہید ہو گئے۔ مروان حضرت طلحہ پر تہمت لگاتا تھا کہ وہ حضرت عثمانؓ کے قتل پر لوگوں کو بھڑکار رہے تھے۔ وفات کے وقت حضرت چوسھویں سال میں تھے یہیں تعجب ہے کہ طلحہ جیسے جلیل القدر صحابی خون عثمان (رضی اللہ عنہ) کا مطالبہ کرنے والوں میں جائے۔ حالانکہ ان پر خودیہ الزام تھا کہ وہ لوگوں کو حضرت عثمان کے قتل پر ابھار رہے تھے۔ اسی طرح ہمیں اس بات پر بھی حیرت ہے کہ حضرت طلحہ لوگوں کو حضرت علی کے خلاف بھڑکاتے تھے اس لئے کہ انہوں نے طلحہ کو مین کی ولایت سپرد نہیں کی۔

بہر حال اس سے انکار ممکن نہیں کہ حضرت طلحہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق اور خدمت دین میں فنائیت کے اوصاف میں تمام صحابہ سے

۱۔ اصل عبارت میں یہ الفاظ ہیں "قیل ان مروان بن الحکم قال لهما بعد خروج جہا" لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف سے یہ ہوا ہے کیونکہ مروان کے سوال کا جواب طلحہ اور زبیر کے بیوں نے دیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سوال کے مخاطب بھی ان کے بیٹے ہی ہوں گے۔ (ادوارہ)

سے بڑھے ہوئے تھے۔ انہوں نے دین کی راہ میں بہت بڑی رقم صرف کی تھی روایت ہے کہ ایک بار غزوہ قویٰ ترو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھارے پانی کے چشمے پرے گزرے جسے "بیاں" کہتے تھے۔ آپ نے فرمایا یہ "نعمان" ہے اور اچھا ہے اس طرح آپ نے اس کا نام بدل دیا۔ حضرت طلحہ نے اس چشمے کو خرید کر مسلمانوں کے لئے صدقہ کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے طلحہ تم یقیناً فیاض ہو۔ اس بنا پر حضرت طلحہ، طلحۃ الفیاض کہلائے۔

سفیان بن عبد الملک نے قبیصہ بن جابر سے روایت کی ہے کہ قبیصہ نے کہا میں طلحہ کے ساتھ رہا ہوں میں نے ان سے زیادہ بجز مال بغیر سوال کے دیتے ہوئے کسی کو نہ دیکھا۔

حضرت طلحہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کی ہے اور ان سے ان کے بیٹوں یحییٰ، موسیٰ اور عیسیٰ نے روایت کی ہے۔ اسی طرح قیس بن ابی حازم، ابوسلمہ بن عبدالرحمن، احف اور مالک بن ابی عامر وغیرہم نے بھی حضرت طلحہ سے حدیث روایت کی ہے۔

# مقداد بن الاسود

سنة ۳۳ھ تا ۳۳ھ

اسلام نے حریت، اخوت اور مساوات کی بہترین مثالیں قائم کی ہیں اس نے  
ہندہ و آزاد اور گورے اور کالے کو مساوی کر دیا ہے۔ انھیں لوگوں میں حضرت  
مقداد بن عمرو بن ثعلبہ بن مالک بن ربیعہ بن عامر بن مطر و البہرائی بھی ہیں  
جو قبیلہ بہرا کی طرف منسوب ہیں۔

نام و کنیت | مقداد کے والد عمرو نے اپنی قوم کے کسی شخص کا خون کر دیا تھا اس نے  
حضرت موت بھاگا۔ پھر کندہ سے عہد و پیمان کیا اس نے عمرو کو کنندی کہتے ہیں۔  
یہاں عمرو نے ایک عورت سے شادی کی جس سے ان کا بیٹا مقداد پیدا ہوا  
جب یہ لڑکا بڑا ہو کر جوان ہو گیا تو اس زمانے میں اس کے اور اس قبیلے  
کے ایک مزدکے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ مقداد نے اس کے پاؤں پر تلوار  
ماری مگر پھر وہ اپنی جان کو خطرے میں دیکھ کر نکلے کی طرف بھاگے اور  
وہاں الاسود بن عبد یغوث الزہری سے مخالفت ریمان دوستی کی۔ الاسود  
نے انھیں اپنا بیٹا بنا لیا۔ اس لئے یہ الاسود سے منسوب ہو کر المقداد بن الاسود  
بھی اسی طرح کہلائے جس طرح المقداد البہرائی اور المقداد الکندی کہلائے  
تھے۔ اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اُدْعُوہم

لِأَبَائِهِمْ هُوَ قَسَطٌ عِنْدَ اللَّهِ رَأْفَتِينَ أَنْ كَيْ بَابِ كَيْ نَامُونَ مِنْ  
 پکارو۔ اللہ کے نزدیک یہ بات زیادہ منصفانہ ہے، تو حضرت مقداد کو المقداد  
 بن عمرو کے نام سے موسوم کیا گیا۔ مگر مقداد بن الاسود کا نام مقداد بن عمرو کے  
 نام پر غالب آگیا۔ اسی طرح مقداد کنیت میں ابو الاسود، ابو عمرو، ابو محب  
 اور ابو سعید کہلاتے تھے۔

مقداد ان لوگوں کی صف اول میں تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
 وسلم پر ایمان لائے اور صحفوں نے آپ کے بنی ہونے کی تصدیق کی۔ یہ  
 سالعتین اولین پہلے پہل ایمان لانے والوں میں سے تھے۔ حضرت  
 ابن مسعود نے روایت کی ہے کہ مکے میں جن لوگوں نے سب سے پہلے  
 اپنے اسلام کا اظہار کیا وہ سات تھے اور ان ہی میں مقداد بھی تھے جنہوں  
 علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے  
 روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: جو بنی بھی ہوں اسے سات شریف مشیر  
 و رفیق ضرور دینے گئے اور مجھے چودہ دینے گئے: حمزہ، جعفر، ابوبکر، علی، حسن،  
 حسین، ابن مسعود، سلمان، عمار، حنیفہ، ابو ذر، مقداد اور بلالؓ۔

اس میں کوئی تعجب کی بات اس لئے نہیں ہے کہ حضرت مقداد  
 کا شمار ان لوگوں میں ہے جن کے دل اسلام سے آباؤ تھے۔ اور جن کے  
 دعوتِ اسلامی قبول کرنے کی صلاحیت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

۱۔ نجار و زراور فقا

۲۔ مذکورہ ناموں کی تعداد ۱۳ ہوتی ہے؟ (ادارہ)



اطمینان تھا۔ ایمان داروں نے جو طرح طرح کی اذیتیں قریش کے ہاتھوں  
 اٹھانی تھیں وہی مقدار کو بھی اٹھانی پڑیں مگر اس مشقت کے ہول سے  
 ان کے غم میں کمزوری پیدا نہیں ہوئی بلکہ دین کی راہ میں اس جہر و  
 تشدد نے ان کے اندرونی شجاعت اور جوش کو اور بھی بیدار کر دیا۔  
 جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مصائب کو دیکھا جو آپ  
 کے صحابہ اٹھا رہے تھے تو آپ نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے  
 کا حکم دیا۔ اس موقع پر دس مردوں اور چار عورتوں نے ہجرت کی۔ پھر ان  
 کی تعداد میں اضافہ ہوا اور ان کا مجموعہ تراسی مرد اور سترہ عورتیں ہو گیا جو  
 کی تعداد ان کے علاوہ ہے۔ مقدار بھی ان ہاجرین میں شامل تھے۔

اس زمانے میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے  
 اہل بیت مکے میں مستم ہتم کے خطروں اور شدتوں کا سامنا کر رہے تھے  
 حضرت مقدار اور ان کے ہمراہی ہاجرین حبشہ میں غزبت کی آفتیں جھیل  
 رہے تھے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو  
 اہل یثرب میں ایک صلح ماحول مل گیا جو حضورؐ کے مدینے میں ہجرت  
 فرمانے کے بعد اسلام کا قلعہ اور جماعت مسلمین کی پناہ گاہ بن گیا تھا  
 اس کے بعد حضرت مقدار و ہاجرین حبشہ کے ہمراہ حبشہ سے واپس آ گئے  
 اور مدینے میں حضورؐ کی خدمت میں پہنچ کر دعوت اسلام پھیلانے  
 میں آپؐ کو مدد دیتے رہے اب مقدار نے آپؐ کے غزودوں اور سر توں  
 بھی حصہ لیا۔

غزودہ [مقدار و غزودہ بدر کے عظیم معرکے میں بھی شریک ہوئے تھے جس میں  
 بدریں] مسلمانوں نے کافروں پر فتح پائی۔ مسلمانوں کو اس معرکے میں اتنا اعزاز ملا

ہوا کہ انھوں نے اس غزوہ کو غزوة الفرقان کے نام سے موسوم کیا کیونکہ اس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کے درمیان فرق نمایاں کر دیا اور اسلام کو عزت اور کفر کو ذلت دی۔ اس غزوہ میں حضرت مقداد کے کارنامے بہت قابل لحاظ تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ قریش نے مسلمانوں کو روکنے کا غم کر لیا ہے تو آپ نے بڑے بڑے صحابہ سے مشورہ فرمایا۔ حضرت ابو بکر نے اپنی رائے دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے کی تحسین کی۔ یہی حضرت عمر نے کیا۔ پھر مقداد میں بن عمرو اٹھے اور کہا: یا رسول اللہ! آپ کو جس بات کا حکم دیا گیا ہے اس کے لئے چلئے، ہم آپ کے ساتھ ہیں، بخدا ہم آپ سے اس طرح نہ کہیں گے جس طرح بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا: "تم اور تمہارا رب جاؤ اور دونوں لڑو، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔" بلکہ وہ کہیں گے کہ "آپ اور آپ کا رب جائیں ہم بھی آپ دونوں کے ساتھ رہیں گے! خدا کی قسم جس خدا نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے اگر آپ ہمیں برکات لگادو کبھی کے جائیں تو ہم اس سے ادھر آپ کے ہمراہ لڑنے میں اس وقت تک مصروف رہیں گے کہ وہاں جا پہنچیں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی تحسین فرمائی اور مقداد کے لئے دعا کی۔ حضرت مقداد غزوہ کے نامور شہسواروں میں سے تھے۔ ایک روایت ہے کہ وہ مہر کہ بدر کے

لہ عربی متن میں ان قریشی قد عقدوا العزم علی ان یمنعوا غیر المسلمین  
 سے ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہو گا کہ قریش نے غیر مسلموں کو روکنے کا غم کر لیا ہے۔ (بیجاہ اس  
 عبارت میں سہولہ ہے۔ غیر المسلمین کے بجائے المسلمین چاہیے۔ (ادارہ)

شہسوار تھے اور پہلے شخص تھے جو اللہ کی راہ میں گھوڑے پر سوار ہو کر لڑا۔

مقداد نے بدر کے بعد ولے غزوات میں بھی مسلمانوں کا ساتھ دیا اور دین کی اعانت و نصرت میں بڑی بہادری دکھائی۔ ہم انھیں غزوہ احد میں بھی مشرکین قریش اور ان کے حلیفوں سے لڑتا ہوا دیکھتے ہیں اور غزوہ خندق میں بھی جس کے اثرات اشاعت اسلام میں بڑے دور رس تھے۔ اسی طرح ہم انھیں خیبر میں بھی یہودیوں سے بڑے جنگ پاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقداد کی قوت ایمانی اور بہادری سے واقف تھے اس لئے ان کے ساتھ محبت و شفقت کا برتاؤ فرماتے تھے۔ آپ نے مقداد کو اپنے چچا کی بیٹی صباحہ بنت الزبیر بن عبدالمطلب بیاہ دی تھی۔

**شادی** | ایک دن مقداد حضرت عبدالرحمن بن عوف کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے جو قریش کے متمول لوگوں میں سے تھے۔ انھوں نے مقداد سے کہا: تم شادی کیوں نہیں کر لیتے؟ مقداد نے جواب دیا: آپ اپنی بیٹی مجھ سے بیاہ دیجئے اس پر عبدالرحمن غصہ ہوئے اور سخت سست کہا۔ مقداد نے اس بات کی شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی۔ آپ نے فرمایا: میں تمہاری شادی کروں گا۔ پھر آپ نے اپنے چچا کی لڑکی صباحہ بنت الزبیر بن عبدالمطلب سے مقداد کی شادی کر دی۔ اس طرح حضور اکرم نے ایک مسلمان مرد اور ایک مسلمان عورت کے درمیان ایک کو دوسرے سے نہیں بڑھایا کیونکہ مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ ان میں اپنے درمیان ترجیح کا اتنا ہی حق ہو سکتا ہے جتنا کہ حق پرستی کے لحاظ سے حاصل ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں فرمایا ہے۔ **إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ**۔ بیشک تم میں سب سے زیادہ باعزت وہی ہے جو تم

میں سب سے زیادہ پرستار ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ نے چار آدمیوں سے محبت کرنے کا حکم دیا ہے اور مطلع کیا ہے کہ وہ بھی ان سے محبت کرتا ہے۔ وہ یہ ہیں: علی، مقداد، ابوذر اور سلمان۔

اسلامی فتوحات میں حصہ حضرت مقداد نے اسلامی فتوحات میں بھی حصہ لیا۔ امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے ایمان کی مضبوطی اور شجاعت کے معترف تھے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب عمرو بن العاص نے خلیفۃ المسلمین سے مدد روانہ کرنے کی فرمائش کی تاکہ بابلہوں کے مضبوط قلعے اور اس کے بلند برجوں میں گھسنے کے کام آئے۔ جو طحیانی کے وقت دریائے نیل سے گھرا رہتا ہے اس وقت حضرت عمر نے چار ہزار کا شکر بطور امداد ان کے پاس روانہ کیا جس کی قیادت چار بڑے صحابیوں کے سپرد تھی اور انھیں لکھا: میں نے تمہیں چار ہزار اشخاص سے مدد دی ہے۔ ان میں سے ہر ہزار پر ایک شخص قائد ہے جو خود ایک ہزار آدمیوں کی جگہ ہے ان کے نام یہ ہیں۔ زبیر بن العوام، مقداد بن الاسود، عبادہ بن الصامت اور مسلمہ بن المخلد۔ یہ سمجھ لو کہ تمہارے ساتھ بارہ ہزار سپاہی ہیں اور بارہ ہزار قتل کی وجہ سے مغلوب نہیں ہوتے۔

حضرت مقداد اور ان کے ساتھیوں میں جتنی مہارت تھی اور انھوں نے فتح مصر میں حبشی کامیابی حاصل کی تھی اسے مسلمانوں نے اتنا پسند کیا کہ وہ کہہ اٹھے: عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما نے عمرو بن العاص کو آٹھ ہزار آدمیوں سے مدد دی ہے اور انھوں نے یہ جاننا کہ ان چاروں قائدین میں سے ہر قائد ایک ہزار سپاہی کے برابر ہے۔ مسلمانوں کا یہ قول ان لوگوں کی

امتیازی کارگزاری اور تجارت و شہرت کی بنا پر تھا۔

کسے کے متعلق منقول ہے کہ اس کے یہاں ایسے بہادر تھے جنہیں لڑائی میں بڑی شہرت حاصل تھی جب وہ ان بہادروں میں سے کسی ایک کو اپنے پاس رکھنے کی ضرورت محسوس کرتا تو اس قائد کی جگہ لینے کے لئے اپنے لشکر میں ایک ہزار آدمیوں کا اضافہ کرتا۔

روایت حدیث | مقدار کو جتنی بہارت جنگ میں حاصل تھی اتنے ہی وہ دینی تفرقہ میں مشہور تھے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں۔ دورِ اول کے مسلمانوں میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے بزرگوں نے اور تابعین میں حضرت عبدالرحمن ابی لیلیٰ اور میمون بن ابی شیبہ نے ان سے حدیثیں روایت کی ہیں۔

مقداد سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب قیامت کا دن ہوگا سورج بندوں قریب کر دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ ایک یا دو سلائی کے فاصلے پر آجائے گا۔ اس وقت لوگ اپنے اپنے اعمال کے اندازے سے پسینے میں ڈوب جائیں گے ان میں سے کسی کی اڑھی تک پسینہ آئے گا، کسی کے گھنٹوں تک اور کسی کے کمر تک اور کوئی ایسا ہوگا جس کے منہ کو پسینہ لگام دے گا۔ اس وقت میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاتھ سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دیکھا یعنی "منہ کو لگام لگائے گا" کا مطلب واضح فرمایا۔

وَقَالَ مقدار قد کے لیے تھے ان کا رنگ کالا اور بال گھنے، آنکھیں بڑی اور بھری

ملی ہوئی تھیں۔ اپنی وارثی زرورنگ سے رنگا کرتے تھے۔ جسم دبیر تھا۔ انکی  
 ولادت کا سال ہمارے لئے متعین کرنا آسان نہیں۔ رہا سنہ وفات تو مورخین  
 اور اصحاب سیرت تقریباً اس پر متفق ہیں کہ انھوں نے ۳۳ء میں حروف میں  
 اپنی ایک زمین پر وفات پائی اور ان کی نعش مدینہ لائی گئی۔ انتقال کے  
 وقت ان کی عمر سترویں سال میں تھی۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو حضرت مقداد  
 کا سنہ ولادت ہجرت سے سینتیس سال قبل تھا۔ جس وقت رسول اللہ صلی  
 اللہ علیہ وسلم نے پیغمبری پائی اس وقت ان کی عمر کا چوبیسواں برس تھا۔  
 ان کے سبب وفات کی نسبت یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ ایک بڑے  
 پیٹ والے شخص تھے۔ ان کا ایک رومی غلام تھا۔ اس نے ان سے کہا:  
 میں آپ کا پیٹ چاک کر کے اس کی چربی نکال لوں گا تو وہ ہلکا ہو جائے گا  
 چنانچہ اس نے ان کا پیٹ چاک کیا اور پھر سی دیا۔ مقداد مر گئے اور غلام  
 فرار ہو گیا۔

# حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

شہادت ۳۲ھ

اب ایک اور جلیل القدر صحابی کا ذکر کیا جاتا ہے جو بجا طور پر امام المحدثین اور شیخ القرار شمار کئے جاتے ہیں اور تمام لوگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل سے زیادہ قریب سمجھے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ صاحب السواک والسواک یعنی کاتب اور سواک دار کے نام سے مشہور تھے۔ ان کا نام ہے عبداللہ بن مسعود بن عافل بن حبیب بن شیح ابن مخزوم۔ یہ بنی ہذیل میں سے تھے۔

ان کے والد مسعود بن عافل، عبداللہ بن الحارث بن زہرہ کے حلیف تھے ان کی والدہ ام عبد بنت عمرو بن سواد بھی بنی ہذیل سے تھیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ابن ام عبد کے نام سے مشہور ہیں۔

ان حالات سے آپ نے اندازہ کر لیا ہوگا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود بن سواد سے پیدا ہوئے جو قریش کے حلیفوں میں سے تھے۔ ان کا تعلق ایسے ضعیف الحالی لوگوں سے تھا جو دوسرے قبائل کے ظلم سے اپنی جانیں بچانے کے لئے بڑے بڑے قبیلوں کی پناہ پھا کرتے تھے۔

قبول اسلام پھر اسلام کا نور پھیلا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت

دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر نبوت عطا کی گئی۔ آپ نے کمزوروں اور فقروں  
 کے لئے اپنی حمایت کا دامن پھیلا یا اور لوگ آپ پر ایمان لائے۔ حضرت عبداللہ  
 بن مسعود بھی ان حلیف اور ضعیف الحال لوگوں میں سے تھے جنہوں نے رسول  
 کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو لبیک کہا۔ ان کے اسلام لانے کا سبب یہ  
 بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن یہ بکریاں چرا رہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
 وسلم ان کے پاس سے گزرے۔ ان کے ساتھ حضرت ابو بکر الصدیق بھی تھے  
 آپ نے فرمایا: اے لڑکے کیا تمہارے پاس تھوڑا دودھ ہے؟ عبداللہ بن مسعود  
 نے کہا: جی ہاں۔ لیکن میں صاحب امانت ہوں۔ فرمایا: میرے پاس ایسی  
 بکری لاؤ جس سے نرنے جھنق نہ کی ہو۔ وہ ایک بکری لے آئے۔ رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی ران اور پنڈلی کے درمیان دبا کر اس کے  
 تھن پر ہاتھ پھیرا اور دعا کرنا شروع کی یہاں تک کہ دودھ اتر آیا اور برتن  
 اس سے بھر گیا۔ حضرت ابو بکر نے اور اس کے بعد آپ نے پی لیا۔ پھر آپ نے  
 تھن سے کہا: "سکڑ جا" وہ سکڑ گیا اور جیسا پہلے تھا ویسا ہی ہو گیا۔ آپ سے  
 اس لڑکے یعنی عبداللہ نے کہا: "یا رسول اللہ! مجھے بھی یہ کلام سکھا دیجئے" رسول  
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا: "تم سیکھے ہوئے  
 لڑکے ہو" ۱

حضرت عبداللہ بن مسعود کا اسلام لانا ایک عظیم الشان واقعہ تھا جس نے  
 ان کی زندگی کے دھارے کا رخ بدل دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 انہیں اپنے پاس رکھا اور اپنا مقرب بنا لیا۔ وہ حضور کے گھر میں بغیر پردے

۱ یعنی آگے چل کر تمہارے ذریعے علم کی بڑی خدمت ہوگی۔



کے آتے جاتے تھے۔ آپ کو جوتیاں پہناتے، آپ کے ساتھ چلتے، جب آپ غسل فرماتے تو آپ کے لئے پردہ کرتے، جب آپ سوتے تو خواب سے بیدار کرنے کی خدمت انجام دیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے محبت کرتے اور ان پر بھروسہ فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا: میں اپنی امت کے لئے اس بات سے راضی ہوں جس سے ابن ام عبد اللہ بن مسعود راضی ہوئے۔ اور ان کی اس بات سے ناراض ہوں جس سے ام عبد ناراض ہوئے۔ ایک اور حدیث میں فرمایا ہے: ام عبد کی دوستی کو مضبوطی سے پکڑو، پھر فرمایا: عبد اللہ کا پاؤں دقامت کے دن ترازو میں احد سے زیادہ بھاری ہو گا اور شرح کے طور پر فرمایا یعنی ابن مسعود کا پاؤں غزوہ احد کے ثواب کے برابر ہو گا۔

اسلام کی ادھیں | حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے رنج و راحت میں شریک رہتے تھے اس لئے انھیں جیسے جلیے دباؤ اور عذاب کا سامنا کرنا پڑا اس سے دوچار ہوئے پھر جب مسلمانوں نے قریش کے ظلم و شدت سے اپنی جانوں اور دین کو سلامت رکھنے کے لئے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو عبد اللہ بن مسعود بھی ان کے ساتھ ہوئے۔ یہ ایمانی قوت اور حق گوئی کی جرات میں اپنے دوستوں میں مشہور تھے۔ کہتے ہیں کہ یہ پہلے شخص تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نکتے میں قرآن آواز سے پڑھا۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اکٹھا ہوئے اور کہا: بخدا یہ قرآن قریش نے کسی کو آواز سے پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔ اس لئے ایسا شخص کون ہو گا جو انھیں سکھاوے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے کہا: میں انھوں نے کہا: میں ان کی طرف سے تمہارا نسبت اندیشہ ہے، ہم تو ایسا شخص چاہتے ہیں جس کا خاندان ہو جو قوم سے

اس کا بچاؤ کرے، حضرت عبداللہ نے کہا۔ "تم لوگ مجھے جانے دو، میری اللہ  
 حفاظت کرے گا۔ وہ صبح کو قریش کی مغللوں میں پہنچے اور اپنی آواز بلند  
 کر کے کہا؛ بسم اللہ الرحمن الرحیم اور قرآن سکھایا۔ عبداللہ ان کے سامنے  
 آئے اور ان میں قرآن پڑھا۔ ان لوگوں نے سوچا اور کہنے لگے؛ ابن ام عبد  
 لہ کیا کہتا ہے، پھر انہوں نے کہا۔ محمدؐ جو کچھ لائے ہیں اس میں سے کچھ پڑھ رہا  
 ہے، اور وہ عبداللہ کے منہ پر مارنے لگے اور عبداللہ پڑھتے رہے۔ یہاں  
 تک کہ انہوں نے قرآن میں سے جتنا اللہ نے چاہا تھا اتنا پہنچا دیا۔ اس کے  
 بعد عبداللہ بن مسعود اپنے دوستوں میں واپس ہوئے تو انہوں نے کہا؛  
 ہمیں تمہارے لئے اسی بات کا ڈر تھا۔ عبداللہ نے جواب دیا؛ اللہ کے  
 دشمن میرے لئے جتنے اب سہل ہو گئے اتنے کبھی نہ ہوتے تھے۔ اگر تم لوگ  
 چاہو تو میں کل صبح بھی ان کے پاس اسی طرح جا پہنچوں۔ انہوں نے کہا  
 تمہارے لئے اتنا ہی کافی ہے، تم نے انہیں وہ سب کچھ سنا دیا جس سے  
 وہ لوگ نفرت کرتے ہیں۔

**مواقعا** اسی روح اور جذبے کے ساتھ عبداللہ بن مسعود نے ان تمام بڑے  
 بڑے واقعات میں حصہ لیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں  
 پیش آئے۔ انہوں نے مدینے کی طرف ہجرت کی۔ وہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ  
 وسلم نے عبداللہ بن مسعود اور زبیر بن العوام اور سعد بن معاذ کے درمیان بھائی  
 چارہ کرایا۔ حضور کے دل میں حضرت عبداللہ کے ایمان کی جتنی قدر رکھتی اور  
 مسلمانوں کے درمیان انہیں جو درجہ حاصل تھا مواخات کے اس واقعے سے  
 اس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

**الجبیل کا قتل** عبداللہ بن مسعود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں شرکت

کی۔ بدر۔ احد۔ خندق اور بیعت الرضوان وغیرہ تمام محرکوں میں شریک ہوئے  
یہ عبداللہ بن مسعود ہی تھے جنہوں نے ابو جہل جیسے بدترین دشمن اسلام کو  
قتل کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ عبداللہ بن مسعود نے کہا: میں بدر کے دن  
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے کہا یا رسول اللہ میں نے  
ابو جہل کو قتل کر دیا ہے۔ فرمایا: قسم اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں  
کیا واقعی تم نے اسے قتل کر دیا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ پھر آپ کی خوشی کم ہوئی  
اور فرمایا: چلو مجھے اسے دکھاؤ۔ عبداللہ کہتے ہیں، پھر میں حضور کے ساتھ چلا  
یہاں تک کہ آپ کو لے کر ابو جہل کے سر پر جا کھڑا ہوا۔ اس وقت ابو جہل کی  
نعش کو مخاطب کر کے، فرمایا: سب تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے تجھے  
ذلیل کیا، یہ اس امت کا فرعون ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی  
تلوار مجھے مال غنیمت میں دی۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوار قدس میں جگہ پائی تو عبداللہ  
بن مسعود حضور کے دل سے سب لوگوں سے زیادہ قریب تھے۔ آپ نے فرمایا  
اگر میں کسی کو بغیر مشورہ کے امیر بناتا تو بلاشبہ ابن ام عبد کو امیر بناتا۔ عبدالرحمن  
بن زید الخثعمی سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: ہم خذیفہ کے پاس گئے اور  
ہم نے کہا: ہم سے اس شخص کا حال بیان کرو جو خلق، عادت اور سیرت میں  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ قریب ہو۔ خذیفہ نے کہا خلق، سیرت  
اور وضع و ہیئت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ قریب عبداللہ بن مسعود تھے  
کتابت وحی حضرت عبداللہ بن مسعود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کاتبان وحی میں سے  
تھے یہاں تک کہ انھوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ستر سو تیس ایسی  
حاصل کی ہیں جن میں کسی نے مجھ سے اختلاف نہیں کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عبداللہ بن مسعود کی روایت

پر اتنا اعتماد تھا کہ آپ نے فرمایا: قرآن چار آدمیوں سے پڑھاؤ اور شروع میں عبداللہ بن مسعود کا نام لیا۔ اسی طرح فرمایا: جس شخص کو یہ پسند ہو کہ قرآن کو اسی تلاوت کے ساتھ پڑھے جس میں وہ نازل ہوا ہے تو اسے قرآن ابن ام عبد کی قرأت سے پڑھنا چاہیے۔ ان وجوہ سے اگر حضرت عبداللہ بن مسعود شیخ القراء اور امام المحدثین ہو گئے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

عہد صدیقی و فارسی عبداللہ بن مسعود جس حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں پرہ اندوز تھے اسی سے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے زمانوں میں بھی مستفید رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب ارادہ کیا کہ کوفہ میں کسی لینے امام کو بھیجیں جو لوگوں کو تعلیم دے تو انھوں نے عبداللہ بن مسعود کو انتخاب کیا اور کہا: میں نے عمار بن یاسر کو تمہارے لئے امیر اور عبداللہ کو معلم اور وزیر بنا کر بھیجا ہے۔ یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شریف صحابہوں اور اہل بدر ہیں اس لئے ان کی یردگی کرو اور انکی بات سنو۔

عہد عثمانی جب حضرت عثمان بن عفان خلیفہ ہوئے تو عبداللہ بن مسعود کو فنی ہی میں رہے۔ جہاں وہ قرآن پڑھاتے، حدیث کی روایت کرتے اور لوگوں کو تعلیم دیتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت عثمان نے چاہا کہ قرآن کریم میں سُستی اور غفلت برتنے سے جو نتائج نکل سکتے ہیں ان کی تلافی کے لئے قرآن مجید کے نسخے کروائیں چنانچہ حضرت حفصہ بنت عمر نے فوراً حضرت عثمان کے پاس صحیفے بھیجے تاکہ ان سے کئی نقلیں کروا کر شہروں میں بھیج دیں۔ اس کام کو حضرت زید بن ثابت، عبداللہ بن الزبیر، سعید بن العاص اور عبدالرحمن بن الحارث بن ہشام سرانجام دینے لگے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن مسعود جو حضرت زید سے عمر اور مرتبہ میں زیادہ تھے اس کے باوجود حضرت عثمان کا انھیں اس معاملہ میں نظر انداز کر دینا عبداللہ کی برہمی کا باعث ہو گیا۔ اور انھوں نے لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر تقریر کی: کیا لوگ مجھے اس بات کا حکم دیتے ہیں کہ میں زید بن ثابت کی قرأت پر قرآن پڑھاؤں، اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ میں نے ستر سورتیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے اخذ کی ہیں۔ بخدا قرآن میں سے جو بات بھی نازل ہوئی ہے میں اس کے متعلق ضرور جانتا ہوں کہ وہ کس بارے میں ہے اللہ کی کتاب کو مجھ سے زیادہ جانتے والا کوئی نہیں، اگر مجھے کسی ایسے شخص کا علم ہو جس کے پاس مجھے اونٹ پہنچا دے اور یہ معلوم ہو کہ وہ قرآن کریم کو مجھ سے زیادہ جانتا ہے تو میں ضرور اس کے پاس پہنچوں گا! یہ سن کر حضرت عثمان نے ان کے پاس حکم بھیجا کہ وہ مدینے چلے آئیں۔ اور ان کے دشمنوں نے اس بات سے حضرت عثمان کے مقابلے کے لئے فائدہ اٹھانا چاہا۔ لیکن حضرت عبداللہ نے اپنا دامن اس سے پاک رکھا۔ وہ حضرت عثمان خلیفہ وقت کے حکم کی تعمیل کے سوا کسی بات پر آمادہ نہ ہوئے اور یہ کہا: اس طریقے سے ایسے معاملات اور فتنے اٹھ کھڑے ہوں گے کہ میں نہیں چاہتا کہ ان کا دروازہ کھولوں۔ پھر وہ مدینے چلے گئے اور مرتے دم تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا احترام کرتے رہے۔ اس طرح حضرت عبداللہ بن مسعود نے اپنے دامن کو اس آلائش سے پاک رکھا جس سے دوسرے صحابہ کے دامن آلودہ ہو گئے تھے۔

وفات حضرت عبداللہ بن مسعود نے ۳۲ھ میں وفات پائی اور بقیع میں دفن

کئے گئے۔ ان کے جنازہ کی نماز حضرت عثمان نے پڑھائی۔ ان کی عمر اس وقت ساٹھ سال سے کچھ زیادہ تھی۔ ان کے ساتھ نامورانِ اسلام ہیں سے اکینٹے نامور بزرگ کی کتاب زندگی تہ ہو گئی جو کاتبِ وحی، امام القرار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے عزیز و محبوب صحابی تھے۔

حضرت عبداللہ کوتاہ قد اور لاٹھکتے۔ طویل القامت لوگ جس وقت بیٹھے ہوتے تو حضرت عبداللہ بن مسعود کھڑے ہو کر بھی قریب قریب ان کے برابر رہتے۔ مگر اس لپٹا قامتی سے ان کی قدر و منزلت میں کوئی کمی نہیں ہوتی بلکہ ان کے علم، ایمان اور جہاد نے ان کو نیکو کار شہدار کی صف میں کھڑا کر دیا تھا۔

بلاشبہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی تاریخ سچی اسلامی جمہوریت کی تصویر پیش کرتی ہے جو غلام اور حلیف کو بھی اشراف اور سرداروں کی صف میں پہنچا دیا کرتی ہے۔ ایسے کتنے شریف ہوں گے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں حضرت عبداللہ کا مرتبہ دیکھ کر ان پر حسد کیا حضرت عبداللہ بن مسعود کو حضور کی خوشنودی حاصل رہی اور اسی حال میں ان کا انتقال ہوا اور صدیقین و صالحین میں شامل ہوئے :

# حضرت ابوذر الغفاری

دقائق ۳۱ ص ۱۴۰

اب ایک اور بلند مرتبہ صحابی حضرت ابوذر الغفاری کے حالات بیان کئے جاتے ہیں۔ یہ بھی عرب کے ان پیشرو لوگوں میں سے ہیں جنہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور ان کی رسالت کی تصدیق کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ اور جن کی زندگی اسلامی تسامح (یعنی سہولت و نرمی) اور مہذب گسٹری کی ایک نہایت اچھی اور قابل تعریف مثال تھی۔

حضرت ابوذر جناب بن جباؤہ بن قیس بن عمرو بن لیل بن صعیر بن حرام الغفاری سے قبیلہ غفار کی طرف منسوب ہیں۔ ان کی والدہ رضیبتہ بنی غفار میں سے تھیں۔ جن کا قیام قریش کے جانب شام والے تجارتی راستے میں رہتا تھا۔ اور مکہ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے، ہمیں وحیشہ اور شام کے درمیان تجارت کا مرکز تھا۔

اسلام ابوذر کا شمار ان لوگوں میں سے ہے جو اسلام کی طرف سبقت کر کے یا سابقہ اولیں کہلاتے ہیں۔ ان کی اس خصوصیت کی نسبت یہاں تک کہا گیا ہے کہ

۱۔ ایک قول یہ بھی ہے: جناب بن جباؤہ بن سفیان، بن عبید بن حرام بن غفار بن ملیح بن صمرہ بن بکر بن عبدمناتہ بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ الغفاری۔ (مولف)

یہ اسلام لانے والوں میں چوتھے شخص ہیں۔ ان کے اسلام لانے کا قصہ یہ بیان کیا ہے کہ جب انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بنی ہونے کی خبر پہنچی تو انھوں نے اپنے بھائی سے کہا: اس راوی کی طرف سوار ہو کر جاؤ اور مجھ سے اس شخص کا حال بیان کرو۔ جو اپنے آپ کو بنی سمجھتا ہے اور جس کے پاس آسمان سے کھلائی آتی ہے۔ اس کی باتیں اس سے سنو اور مجھے پہنچا دو۔ ان کے بھائی گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ کر آپ کی باتیں سنیں پھر ابوذر کے پاس واپس ہوئے اور ان سے کہا: میں نے انھیں مکارم اخلاق کا حکم دیتے اور ایسا کلام پڑھتے ہوئے سنا جو شعر نہیں ہے۔ حضرت ابوذر نے جواب دیا میں نے جو کچھ چاہا کھا۔ اس کی نسبت تم نے میری تشفی نہیں کی۔ پھر وہ مکے پہنچ کر مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ جب رات آگئی تو مسجد میں لیٹ گئے۔ پھر جب حضرت علی بن ابی طالب کو دیکھا تو یہ ان کے پیچھے ہوئے۔ دونوں نے ایک دوسرے سے کوئی بات نہ پوچھی۔ اسی میں صبح ہو گئی۔ اب ابوذر پھر مسجد میں آگئے اور دن بھر اسی کے سائے میں سائے میں گزارا جب شام آئی تو پھر خواب گاہ کی طرف لوٹے ان کے پاس سے حضرت علی کا گزر ہوا جنہوں نے ان سے کہا: کیا ابھی اس شخص کے لئے اس کا وقت نہیں آیا کہ وہ اپنی منزل سے مطلع کرے؟ پھر وہ ان کے ساتھ چلے۔ اب بھی دونوں میں سے کسی نے کچھ نہ پوچھا۔ یہاں تک کہ مستیرا دن ہوا تو اس دن بھی حضرت ابوذر نے وہی طریقہ اختیار کیا جو پچھلے دونوں میں اختیار کر چکے تھے۔ حضرت علی نے انھیں کھڑا کر کے ان سے کہا: کیا تم مجھ سے یہ بیان نہ کرو گے کہ کس لئے آئے ہو؟ انھوں نے کہا: اگر آپ مجھ سے یہ وعدہ کریں

۱۔ ایک دوسری روایت کے لحاظ سے ابوذر الغفاری پانچویں مسلمان ہیں۔ (مؤلف)



کہ میری رہبری کریں گے۔ تو میں بیاں کر دیاں گا۔ حضرت علی نے وعدہ کیا اور ابوذر نے اپنے آنے کی وجہ بیان کی۔ پھر حضرت علی نے ان سے کہا: وہ سچے ہیں۔ اور بے شبہ وہ اللہ کے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) جب تم صبح کو اٹھو تو میرے ساتھ ہو لینا۔ اس وقت اگر میں کوئی ایسی بات بکھول گا جس میں تمہارے لئے اندیشہ ہو تو اس طرح کھڑا ہو جاؤں گا گویا میں پانی بہا رہا ہوں اگر تم کھڑے جاؤں تو تم میرے پیچھے چلے آنا یہاں تک کہ جہاں میں جاؤں تم بھی آجانا ابوذر نے ایسا ہی کیا۔ اور ان کے پیچھے چلتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور ان کی باتیں سنیں اور اسی وقت اسلام لے آئے۔ اس وقت حضور نے ان سے فرمایا اپنی قوم میں واپس جاؤ اور انھیں باخبر کرو۔ یہاں تک کہ میرا حکم کہتے پہنچے۔ ابوذر نے کہا: خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ میں تو ان کے سامنے اسے پکار پکار کر کہوں گا۔ پھر زور دیا کہ مسجد میں آئے اور بلند آواز سے پکار کر کہا: اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ "لوگ ان کی طرف چل پڑے اور انھیں مارتے مارتے لٹا دیا۔ حضرت عباس نے ان کو ابوذر کو ان کی ایذا رسانی سے بچایا اور کہا: تمہارا براہو کیا تم نہیں جانتے کہ یہ شخص غفار کا ہے۔ اور یہ شام کی طرف جانے کیلئے تمہارے تاجروں کا راستہ ہے۔ دوسرے دن حضرت ابوذر نے پھر واپس آیا اور ان لوگوں نے انھیں بھی حضرت عباس نے ان لوگوں سے بچایا۔

یہی ہے کی ولایت حضرت ابوذر مدینے آنے والے مہاجرین اویں میں سے نہیں ہیں بلکہ یہ اس وقت تک مکے ہی میں رہے جب تک بدر اور احد کے غزوات نہ

۱۹ "ادب القاری" کے معنی بطور کنایہ پیشاب کرنا ہیں۔ (ادارہ)

ہو گئے۔ اس کے بعد یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آئے اور آپ کا اتنا اعتماد حاصل کیا کہ حضور نے انھیں دو مرتبہ مدینے کا والی بتایا۔ پہلی مرتبہ جب ہجرت کے چوتھے سال نجد میں بنی محارب اور بنی ثعلبہ کے ارادے سے جہاد فرمایا۔ اور دوسری مرتبہ جب ۳ھ میں بنی المصطلق بن خزاعہ سے جہاد کیا جو بنی مدلیج کے حلیفوں میں سے تھے۔ یہ غزوہ مقام قدیدہ کے قریب ہوا۔ جو مکے سے مدینہ کے راستے پر واقع ہے۔

غزوہ تبوک جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ھ میں رومیوں سے لڑنے اور حجاز کے شمال میں اپنا اثر و نفوذ مضبوط کرنے کا عزم فرمایا تو اپنے بعض صحابہ میں کچھ بددلی پائی۔ ادھر منافقین عبد اللہ بن ابی کی سرداری میں آپ سے ہٹ گئے۔ اس وقت جن صحابہ نے غزوہ تبوک میں جو مدینے سے بارہ فرسخ کے فاصلے پر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کی انھیں میں حضرت ابوذر بھی تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شینۃ الوداع سے روانہ ہوئے اس وقت آپ کے صحابہ میں سے کوئی شخص پیچھے رہ جاتا تو مسلمان کہتے: یا رسول اللہ فلان شخص پیچھے رہ گیا۔ آپ فرماتے: اسے چھوڑو، اگر اس کے اندر کھلائی ہے تو اللہ اسے عتق فریب تم سے لائے گا۔ اور اگر اس کے سوا ہے تو اللہ تمہیں اس سے نجات دے گا۔ حضرت ابوذر کو اپنے اونٹ پر دیر ہونے لگی تو انھوں نے اپنا سامان اپنی پیٹھ پر لادا اور پھر پاپا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چلتے رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض منزلوں پر اترے مسلمانوں میں سے ایک شخص نے دیکھا تو کہا: یا رسول اللہ یہ شخص اکیلا راستے پر پھیل چل رہا ہے۔ فرمایا: ابوذر ہوں گے۔ جب قوم نے غور سے دیکھا تو کہا: یا رسول اللہ وہ ابوذر

ہی ہیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ ابو ذر پر رحم کرے  
 تنہا پیدل چل رہا ہے، تنہا انتقال کرے گا۔ اور تنہا ہی قیامت کے دن اٹھایا  
 جائے گا۔ پھر جب ابو ذر نے آپ کو اپنے اونٹ کی خبر سنائی تو فرمایا: اگرچہ  
 تم ان لوگوں میں سے ہو۔ جن کا پیچھے رہنا مجھے بہت گراں گرا ہے تاہم  
 جب تک تم میرے پاس پہنچے ہو اللہ نے تمہارے ہر قدم کے برابر تمہارے  
 گناہ بخش دیئے ہیں۔

ابو ذر نے ان عربی فتوحات میں حصہ نہیں لیا جو حضرت ابو بکر اور  
 حضرت عمر کے عہد میں تکمیل کو پہنچیں۔ تاہم ان کے رہنے کی بلندی اس درجے  
 پر پہنچ گئی تھی کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو عطیات تقسیم کرنا  
 شروع کئے تو ابو ذر کو بھی بدر میں شریک ہونے والوں میں شامل کیا  
 اگرچہ حقیقتاً وہ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ ایک روایت یہ ہے  
 کہ ابو ذر حضرت عمر کے خلیفہ ہونے تک مدینے ہی میں رہے پھر وہ شام روانہ  
 ہوئے اور وہیں کے دیوان سے متعلق رہے یہ اس دوران میں مدینے  
 آتے جاتے اور یہاں ٹھہرتے رہے یہاں تک کہ حضرت عثمان کو خلافت ملی۔  
 ابو ذر اور حضرت عثمان ابو ذر نے دیکھا کہ حضرت عثمان مروان بن حکم کو بہت سا مال دیتے

ہیں، اپنے بھائی حارث کو تین لاکھ درہم عطا کرتے ہیں ازید بن ثابت  
 الانصاری کو ایک لاکھ درہم بخش دیتے ہیں، تو انھوں نے اس بات کو  
 ناپسند کیا۔ اور یہ کہہ کر اپنی ناگواری کا اظہار کیا: کافروں کو دوزخ کی بسات  
 دو۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول تلاوت کرنے لگے: وَالَّذِينَ يَكْنُزُونَ الذَّهَبَ  
 وَالْفِضَّةَ وَلَا يَتَّقُونَ نَهَانِي فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلْيَسِّرْ لَهُمْ بَعْدَ ابِ اِكِيم (اور  
 جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور سے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں

کرتے اکھین دردناک عذاب کی بشارت دو) جب مردان نے ابوذر کا یہ قول سنا تو خلیفہ سے ان کی شکایت کی۔ حضرت عثمان نے اپنا غلام ان کے پاس بھیج کر اس بات کے کہنے سے منع کیا۔ ابوذر نے توجہ نہ کی اور کہا: کیا عثمان مجھے اللہ کی کتاب پڑھنے سے منع کرتے ہیں؟ بے شبہ عثمان کو ناراض کر کے اللہ کو راضی کرنا مجھے اس بات سے زیادہ عزیز ہے کہ اللہ کو ناراض کر کے عثمان کو راضی کروں۔

ابوذر حضرت عثمان کی سیاست پر برا بر تنقید کرتے رہے جنہوں نے ابوذر کو شام چلے جانے کا حکم دیا۔ اب یہ وہیں سے حضرت عثمان اور شام پران کے مقرر کردہ والی امیر معاویہ کی سیاست پر نکتہ چینی کرنے لگے۔

ابوذر حضرت عثمان کی سیاست سے جس نا پسندیدگی و انکار کا اظہار کیا کرتے تھے۔ اس میں بہت سے مسلمانوں کی رایوں کی جھلک ہوتی تھی جنہوں نے حضرت عثمان پر یہ اعتراض کرنا شروع کر دیا تھا۔ کما کھوں نے بڑے بڑے صحابہ کا دلائتوں کی جانب روانہ ہونا اور وہاں کی جائدادوں کا وارث بننا اور رکھا ہے۔ ادھر مدینے اور مکے میں جن اموال کی بارش ہو رہی تھی عربوں کے دلوں پر اپنا رنگ جانے لگی۔ اس دولت و ثروت نے اکھین بتوں سے ہرہ اندوز ہونے پر اکسا نا شروع کیا اور اس حد تک اکسا یا کہ ان میں سے بعض کو شان و شوکت اور خوشحالی کی زندگی گزارنے پر آمادہ کر دیا اس طرح مدینے میں بعض اقسام کے لہو و لعب پھیل گئے۔ اور حضرت عثمان ان لوگوں کے ہاتھ روکنے پر مجبور ہوئے۔ اکھوں نے ان میں سے بعض کو مدینے سے نکال دیا۔ اپنے اس نقصان پر یہ لوگ اور ان کے رشتہ دار و غیرہ بدتم ہوئے اور صحابہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود، ابوذر الغفاری اور عمار بن یاسر جیسے

اصحاب کے اعزہ بھڑک اٹھے۔

یہ تو مدینے کا حال تھا جو عربی حکومت کا پایہ تخت اور اس کا دھڑک رہا تھا۔ رہیں اسلامی ولایات تو ان میں جو لوگ حضرت عثمان سے ناراض تھے اور یہاں جلا وطن کئے گئے تھے۔ ان کے اندر قوم کے دو طبقات بن گئے تھے۔ ایک استقرائیین یعنی امرا کا طبقہ دوسرا مقاتلین جنگجو یوں کا طبقہ۔ امرا کے طبقے میں وہ لوگ تھے جن کے پاس بکثرت مال و دولت تھا انھوں نے اموال غنیمت کو اپنے لئے مخصوص کر لیا تھا۔ اور مقاتلین کو اس سے محروم کر دیا تھا۔ ان کا دعویٰ تھا کہ مال غنیمت اللہ کیلئے ہے۔ مجاہدین کے لئے صرف کھوڑا سا معاوضہ ہے۔ جو اسے ادا کر دیا جاتا ہے۔

جب ان جنگجو یوں نے جن میں بیشتر بدوی تھے دیکھا کہ بڑی بڑی قوم کو قریش کے احکام اور قائدین اپنے لئے مخصوص کر رہے ہیں تو انھوں نے اعلان کر دیا کہ اموال غنیمت تو ان کے ہیں حکومت کے نہیں۔ اور مال تو مسلمانوں کا مال ہے اللہ کا مال نہیں۔

اس طریقے سے اس وقت کی تمام فضلاء میں عبداللہ بن صحابہ اور اس کے گروہ کی تحریک کو قبول کرنے کی پوری صلاحیت پیدا ہو گئی تھی اور اس کے اثرات بہت دور تک پہنچ چکے تھے۔

ابوذر کے رجحانات اس شورش کی آگ کو ایک قدیم صحابی نے ہرادی تھی جو تقویٰ اور پرہیزگاری میں اور دنیا و متاع دنیا کے ساتھ زہد برتنے میں بہت مشہور تھے۔ یہ صحابی وہی ابوذر العفاری ہیں۔ حضرت ابوذر فقرا و صفا میں سے تھے۔ اس نے کچھ بعید نہیں کہ ان کے اشتراکی رجحانات میں اس کا اثر ہو۔ ابن سبأ شام میں وفد لے کر آیا اور اس نے حضرت ابوذر کے

حضرت معاویہ کے خلاف بھڑکا کر کہا: اے ابو ذر، تم معاویہ پر تعجب نہیں کرتے جو کہتے ہیں کہ: مال اللہ کا مال ہے؟ آگاہ ہو کہ ہر چیز اللہ ہی کی ہے گویا ان کی مراد یہ ہے کہ اسے مسلمانوں سے روک دیں اور مسلمانوں کو سٹا دیں یعنی بخشش کے دفتر سے ان کا نام محو کر دیں۔

اس لئے جب ہم ابو ذر کو دیکھتے ہیں کہ وہ امیر معاویہ کی سیاست سے بیزار ہی ظاہر کرتے ہیں۔ اور دو لہتمندوں کو فقراء پر رحم کرنے پر اکساتے ہیں، اموال کے ذخیرہ کرنے اور اکھنیں گاڑ گاڑ کر رکھنے سے اللہ کے اس قول کی بنا پر روکتے ہیں: وَالَّذِينَ يَكْنُزُونَ الذَّنْبَ وَالْعُسْتَةَ لَا يَنْفَعُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَشْرَاهُمْ بَعْدَ ابْتِغَاءِ الْيَمْرِ يَوْمَئِذٍ يَخْتِئُ عَلَيْهِمُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَنُكْوَى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُيُوثُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَذَا مَا كُنْتُمْ لَا تَفْسِكُمْ۔

(جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے اکھنیں دروناک عذاب کی بشارت دے۔ جس دن ان چیزوں کو دوزخ کی آگ میں تپا یا جائے گا اور ان سے ان کی پیشانیوں اور پہلوؤں اور پشتوں کو داغ دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا) یہ ہے وہ جسے اپنے لئے جمع کر کے رکھا تھا، اس لئے جس چیز کو جمع کرتے تھے اس کا نرا حکم اسی طرح جب ہم فقراء کو اس حال میں پاتے ہیں کہ وہ ابو ذر کے گرد جمع ہو رہے ہیں اور تو نگرہوں کے ساتھ برا سلوک کر رہے ہیں اس وقت بھی ہمیں تعجب نہیں ہوتا۔ اس معاملے میں یہاں تک نوبت پہنچی کہ لوگوں نے اس بات کی شکایت امیر معاویہ سے کی۔ پھر جب یہ قضیہ حضرت عثمان کے گوش گزار کیا گیا تو اکھنیں یقین آگیا کہ نقتنہ سہرا کھا چکا ہے لہٰذا

مَا كَانَ انْفِقْتَهُ فَمَا خَرَجَتْ خَطْمُهَا وَعَيْنُهَا

**وقایع** اب حضرت عثمان نے ابوذر کو بلا بھیجا۔ جب وہ مدینے میں آئے اور دیکھا کہ حضرت عثمان کے خلاف سازش کرنے کے لئے جلسے ہو رہے ہیں تو اکھنوں نے اہل حلب میں بیکار کر کہا: اہل مدینہ کو پھیلی ہوئی لوٹ اور خوف ناک لڑائی کی بشارت دو۔ اس طرح ابوذر نے اپنی اشرافیہ کی طرف اور حضرت عثمان کے خلاف طعن و تشنیع کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہاں تک کہ حضرت عثمان ان سے تنگ آگئے اور انھیں "ربذہ" میں رہنے کا حکم جو مدینے کے قریب ایک چھوٹا گاؤں ہے۔ یا اس مقام کی طرف انھیں وطن کر دیا۔ لیکن اکھنوں نے حضرت عثمان کی سیاست پر شدید حملے جاری رکھے۔ یہاں تک کہ ۳۳ھ میں ان کا انتقال ہو گیا۔

بعض روایات میں ہے کہ ربذہ میں ان کے ساتھ صرف ان کا بیوی اور غلام بھتیں۔ جب انھیں اپنی موت کا وقت قریب محسوس ہوا تو ان دونوں کو وصیت کی "تم دونوں مجھے غسل دو اور کفن پہناؤ۔ پھر راستے کے بلند مقام پر رکھ دو۔ اس کے بعد جو پہلا سوار گروہ تمہارے پاس سے گزرے اس سے کہو" یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ابوذر جنابزہ ہے۔ ہمیں ان کے دفنانے میں مدد دو" جب ان کا انتقال ہو گیا تو ان دونوں نے ان کا جنازہ راستے میں بلند مقام پر رکھ دیا۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن مسعود اہل عراق کے ایک گروہ کے ساتھ ادھر سے گزرے تو انھیں راستے پر جنازہ دیکھ کر پریشانی ہوئی جس کی نسبت قریبی ان کے بھقا کہ اونٹ اسے کچل دیں گے مگر غلام ان کی طرف بڑھا اور اس نے کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ابوذر ہیں۔ ہمیں ان کے دفن میں مدد دیجئے" یہ سن کر حضرت عبداللہ بن مسعود رو دیئے اور کہا: سچ فرما

تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے : تم اکیلے پیدل چل رہے ہو، اکیلے انتقال  
 کر دگے، اور اکیلے ہی حشر میں اٹھائے جاؤ گے ۛ پھر وہ اور ان کے ساتھی  
 اتر پڑے اور ابوذر رضی اللہ عنہ کو دفن کیا۔

فضائل حضرت ابوذر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابیوں  
 میں اور اسلام کے سابقین اولیں میں سے تھے۔ یہ دینی تفقہ اور  
 اور روایت حدیث میں مشہور تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
 ان کی بڑی قدر کرتے تھے۔ یہاں تک کہ جب یہ زندہ جانے لگے تو  
 کچھ دور تک ان کے ساتھ چلے اور اس بات سے خلیفہ حضرت عثمان  
 بن عفان کی برہمی مولیٰ آپ نے ابوذر کی نسبت فرمایا تھا: ابوذر  
 نے اتنا علم جمع کیا کہ لوگ اس کے حصول سے عاجز رہے۔ کچھ کئیہ علم کو  
 اس طرح بانڈھ دیا کہ اس میں سے کچھ بھی باہر نہ گیا (بلکہ محفوظ رہا) حضرت ابوذر  
 سے بہت سے صحابہ مثلاً انس بن مالک، عبد بن عباس، اور ابو ادیس، الخولانی  
 رضی اللہ عنہم نے حدیث روایت کی ہے۔

حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں حضرت ابوذر کی  
 بڑی جگہ تھی۔ آپ ان کے اسلام کی طرف سبقت کرنے اور اس کی امداد میں  
 جان نثار کرنے کا ذکر کیا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے  
 کہ آپ نے فرمایا: ابوذر میری امت میں عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کے زہد پر ہیں  
 آپ ہی سے ایک اور روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ابوذر سے زیادہ سچی زبان  
 والے کو نہ زمین نے اٹھایا نہ آسمان نے سایہ ڈالا (یعنی ان سے زیادہ راست  
 گفتار زمین و آسمان کے درمیان کوئی نہیں)۔ طبرانی نے روایت کی ہے: ابوذر  
 جب موجود ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے امتدا



فرماتے اور جب غائب ہوتے تو اکھنیں تلاش فرماتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ نے چار آدمیوں سے محبت کرنے کا حکم دیا ہے اور خبر دی ہے کہ وہ اللہ بھی ان سے محبت کرتا ہے۔ (وہ یہ ہیں): علی، مقداد بن الاسود البوزر، سلمان فارسی،

# حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

## شہادت ۱۰ - ۱۲ھ

**نام و نسب** حضرت عبداللہ بن عمر کا شمار صفت اول کے صحابہ میں ہے جو زہد و تقویٰ میں مشہور تھے اور جن کو اتباع سنت، روایت حدیث اور تفسیر قرآن میں ہجر کا درجہ حاصل تھا۔ ان کی نسبت یہاں تک کہا گیا ہے کہ: جس نے بھی دنیا کو پایا دنیا اس پر مائل ہو گئی۔ اور وہ دنیا پر مگر عبداللہ بن عمر اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ان کا نسب یہ ہے عبد بن عمر بن خطاب بن نفیل القرظی الحدوسی۔ ان کی ماں زینب بنت مطعون الجمحیہ ہیں اور بہن ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما۔

**اسلام** حضرت عبداللہ بن عمر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کے تیسرے سال پیدا ہوئے اور مکہ کے بابرکت ماحول میں اور قریش کے اس معزز خاندان میں پر و ان چڑھے۔ اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ نے ان کے والد بزرگوار کا دل اسلام کے لئے نرم کر دیا اور ایسی حالت میں کہ یہ اسلام کے سخت ترین دشمن اور اس کے نہایت سرکش مخالف تھے ان کے دل سے نور رسالت محمدیہ کی کرنیں بھوٹ نکلیں۔ یہ اسلام لائے تو ان کے ساتھ ان کے بیٹے عبداللہ بھی مسلمان ہوئے جو ابھی کمسن بچے ہی تھے۔ اس طرح پہلے مسلمان ہونے والے لڑکوں

یہ بھی شامل ہیں۔ ان کے والد مسلمان ہونے کے بعد اللہ اور رسول کے ساتھ اخلاص میں بہت سخت ثابت ہوئے۔ تو یہ خود ان صفات میں تمام لڑکوں سے بازی لے گئے۔

مزاج | عبد اللہ نے حضرت عمر الفاروق کی آغوش میں نشوونما پائی جس طرح ایک سچا مومن اپنے لخت جگر کو تربیت دیتا ہے اسی طرح شفیق باپ نے ان کو بہترین تربیت دی تھی اسی لئے ان کا دل خلوص سے اور سینہ اسلام سے معمور تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہِ خداوندی سے حکم ہوا کہ آپ مکے سے ہجرت فرما کر اپنے دین کے ساتھ مدینے چلے جائیں تو عبد اللہ بن عمر بھی اپنی عمر کے دسویں سال مہاجرین کے ساتھ روانہ ہو گئے بلکہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ انھوں نے اپنے والد کے ہجرت کرنے سے پہلے ہجرت کی تھی۔

مدنی زندگی | حضرت عبد اللہ بن عمر نے مدینے میں مقیم ہونے کے بعد مدینے کی وہی زندگی اختیار کر لی جس کا دور وہاں ہجرت نبویہ کے بعد سے شروع ہو چکا تھا۔ کھپ اللہ تعالیٰ نے جہاد مقرر فرمایا اور مسلمانوں پر فرض کر دیا کہ وہ اپنے دین کے دفاع کے لئے مشرکین سے لڑیں اور اس مقصد کے لئے اپنی جان اور مال قربان کریں۔ ہنوز حضرت عبد اللہ کم عمر اور تازہ شاخ کی طرح کمزور تھے اس کے باوجود وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جان بخشی کے سوا کسی بات پر راضی نہ ہوتے تھے انھوں نے جنگ بدر کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کم عمر قرار دیا۔ جب مسلمانوں کی صفوں میں شامل ہو کر لڑنے کی یہ خواہش پوری نہ ہوئی تو یہ افسوس کرتے ہوئے واپس ہوئے۔ اس کے بعد جب غزوہ خندق ہوا تو حضرت عبد اللہ بن عمر کی عمر کا پندرہ ہوا

سال تھا۔ اب یہ نوجوان تھے اور مردوں کے درجہ پر پہنچ چکے تھے۔ اس لئے جہاد میں شریک ہوئے اور جو آرزوان کے دل میں مچل رہی تھی وہ پوری ہوئی۔ پھر جب مسلمانوں نے فتح مکہ کا ارادہ کیا تو ہاجر نوجوانوں میں سے جن لوگوں نے جہاد میں شرکت کی تھی حضرت عبداللہ بن عمران میں پیش پیش تھے۔ اس وقت ان کی عمر بیس سال کے لگ بھگ تھی۔

زندگی کا نیا دور

اس کے بعد اللہ کو منظور ہوا کہ یہ نوجوان اپنی زندگی کے نئے دور میں داخل ہوا اس نے ان کا سینہ کھول دیا اور دل کو ایمان سے معمور فرما دیا ابھی یہ نونیز لڑکے ہی تھے کہ انھیں ایک خواب کی صورت میں ہدایت پہنچی جو انھوں نے نماز کے بعد مسجد ہی میں اٹھ لگ جاتے کے بعد دیکھا تھا۔ خود راوی ہیں: میں نے خواب میں دیکھا گو یاد فرشتے میرے پاس آئے اور مجھے لے گئے۔ میں نے یہ خواب حضرت حفصہ سے بیان کیا اور انھوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا۔ اسے سن کر آپ نے فرمایا: عبداللہ اچھے شخص ہیں اگر رات کو نماز میں پڑھا کریں۔

اس کے بعد سے حضرت عبداللہ رات کا بہت کم حصہ سونے میں گزارتے۔ تقریباً پوری رات خضوع و خشوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں صرف کر دیا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر کی رقت قلب اور محبت رسول کا یہ حال ہو گیا تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتا تو رو دیتے۔ جب آپ کے غزوات کے مقامات میں سے کسی جگہ پہنچتے اپنی آنکھیں بند کر لیتے اور ان سے آنسو گرنے لگتے۔ اسی طرح جب قرآن پڑھتے گم یہ طاری ہو جاتا پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں مزید شرح صدر عطا فرمایا اور ہدایت بخشی۔ یہ

حبیب رسول

حدیث کی روایت اور قرآن کریم کی تفسیر پر متوجہ ہوئے اور ان دونوں شعبوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور آپ کے بعد ان کو کمال حاصل رہا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر بیعت خلافت مکمل ہوئی اور جب آپ ابو لؤلؤ کے خنجر سے زخمی ہوئے اور آخری

**مسئلہ جانشینی پر غور و خوض**

وقت قریب محسوس ہوا تو چند صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے پاس آئے اور آپ سے کہا: یا امیر المؤمنین، آپ اپنا جانشین مقرر فرمادیجئے تو اچھا تھا۔ کہا: میں کسے جانشین بناؤں، اگر ابو عبیدہ بن الجراح زندہ ہوتے تو ابھین جانشین مقرر کر دیتا۔ ایک شخص بول اٹھا: میں آپ کی رہبری کروں، عبداللہ بن عمر کو کر دیجئے۔ حضرت عمر نے فرمایا: اللہ تمہیں ہلاک کرے بخدا میرا یہ وہ نہیں ہے، ہمیں تمہارے معاملات سے کوئی سروکار نہیں۔ میں نے اسے (خلافت کو) اپنے گھردالوں میں سے کسی کیلئے پسندیدہ نہیں جانا نہ مجھے ان کے لئے اس چیز کی کوئی رغبت ہے۔ خاندان عمر کے لئے اتنا ہی بہت ہے کہ ان میں سے ایک شخص کا محاسبہ کیا جائے اور امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اس سے پوچھ گچھ ہو۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو اندیشہ ہوا کہ حضرت عمر کسی کو جانشین بنائے بغیر ہی دنیا سے کوچ کر جائیں گے تو وہ ایک بار اور آپ کے پاس گئے اور کہا: یا امیر المؤمنین، کسی کے لئے وصیت فرمادیجئے۔ اپنے جواب دیا: تمہیں چاہیے کہ ان چند آدمیوں کی پیروی نہ چھوڑو جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری وقت تک راضی رہے اور جن کی نسبت

فرمایا کہ یہ لوگ جنتی ہیں۔ ان لوگوں میں یہ حضرات شامل ہیں۔ علی بن ابی طالب،  
عثمان بن عفان، سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمن بن عوف، الزبیر بن العوام،

طلحہ بن عبید اللہ اور عبداللہ بن عمر۔ (رضی اللہ عنہم)

یہ تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے اپنے بیٹے عبداللہ کے متعلق۔ یہ رائے  
خواہش نفس یا ذاتی عرض کی وجہ سے نہ تھی۔ بلکہ ایک حقیقت واقعی کے  
اعتراف کے طور پر تھی اس میں اس علم و فضل اور زہد و تقویٰ کا اعتراف  
تھا۔ جو ان کے بیٹے میں موجود تھا اور جس کی وجہ سے بعض صحابہ اس بات  
پر مجبور ہوئے تھے۔ کہ انہیں باپ کے بعد منصب خلافت کے لئے تیار کریں۔  
جیسا کہ آپ کو معلوم ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ خواہش نفس کے معاملے  
میں سب لوگوں سے زیادہ دور تھے۔ اور فضیلت و معدت میں بھی ان کا  
درجہ تمام صحابہ سے بڑھا ہوا تھا۔ اسی لئے فاروق کے نام سے موسوم ہوئے  
جب شور لی منعقد ہوئی تو حضرت عبداللہ بن عمر نے حضرت عثمان  
کو خلیفہ اختیار کرنے میں شرکت کی۔ علم و فضل اور تقویٰ کے سوا کوئی چیز  
ان کے لئے اس بات کی محرک نہیں ہوئی۔ ۱۷

جب خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انہوں  
نے حضرت عبداللہ بن عمر کے علم و فضل کی طرف سے  
بے اعتنائی نہیں کی بلکہ ان پر اعتماد کیا اور انہیں

**عبداللہ بن عمر عثمانی**  
**دور خلافت میں**

۱۷ بعض مورخین نے غلطی سے طلحہ کے والد کا نام عبداللہ لکھا ہے مثلاً دیکھئے۔ حتمی۔  
پہٹری آف دی عربس ص ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ ادارہ ۷۷ حضرت عمر کے وصیت فرمائی تھی کہ خلیفہ کے انتخاب  
میں عبداللہ سبھیث مشیر شریک ہوں مگر صرف مشورہ دے سکتے ہیں خلیفہ ہمزاد نہیں کئے جاسکتے

اپنا مقرب بنایا۔ جب اہم معاملات پیش آئے تو آپ اکھین کو سپرد فرماتے جب  
بصرہ، کوفہ اور مصر میں حالات ایک حد تک خراب ہوئے تو آپ نے چاہا  
مشہور صحابہ کو اس کام کے لئے نامزد فرمایا کہ وہ اس شورش کے اسباب معلوم  
کریں اور اسلامی ولایتوں میں حقیقت حالات سے آگاہ ہوں۔ ان میں  
محمد بن مسلمہ کو کوفہ، اسامہ بن زید کو بصرہ، عبداللہ بن عمر کو شام اور عمار بن  
کو مصر روانہ کیا۔ سوائے حضرت عمار کے یہ سب خلیفہ کے پاس واپس آئے۔  
حضرت عمار کو شورشیوں نے کھپلا کر مصر ہی میں ٹھہرا لیا۔

اس کے بعد حضرت عثمان شہید ہوئے اور مدینہ و مصر  
اسلامی مشہروں میں فتنے اور فساد کے شعلے کھڑکنے لگے۔  
حضرت بنت عمر نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی

## تحریک اصلاح سے کنارہ کشی

نکلنے کا عزم کر لیا تھا مگر ان کے بھائی عبداللہ نے اکھین اس ارادے سے باز  
اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر زعمائے بصرہ کے بہلانے اور کھپلانے میں آئے

۱۰۔ حضرت عثمان کے واقعہ قتل سے تمام ملک میں شورش اور بد نظمی پھیل گئی تھی۔ مفسدین  
مطلق العنانی نے خود مدینہ کو پر فتن بنا دیا تھا۔ حضرت طلحہ کامل چار ماہ تک خاموشی سے اس فتنہ  
فساد کا تماشا دیکھتے رہے۔ لیکن جب دربار خلافت کی طرف سے اس کے اسناد کی کوئی امید نہ رہی  
خود علم اصلاح بلند کرنے کیلئے حضرت زبیر کو ساتھ لیکر مدینے سے نکلے چلے آئے۔ کہہ میں حضرت عائشہ  
حج کے ارادے سے آئی ہوئی تھیں۔ ان سے مدینے کے حالات عرض کر کے علم اصلاح بلند کرنے  
آئادہ کیا۔ تو وہ تھوڑی دیر کے بخت و مباحثہ کے بعد راضی ہو گئیں اور حضرت طلحہ کی رہائی  
کے مطابق بصرے جانے کی تیاری ہوئی کیونکہ وہاں ان کے طرفداروں کی ایک بڑی جماعت  
موجود تھی۔ (مہاجرین ج ۱ ص ۱۱۱، ملخصاً، (ادارہ ۱۰)

اور پھر ان دونوں نے حضرت عبداللہ بن عمر کو بھی ہوا کرنا چاہا اور ان سے کہا: اے ابو عبد الرحمن، ہم سب کی ماں حضرت عائشہؓ لوگوں کے درمیان اصلاح حال کی امید سے چلی ہیں اس لئے تم بھی ہمارا ساتھ دو کیونکہ حضرت عائشہؓ کی ذات میں تمہارے لئے ایک نمونہ موجود ہے۔ اگر لوگوں نے ہم سے بیعت کر لی تو تم اس کے زیادہ حقدار ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے جواب دیا: اے بزرگو! کیا تم مجھے میری بیعت سے منحرف کرنا چاہتے ہو اور اس کے بعد مجھے ابن ابی طالب کے چنگل میں ڈال دینے کا ارادہ رکھتے ہو۔؟ لوگ دینار و درہم کے ذریعہ دھوکا دیتے ہیں۔ اور میں نے اپنی موجودہ عاقبت کے لئے اس بات کو بالکل ترک کر دیا ہے۔ اس جواب کے بعد حضرت طلحہ اور حضرت زبیر دوبارہ اس خیال سے حضرت عبداللہ بن عمر کے پاس آئے کہ شاید اب یہ اپنی پہلی رائے سے ہٹ گئے ہوں۔ مگر یہ اسی پر جسے رہے۔ کیونکہ انہیں نجات اور بھلائی پیٹھ رہتے ہی میں نظر آتی تھی۔ اسی طرح ان کی نظر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے بھی گوشہ نشینی ہی میں ان کے اعزاز و اکرام کا تحفظ تھا۔ اور مسلمانوں میں پھوٹ پڑنے اور ان کی ہوا اکھڑ جانے کے اندیشے سے بچاؤ کی صورت نظر آتی تھی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر نے حضرت طلحہ و زبیر دونوں سے کہا: آپ دونوں کو معلوم ہو کہ حضرت عائشہ کے لئے ان کا گھرانے کے ہر ذبح سے بہتر ہے۔ اور آپ دونوں کے لئے مہینے کا قیام بصرے سے اچھا ہے۔ اور نرمی تلوار سے زیادہ مناسب ہے۔ علی سے صرف وہی شخص لڑے گا۔ جو ان سے بہتر ہو۔ رہی شوریٰ تو وہ ہو چکی اس میں تم دونوں نے تقدیم و تاخیر کی۔ اب اسے ان لوگوں کے سوا ہرگز کوئی لڑتا کرنے لائے گا۔ جو اس بارے میں فیصلہ کر چکے ہیں۔ اس لئے میرے بجائے



تم دونوں ہی کافی ہو۔ مگر حضرت طلحہ اور زبیر نے ناصحوں کی نصیحت پر کان نہ دھریے۔

حضرت عبداللہ بن عمر نے حضرت علی بن ابی طالب کی بیعت کے وقت جو تڑو دیکھا تھا۔ وہ ان کے درجہ و منزلت میں کسی کی

علمی مشائغل  
میں انہماک

کے خیال پر مبنی نہ تھا بلکہ اس کا سبب صرف یہ تھا کہ حضرت

عبداللہ اس زمانے کے پر شور سیاسی جوش و خروش سے دور رہنا چاہتے تھے

ایسے وقت ان کی شان بھی وہی تھی جو حضرت عبداللہ بن عباس کی تھی وہ بڑے

سکون کے ساتھ اپنے علمی مشائغل روایت حدیث اور تفسیر قرآن میں مشغول رہے

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور خلافت کی مہم

حضرت معاویہ بن ابی سفیان کے حق میں سر ہو گئی تو بہت

سے انشرف قریش کی طرح حضرت عبداللہ بن عمر نے بھی ان

سے مصالحت کا طریقہ اختیار کیا۔ اہل وند کے ساتھ حضرت عبداللہ بھی دشمن

میں امیر معاویہ کے پاس پہنچے۔ انھوں نے عبداللہ بن عمر کو حملہ قسطنطنیہ میں

مشرک کیا۔ جس میں حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابوالیوب انصاری

بھی شریک ہوئے تھے۔ جب امیر معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کی بیعت لینا

چاہی تو حضرت عبداللہ بن عمر نے اس سے انکار کر دیا۔ انھوں نے دیکھا کہ

اس صورت میں سوری کے طریقے سے انحراف ہوتا ہے جو خلقائے راشدین

سے ابن حجر کا بیان ہے کہ چونکہ حضرت علی کے بارے میں مسلمانوں کا اختلاف تھا

اس لئے ابن عمر نے ان کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی کیونکہ ان کی رائے تھی جب کسی شخص پر لوگوں

کا اجماع نہ ہو جائے اس کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنی چاہیے۔ (رفع الباری ج ۵ ص ۱۸ - ہاجر من ج ۲ ص ۱۱)

کا مقرر کیا ہوا ہے۔ اس موقع پر امیر معاویہ کی دھمکی نے اکھین متاخر کیا نہ ان کے سونے چاندی نے وہ سنت اور شوری کے اصول کو مضبوطی سے پکڑے رہے۔ اس کی پروا نہ کی کہ معاویہ نازاں ہوتے ہیں یا رضامند۔

اس کے بعد یزید بن معاویہ کو خلافت ملی تو یزید نے عامل مدینہ کو ہدایت بھیجی کہ وہ حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت ابن الزبیر علیہ اعراض کرنے والوں سے بیعت لے۔ اس وقت حضرت ابن عباس کی طرح حضرت عبداللہ بن عمر نے بھی یزید سے بیعت کر لی اور اس بارہ میں اس وانشندانہ سیاست کو زیر نظر رکھا جسے وہ نغزش کے مواقع سے بچنے کے لئے اختیار کرنا مناسب سمجھتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر جب سے مدینے میں آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں روایت کرنے اور اکھین یاد کرنے میں مشغول ہو گئے۔ اسی لئے اکھین اپنی روایت میں بڑی شہرت ہوئی۔ اکھنوں نے اس معاملے میں دینی سوچ بوجھ پیدا کی اور اس درجے پہنچے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ساٹھ برس زندہ رہے۔ اس دوران میں ان کے پاس لوگوں کا اتنا لگا رہا تھا۔ ایک اور روایت میں

۱۰ یزید کی بیعت حضرت عبداللہ بن عمر نے کسی دلچ یا خوف کی بنا پر نہیں کی تھی۔ امیر معاویہ نے جب یزید کو ولیعہد بنا نا چاہا تو عمرو بن العاص کو ان کے پاس ان کا عندیہ لینے کے لئے بھیجا۔ اکھنوں نے جا کر دبی زبان سے اس کا اظہار کیا اور اس کے عوض ایک خطیر رقم پیش کرنا چاہی۔ رسووت کا نام سن کر وہ غصے سے کانپ اٹھے اور اسی وقت عمرو بن العاص کو کھڑے کھڑے نکال دیا۔ (مہاجرین ص ۲ ص ۲) (انارہ ۵)

بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات ان سے پوشیدہ نہ تھی۔ اکتھیں حدیث، اور روایت حدیث و شرح حدیث میں وہ مقام حاصل ہوا کہ صحابہ نے اکتھیں آئمہ دین، میں شمار کیا اور یہ کہا کہ: زید کے بعد لوگوں کے امام ابن عمر ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس شخص نے ابن عمر کا قول اختیار کیا اس نے جامعیت کا کوئی پہلو نہ چھوڑا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، پر روایت حدیث میں جتنا اعتماد کیا جاتا ہے اس کی کوئی حد نہیں یہ وقت نقل اور احتیاط و باریک بینی میں مشہور تھے رسول

روایت حدیث  
اور اتباع سنت

کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنت تھے۔ اسے محفوظ رکھتے تھے۔ جب حضور کا کوئی کام یا کوئی بات ان کی غیر موجودگی میں ہوتی تو یہ حاضر الوقت اشخاص سے اسے پوچھ لیا کرتے۔ ان کا طریقہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس مسجد میں بھی نماز پڑھتے اس میں یہ آپ کے نقوش قدم پر چلتے جس راہ پر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نازلے جاتے ہوئے دیکھ چکے تھے اسی پر اپنی اونٹنی بھی لے جاتے۔ جب نہ مانع حج میں یہ عرفہ پر ٹھہرتے تو حج ترک نہ کرتے۔ اس موقع پر یہ اسی موقف پر ٹھہرتے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موقوف فرما چکے تھے۔ اسی لئے اسحاق بن سعید نے ان کی نسبت کہا ہے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں عبداللہ بن عمر سے زیادہ سخت احتیاط کرنے والا کسی کو نہ دیکھا۔

علاء اسحاق بن سعید بن عمرو بن سعید بن العاص بن امیہ بن عبد شمس الاموی السعیدی الکوفی

وفات ۱۴۰ یا ۱۳۹ھ۔ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۳۴۔ طبع دائرہ المعارف) (ادارہ)

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما دنیا سے بے تعلق رہ کر عبادت کرنے والے اور بڑے روزہ دار اور نماز گزار شخص تھے رات بھر نماز پڑھتے پھر کہتے: اے نافع کیا صبح ہو گئی ہے؟ وہ کہتا نہیں، تو یہ پھر نماز پڑھتے لگتے۔ اگر جواب میں کہتا "ہاں" تو استغفار پڑھتے پڑھتے صبح کر دیتے۔ جب عشا کی نماز جماعت سے نہ ملتی تو بقیہ رات عبادت میں گزار دیتے۔ جتنا مقدور ہوتا نماز پڑھتے، پھر سبتر کا سہارا لیتے۔ اور پندوں کی طرح جھپکی لے کر پھر اٹھ کھڑے ہوتے، وضو کرتے اور نماز پڑھتے پھر واپس ہوتے۔

وہ یہ عمل رات میں چار پانچ مرتبہ کیا کرتے۔ سفر میں روزہ نہ رکھتے۔ اور حالتِ حضر میں قریب قریب ہمیشہ روزہ سے رہتے۔ یہ جب قرآن سنتے تو یاد کرتے اور نصیحت حاصل کرتے اور جس وقت یہ آیت۔ اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ (کیا ابھی ایمان داروں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لئے جھک جائیں) تلاوت کی جاتی تو رو پڑتے یہاں تک کہ دھاڑیں مارنے لگتے۔ ابو سعید بن المسیب راوی ہیں: اگر میں اہل جنت میں کسی کے لئے گواہی دیتا تو عبد اللہ بن عمر کے لئے دیتا۔ انھیں کا قول ہے: ابن عمر کا جب انتقال ہوا ہے تو وہ زندوں میں سب سے بہتر تھے۔ اسی طرح ان کا یہ قول بھی ہے: میں نے ابن عمر سے زیادہ صاحبِ ذکاوت کسی کو نہیں دیکھا۔ ان کی نسبت ایک قول یہ بھی ہے: وہ فضیلت میں حضرت عمر کے مثل ہیں۔

## فیاضی اور سیر چشمی

حضرت عبداللہ بن عمر اپنی پرہیزگاری اور تقویٰ کے

باوجود بڑے سیر چشم، فیاض اور بہت زیادہ داد و بخش

کرنے والے بزرگ تھے۔ یہ کسی کے برائی کرنے پر صبر کرتے

تھے۔ پھر اسے معاف کر دیتے تھے۔ ان کی جواں سردی کی مثالوں میں سے

ایک واقعہ یہ ہے کہ بعض صحابہ کا گزر ابن عمر کے اونٹوں کے پاس سے

ہوا تو وہ انہیں نہکانے لگے۔ چرواہا آیا اور اس نے کہا: اے ابو عبدالرحمن

اونٹوں کا حساب کر لیجئے۔ پھر اس واقعے کی خبر دی۔ حضرت عبداللہ بن عمر

نے فرمایا: پھر انہوں نے ہمیں کیسے چھوڑ دیا۔؟ اس نے کہا: میں ان کے

پاس سے بھاگ آیا اس لئے کہ آپ مجھے ان سے زیادہ عزیز ہیں۔ حضرت

عبداللہ نے کہا: میں ہمیں بھی اونٹوں ہی کے ساتھ محسوب کرتا ہوں۔

پھر آپ نے چرواہے کو اللہ واسطے آزاد کر دیا۔

اسی طرح آپ نے اپنی ایک کنیز کو آزاد کر دیا جس کا نام رُمہ تھا۔

اس سے آپ محبت کرتے تھے۔ اسے آزاد کرتے وقت کہا: میں نے

سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ**

تم جب تک اس چیز میں سے خرچ نہ کرو جس سے محبت کرتے ہو۔ ہرگز

نیکی حاصل نہ کرو گے۔

حضرت عبداللہ بن عمر کی فیاضی و سیر چشمی کا یہ حال تھا کہ انہوں نے

اپنے غلام نافع کے ایک معالے میں دس ہزار درہم دیئے تھے۔ آخر میں

انہوں نے اس کی نسبت صرف اتنا کہا: وہ اللہ کے لئے آزاد ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر ایک چرواہے کے پاس سے گزرے تو کہا:

کیا ذبح کیے کوئی جانور ہے؟ اس نے جواب دیا: یہاں ان جانوروں کے

مالک موجود نہیں۔ کہا: اس سے کہہ دینا، اسے بھینٹا کھا گیا۔ چرواہے نے کہا: خدا سے ڈرو۔ اس جواب پر حضرت عبداللہ بن عمر نے چرواہے کو بھی خرید لیا اور ان بکریوں کو بھی۔ پھر چرواہے کو آزاد کر دیا اور یہ بکریاں اسی کو بخش دیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر کے طریقے جتنے پسندیدہ تھے، ان کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے خادم پر کبھی لعنت نہ کرتے تھے۔ معمرؓ نے الزہری سے روایت کی ہے: ابن عمر نے کسی خادم پر ایک کے سوا کبھی لعنت نہ کی اور اس کو بھی آزاد کر دیا۔ ایک مرتبہ انھوں نے ایک خادم پر لعن کرنا چاہا تو کہا: اے اللہ اس پر لعن.... کہتے کہتے رک گئے یہ لفظ پورا نہ کیا اور کہا: یہ ایک ایسی بات ہے جسے میں کہنا پسند نہیں کرتا۔

حضرت عبداللہ بن عمر لوگوں کے برائی کرنے پر صبر کیا کرتے تھے اور بدی کرنے والے کو معاف کر دیا کرتے تھے۔ زید بن اسلم راوی ہیں: ایک شخص عبداللہ بن عمر کو گالی دینے لگا، ابن عمر خاموش رہے۔ جب اس کے گھر کے دروازے پر پہنچے اس کی طرف مڑے اور کہا: میں اور میرا بھائی عالم لوگوں کے شجروں سے زیادہ واقف ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر نے چوراسی سال کی عمر میں ۲۰ھ ہجری میں وفات

۲۰ھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمر چرواہے کی دیانت داری کا امتحان لینا چاہتے تھے۔ جب انہوں نے اسے اس آزمائش میں کھرا پایا تو خوش ہو کر بطور انعام چرواہے کو خرید لیا اور آزاد کر کے یہ بکریاں اسی کو دے ڈالیں۔ (ادارہ ۵)

۲۰ھ معمر بن راشد الازدی الحدادی وفات ۲۰ھ یا ۲۱ھ یا ۲۲ھ ہجری۔ (الکلی صفریہ)

پائی۔ ایک روایت میں ان کا سنہ وفات ۳۳۰ھ ہجری بھی مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ  
ان کی مغفرت فرمائے اور بارگاہ خداوندی میں انھیں شایان شان وجہ  
عطا کرے۔

بقیہ حاشیہ ص ۲۱۹

رتہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۴۵ (ادارہ)

۳۵ عالم بن عمر بن الخطاب العدوی وفات ۳۳۰ھ (رتہذیب التہذیب ج ۵ ص ۵۲ دائرۃ المعارف)

۳۶۔ بقول ابن سعد ان کا سنہ وفات ۳۳۰ھ ہے۔ حضرت زہیر کی روایت سے سنہ وفات

۳۳۰ھ ہجری معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ واقعہ بھی کہ جب عبدالملک بن مروان نے حجاج کے پاس یہ کہلا

بھیجا کہ وہ عبداللہ بن عمر کی مخالفت نہ کرے تو یہ بات اسے بہت نگران گزری اور اس نے

ایک شخص کو اشارہ کیا جس نے اپنی زہیر میں کھجما ہوا نیزہ ان کے پاؤں میں

چھو دیا۔ اس کے اثر سے یہ کئی دن تک بیمار رہے اور وفات پا گئے (رتہذیب التہذیب

ج ۵ ص ۳۳۰ طبع حیدرآباد) (ادارہ)

## حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سلسلہ تاسعہ

**نام و نسب**  
**و عبیرہ**  
 آپ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے ہیں، حضرت  
 صلی اللہ علیہ وسلم ان سے محبت فرماتے اور انھیں دل کے قریب  
 رکھتے تھے۔ ان کی پرہیزگاری اور تقویٰ اور علم حدیث و  
 سیر میں ان کی وسیع معلومات اور مہارت مشہور تھی یہاں تک کہ انھیں  
 "العرب" (فاضل عرب) اور ابو الخلفاء کہا جاتا تھا۔ آپ کی نسبت یہ  
 بھی مشہور ہے "نِعْمَ تَرْجِمَانُ الْقُرْآنِ عَبَّاسٌ" (عباس قرآن  
 کے بہت اچھے ترجمان ہیں) آپ کو معلومات کی وسعت و کثرت کے اعتبار سے  
 "بحر" (علم کا سمندر) کے نام سے موسوم کیا گیا تھا۔

ان کا نسب یہ ہے کہ: عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن  
 عبدمناف ابن قصی القرشی الہاشمی۔ ان کی والدہ اُمّ الفضل کہا بہ بنت

امّ ابو الخلفاء حضرت عبداللہ بن عباس کی یہ کنیت بعد کے واقعات کے اعتبار سے  
 مشہور ہوئی۔ اس لئے کہ خلفائے عباسیہ آپ ہی کی اولاد میں سے تھے جن کی خلافت  
 کا سلسلہ کئی سو سال تک قائم رہا۔ (اداس)



حضرت عبد بن عباس ہجرت سے تین سال اور قبول بعض پانچ سال قبل پیدا ہوئے۔ اس زمانے میں بنو ہاشم ایک پہاڑی درہ میں مقیم تھے۔ جب قریش نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

## ولادت و دیگر حالات

کے خلاف ان کی ساری چالیں بیکار ثابت ہوئیں تو انھوں نے بالاتفاق یہ فیصلہ کیا کہ بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کا مقاطعہ کیا جائے۔ انھوں نے یہ عہد کر لیا کہ ان دونوں گھرانوں سے کوئی سروکار نہ رکھیں گے۔ ان کے ساتھ شادی بیاہ کے تعلقات منقطع کر دیں گے اور ان کے ساتھ تجارت بھی نہ کریں گے۔ یہاں تک کہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حوالے کر دیں تاکہ یہ انھیں قتل کر ڈالیں۔ انھوں نے اسی مضمون کی ایک تحریر کعبے کے روشن دان میں لٹکا دی تھی۔ وہ اسی روش پر دو یا تین سال تک قائم رہے۔ اس بارے میں ان کی سختی اتنی بڑھ گئی تھی کہ بنو ہاشم و بنو عبد المطلب تک کوئی چیز نہ پہنچتی اگر قریش میں سے کوئی ان سے تعلقات رکھنا چاہتا تو وہ صرف چھپا کر انھیں کچھ پہنچانے کی جسارت کرتا تھا اس طرح بنو ہاشم کے ایک درے میں الگ تھلگ رہ کر زندگی گزارتے تھے۔ صرف اشہر حرم میں اس آفت سے امن رہتا۔ جن میں تمام اطراف عرب میں جنگ و قتال ممنوع تھا۔

یہ حالات تھے جن میں حضرت عبد اللہ بن عباس اشہر بنو نبوت میں بڑھے اور دعوت کی خدمت کا شرف محمدیہ کی لوزانی فضا میں پروان چڑھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت کی وجہ سے انھیں آپ سے بڑا

قرب رہتا تھا۔ وہ دعوتِ اسلامی کے نشتر و ارتقا کا نظارہ بہت قریب سے کرتے تھے۔ ان کا تنہا دل اس نئے دین کے لئے تڑپتا تھا۔ جس کا نور کے کی پوری سرزمین پر صنوفِ نغمہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر والوں سے بہت محبت تھی۔ اور اپنے چچا حضرت عباس کا دل سے احترام فرماتے تھے۔ ان کے ساتھ خاص محبت ہونے کی وجہ سے ان کے بیٹے عبد اللہ سے بھی بڑی محبت تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے عبد اللہ کو بلا یا جو بہت چھوٹے تھے۔ اور اس زمانے میں زمین پر ہاتھوں کے بل چلتے تھے۔ آپ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور فرمایا: اے اللہ! اسے دین کی سمجھ عطا کر اور اسے تادیل کا علم سکھا۔“ معلوم ہوتا ہے حضرت عبد اللہ بن عباس بھی اس نعمتِ عظمیٰ کو محسوس کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ان کی آمدورفت بہت رہتی تھی۔ جب یہ آپ کو وضو فرماتے دیکھتے تو آپ کے لئے وضو کا پانی ڈالتے جاتے۔ آپ ان کی اس بات سے بہت خوش ہوتے۔ اور جب یہ اس کام سے فارغ ہوتے تو ان کے لئے دعا فرماتے پھر انہیں اپنی گود میں بٹھاتے، ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے اور ان کی ترقیِ علم کے لئے دعا فرماتے اور کہتے: اے اللہ! اس کے علم میں برکت دے اور اس سے علم کو پھیلا۔“

راویوں نے اس کا ذکر تو نہیں کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس کس طرح اسلام لائے لیکن یہ ضرور بیان کیا ہے کہ جب عبد اللہ بن عباس سات یا آٹھ سال کے بچے ہی تھے۔ اس وقت انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی۔ یہ واقعہ خود عبد اللہ بن عباس

نے بھی بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں : میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ نماز پڑھی۔ آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچا یہاں تک کہ میں آپ کے برابر ہو گیا۔ جب آپ نماز میں مشغول ہوئے تو میں رک گیا۔ پھر جب آپ واپس ہونے لگے تو مجھ سے فرمایا : تمہارا یہ کیا حال ہے؟ میں نے عرض کی : یا رسول اللہ کیا یہ کسی کو زیب دیتا ہے کہ آپ کے برابر ہو کر نماز پڑھے حالانکہ آپ اللہ کے رسول ہیں؟ یہ سن کر حضور نے میرے لئے دعا فرمائی کہ اللہ میرا علم و فہم زیادہ کرے۔

راویوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس چھپن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر گئے تو انہوں نے وہاں ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کے مثل کسی کو نہ دیکھا تھا۔ اس لئے وہ خائف ہو کر اپنے باپ حضرت عباس کے پاس پہنچے۔ حضرت عباس نے ان سے کہا: ضرور تم نے حیریل علیہ السلام کو دیکھا ہے۔

**مدنی زندگی** پھر حضرت عبداللہ بن عباس نے مکے کے مسلمانوں کے ساتھ مدینے کی طرف ہجرت کی۔ ان کی مدنی زندگی سے متعلق بہت کھوٹے حالات سوا کچھ زیادہ تفصیل بیان نہیں کی گئی۔ راویوں کا بیان ہے کہ یہ سن شعور ہی سے روایت حدیث میں مشغول رہتے تھے۔ انہوں نے قرآن بھی حفظ کر لیا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی اس وقت حضرت عبداللہ بن عباس کی عمر کا تیرھواں سال تھا۔ بعض روایات میں پندرہواں سال بیان کیا گیا ہے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ جس زمانے میں حضور نے دیتا ہے پر وہ فرمایا عبداللہ بن عباس کا ختنہ ہوا تھا۔ خود حضرت عبداللہ بن عباس راوی ہیں: میں گدی پر

سوال ہو کر چلا میں اس زمانے میں سن بلوغ کے قریب تھا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عبداللہ **علمی فیضان** بن عباس جوان ہو کر مردوں کے درجے پر پہنچ گئے ان کا قلب شگفتہ ہو گیا، عقل کھل گئی اور علم و تقویٰ میں پختگی آگئی۔ انھوں نے حدیث جمع کرنا شروع کر دی، قرآن میں سوچ بوجھ سے کام لینے لگے اور لوگوں کو فتویٰ دیتے لگے۔ ان کی نسبت یہاں تک بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگوں کے درمیان قضا کی خدمت انجام دیتے تھے۔ ان کا شمار حضرت عمر بن الخطاب، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن عمر جیسے نامور اصحاب میں تھا۔

**عہد فاروقی** جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو حضرت عبداللہ بن عباس کمال علم کو پہنچ چکے تھے۔ لوگ ہر گوشے سے کھنچ کھنچ کر آتے اور ان کے سر شہید علم و فیض سے طلب علم کی پاسبان بھانٹے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ انھوں نے حضرت عبداللہ بن عباس کو اپنا مقرب بنا رکھا تھا۔ اور ان سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ ان کے یہاں ابن عباس کا مرتبہ وہی تھا جو جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کا تھا۔ حضرت عمر کہا کرتے تھے: ابن عباس ادھیڑ عمر والوں میں نوجوان ہیں۔ ان کی زبان بہت پوچھنے والی اور دل بہت سمجھنے والا ہے۔ اسی طرح ان کی نسبت حضرت عمر کا یہ قول بھی تھا: ابن عباسی قرآن کے کتنے اچھے ترجمان ہیں۔ اگر یہ ہماری عمر کو پہنچ گئے ہوتے ہم میں

سے کوئی شخص ان کی برابر ہی نہ کہتا۔ انھیں کا یہ قول ہے: میں نے  
 ابن عباس کے فتوے سے بہتر کسی کا فتویٰ نہیں سنا۔ بجز اس کے کہ کہنے  
 والا یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اس جو ان سال  
 عالم کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ کھتیں جو ان سفر میں بیان  
 کر دی گئیں۔ اور اگر ان کے استدلال کیا جاسکتا ہے تو بے شبہ یہ رائے حضرت  
 عبداللہ بن عباس کے فیاضانہ اخلاق، علمی تبحر اور عقلی فصاحت کی دلیل ہیں۔  
 عبداللہ بن عباس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بڑا احترام کرتے تھے  
 ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص حضرت عمر کے پاس آیا آپ نے اس سے  
 لوگوں کی نسبت دریافت کیا تو اس نے کہا: ان میں سے لوگوں نے قرآن  
 میں فلاں فلاں چیز پڑھی ہے۔ ابن عباس نے کہا: مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ  
 قرآن کی آیتوں کے متعلق سوال کیا جائے بلکہ یہ خود بیان کرتے ہیں کہ  
 اس وقت حضرت عمر نے مجھے ڈانٹ دیا اس لئے میں ان کے گھر گیا اور میں  
 نے اپنے دل میں کہا: مجھے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ میں ان کے جی سے اتر گیا  
 ہوں۔ ابھی میں اسی حال میں تھا کہ میرے پاس ایک شخص آیا اور کہا: جو  
 پھر اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے تہمتی میں لے گیا۔ عبداللہ بن عباس کا  
 بیان ہے کہ اس شخص نے جو کچھ کہا تھا مجھے ناگوار نہیں ہوا۔ پھر میں نے  
 کہا: اے امیر المؤمنین! اگر میں نے برائی کی ہے تو اللہ سے معفرت مانگتا ہوں۔

اس قول کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس کی رائے تھی کہ جب کثرت سے قرآن کو یاد  
 کرنے لگے۔ درجہ کس و کس نہم قرآن کا دعویٰ درجہ بیٹھے گا۔ تو اختلاف کا دروازہ کھولے  
 تقصیر کرنے دیکھے۔ (مجاہدین حصہ اول ص ۲۳۵) اور

اکھوں نے کہا: تم مجھ سے حدیث بیان کرو، میں نے کہا: یہ لوگ جب جھگڑا کریں گے۔ ان کے درمیان اختلاف ہو جائے گا، اور جب ان میں اختلاف ہوگا، تو گمراہ ہو جائیں گے۔ اس پر حضرت عمر نے کہا: اللہ تمہارے باپ کا کھلا کرے، میں اس بات کو لوگوں سے مخفی رکھتا تھا۔

حضرت عبد اللہ بن عمر علم و فضل میں جس بلند مقام پر نازتھے۔ اس کے باوجود جب کوئی شخص کسی چیز کی نسبت کچھ دریافت کرتا تو کہتے: ابن عباس سے پوچھو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کچھ نازل ہوا ہے یہ باقی لوگوں میں اسے سب سے زیادہ جانتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر بن الخطاب کی مجلس میں جو درجہ حاصل تھا۔ ذیل کا واقعہ اس پر اچھی طرح روشنی ڈالتا ہے۔ دربار خلافت میں عبد اللہ بن عباس نے حطیہ کو ان کی کسی بات پر ٹوکا تو حطیہ نے ان کی طرف دیکھا اور کہا: یہ کون شخص ہے جو قوم میں اپنی عمر کے اعتبار سے نیچے اور اپنے قول میں اس سے اونچا نظر آتا ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ ابن عباس ہیں۔ اس پر حطیہ نے یہ شعر پڑھے۔

إِنِّي وَجَدْتُ بَيَانَ الْمَرْءِ نَافِلَةً

تہدیٰ لہ ذو حدتُ العنیٰ کالصمیم

میں نے آدمی کے بیان کو مال عنیت کی طرح پایا ہے جو دیکھنے میں بھیجا جاتا ہے

اور ہرکے شخص کو ہرے آدمی کی طرح دیکھا ہے (

المَرْءُ يَبْلَى وَيَسْبِي الْكَلِمَةُ سَامِرَةٌ وَقَدْ يَلَامُ الْفَتَى يَوْمًا وَلَمْ يَكِم

۱۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے مہاجر بن حفصہ اول صفحہ ۱۷۳۵

را آدمی بوسیدہ ہو جاتا ہے، بات چلتی رہتی ہے۔ کبھی کسی دن کو نوجوان کو ملاسنے کی جاتی ہے اس حال میں کہ دراصل وہ ملاسنے کے قابل نہیں ہوتا۔

اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت جہاد میں مکمل ہوئی۔ حضرت عثمان کا سلوک بھی ان کے ساتھ ایسا نہیں رہا جیسا حضرت عمر کا رہ چکا تھا۔ اور کیوں نہ ہوتا۔

یہ بنی ہاشم ہیں۔ علم کے اندر بہت نمایاں اور قرابت میں رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے بہت قریب تھے۔ جب ۳۷ھ میں حضرت عثمان کی طرف سے

عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کو افریقہ میں لڑنے کا حکم ہوا تو ان کے

پاس جو عالی مرتبہ صحابہ جہاد کے لئے بھیجے گئے تھے ان میں حضرت عبد

بن عباس بھی تھے۔ آپ نے جنگ میں کارہائے نمایاں انجام دی۔

اور خوب بہادری دکھائی اس لئے کہ انھیں اس کی بڑی خواہش تھی

کہ اللہ کی راہ میں ثواب اور جنت حاصل کرنے کے لئے جو شہید اور

مقدسین کے لئے تیار کی گئی ہے جہاد سے اپنی پیشانی کو خاک آلود کرنے

جب حضرت عثمان بن عفان نے ملک طبرستان فتح کرنے کا ارادہ

کیا تو سعید بن العاص کی قیادت میں وہاں ایک لشکر بھیجا۔ اس کے

منتخب صحابہ میں سے کچھ لوگ ان کے پاس روانہ کئے جن میں حضرت

حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عمرو بن العاص

حضرت زبیر بن العوام تھے۔ بادشاہ جرجان صلح کی درخواست کر

پہنچا اور اس نے وعدہ کیا کہ سالانہ دو لاکھ درہم ادا کیا کرے گا

حضرت عبداللہ بن عباس حضرت عثمان سے بھی اسی طرح صلح

کرتے تھے۔ جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کرتے تھے۔ ان سے ایک

روایت منقول ہے۔ جس میں آپ کہتے ہیں: اللہ ابو عمرو (عثمان) پر رحم کرے وہ بڑے شریف تھے۔ اور نیکوں سے زیادہ نیک تھے۔ صبح تک تہجد کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ دو نوح کے ذکر پر بہت رویا کرتے تھے۔ ہر بخش کے موقع پر کمر بستہ اور ہر سخاوت کے لئے پیش پیش رہتے تھے۔ بڑے باجیا اور با وفا تھے۔ اور ادنیٰ باتوں سے بہت بلند رہا کرتے تھے جیٹھ العسرة کا سہرا اکھنیں کے سر کا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے۔ اس لئے جو شخص ان پر لعنت کرے اللہ قیامت کے دن تک اس پر لعنت کرنے والوں کی لعنت نازل کرتا رہے گا۔

**خلافت عثمانی میں** حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، بھی حضرت عبداللہ بن عباس پر بڑا اعتماد فرماتے تھے۔ جس سال شہید ہوئے ہیں اسی سال آپ نے حضرت ابن عباس کو امیر الحج بنایا تھا۔ اکھنیں اگرچہ حضرت عثمان سے بہت محبت تھی اس کے باوجود جب حالات کا اقتضا ہوتا تو یہ حق بات کا سامنا کرنے میں پس و پیش نہ کرتے۔ ایک روایت ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت جس میں حضرت عبداللہ بن عباس بھی تھے۔ ایک ضرورت سے حضرت عثمان

سے۔ جیٹھ العسرة اس لشکر کا نام ہے جو عذوہ بنو ک میں ردیوں سے لڑنے کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ اس زمانے میں مسلمان بہت عسرت کی حالت میں تھے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان اہل ثروت سے مطالبہ کیا کہ وہ ہتھیار دست مبارکین کے لئے سامان مہیا کر دیں اس موقع پر اکثر صحابہ نے حتیٰ کہ عورتوں نے بھی مقدور نمبر کافی اعانت کی۔ حضرت عثمان نے سب سے بڑھ کر اعانت کی جس کی مقدار دس ہزار دینار پچاس قرش اور تین سوادینہ تھی۔ (ادارہ)



کے پاس وندے کہ گئی۔ ابن عباس کے سوا باقی سب نے حضرت عثمان سے بات چیت کی یہاں تک کہ ان سے عذر و معذرت کرنے میں مبالغہ کیا۔ عبداللہ بن عباس نے اس کے بجائے جامع طرز کی گفتگو کی اور آخر ان کے سامنے ہر حاجت ٹھیک طریقے سے پیش کر دی۔ اس لئے حضرت عثمان کو وفد کی حاجت پوری کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔

حضرت عبداللہ بن عباس حضرت عثمان کی شہادت سے بہت گھبرائے اور انھوں نے اس واقع پر اپنا سخت تاسف ظاہر کیا مگر جب بنی ہاشم اور بنی امیہ کے درمیان نزاع بڑھنے لگا جس میں بنی امیہ حضرت عثمان کے خون کے دعوے دار ہو کر ان کے قاتلوں کا مطالبہ کر رہے تھے اور یہ جھگڑا دونوں فریقوں کے مابین ترقی کرتا جا رہا تھا۔ اس وقت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے تعلق قرابت کی بنا پر مجبور ہوئے کہ ان کے پڑوس میں گھبرے رہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان سے بڑی محبت تھی اور وہ ان کی بہت عزت کیا کرتے تھے۔ آپ نے ان کی نسبت فرمایا تھا تم (ابر کے) مہین پر دے سے ہونے والی بارش (عبداللہ بن عباس کے کلام کا انتظار ان کی عقل و فراست کی وجہ سے کر رہے ہیں۔

اسی طرح جب آپ کو حضرت ابن عباس کی وہ تفسیر جو انھوں نے رسول اللہ حضرت علی کی نظر میں

لا حرقہم..... سے متعلق بیان کی تھی معلوم ہوئی تو کہا: واہے

ابن ام الفضل (یعنی ابن عباس) بیشک وہ خواص ہے۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت مکمل ہوئی تو آپ نے عبد اللہ بن عباس کو نصرے کا والی بنایا۔ حضرت عبد اللہ نے وہاں پہنچ کر اپنا علم پھیلا نا شروع کیا اور ماہ رمضان میں وہاں کی مسجد میں لوگوں سے قرآن کریم کی تفسیر بیان کرنے لگے۔ پھر جب معرکہ صفین میں حضرت علی اور امیر معاویہ کی فوجیں ایک دوسرے سے مقابل ہوئیں تو حضرت عبد اللہ بن عباس حضرت علی کریم اللہ وجہہ کے مسیرو پر متعین تھے۔ اور ڈرائی میں شریک رہ کر بہادری کے جوہر دکھا رہے تھے۔ اس موقع پر یہ عموماً ہاشمیوں کی طرف سے دفاع کر رہے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینا ان کے لئے ضروری تھا کیونکہ یہ کہا گیا ہے کہ: **انصراً خاتک ظالماً او مظلوماً** (اپنے بھائی کی مدد کرو، ظالم ہو یا مظلوم)۔

**واقعہ تحکیم** اس کے بعد واقعہ تحکیم کا حیلہ ظہور میں آیا۔ دونوں طرف کے حکم جمع ہوئے۔ عمرو بن العاص امیر معاویہ کی طرف سے اور ابو موسیٰ اشعری حضرت علی کی طرف سے۔ حضرت امیر معاویہ نے عمرو بن العاص کو شام کے چار سو آدمیوں کے ہمراہ روانہ کیا تھا جو دو دستہ الجندل میں اکٹھا ہوئے تھے۔

بظاہر حضرت ابن عباس نتیجہ تحکیم کی طرف سے خائف تھے۔ انہیں اندیشہ تھا کہ ان کے چھپے بھائی علی اس معاملے میں ناکام ہوں گے۔ زادیوں

۱۵۔ یہ معمولی قول نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے جس میں ظالم کی مدد کرنے کی صراحت اس طرح کی گئی ہے کہ ظالم کو ظلم سے روکنے کی کوشش کرنا یا بھٹانا اس کی مدد میں داخل ہے (بخاری) (ادامہ ۱۵) ۱۶۔ ثم کانت خذ عتہ التحکیم۔

کا بیان ہے کہ جب حضرت علی کا وفد مقام اجتماع کے قریب آیا تو ابن عباس نے حضرت ابو موسیٰ سے کہا: چونکہ تم دوسروں سے زیادہ نیک ہو اس وجہ سے علی تمہارے حکم ہونے پر راضی نہیں ہیں۔ تمہارے پاس آنے والوں کی بڑی کثرت آئی اور لوگ تمہارے سوا کسی اور کے حکم ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ میرا گمان یہ ہے کہ یہ ایک شرارت ہے جو ان کے ساتھ کرنا مقصود ہے اور تم حکیم ہیں (عرب کا ایک زبیرک شخص تمہارے ساتھ ہے۔ اگر اس موقع پر تم بھولنے لگو تو یہ بات نہ بھولنا کہ علی سے اکھنیں لوگوں نے بیعت کی ہے جو حضرت ابو بکر و عمر و عثمان سے بیعت کر چکے ہیں۔ اور ان میں کوئی ایسی خصلت نہیں ہے جو اکھنیں خلافت سے دور رکھتی ہو اور ماویہ میں کوئی ایسی خصلت نہیں ہے جو اکھنیں خلافت سے قریب رکھتی ہو۔“

اس کے باوجود جو کچھ عبداللہ بن عباس نے ابو موسیٰ سے کہا تھا وہ نہیں ہوا جس کی شان یہ تھی کہ وہ اکھنیں راضی کر لیں یہ نہ تھی کہ اکھنیں حضرت علی کی اعانت کے لئے خلوص اور شدت کے ساتھ اٹھاریں اس موقع پر عمرو بن العاص جو چال چلے تھے۔ عبداللہ بن عباس نے اسے بھانپ لیا تھا۔ اس لئے اکھنوں نے ابو موسیٰ سے چلا کر کہا: تم پر افسوس ہے، مجھ امیرا گمان ہے کہ عمرو نے تمہیں دھوکا دے دیا، اگر تم دونوں کسی بات پر متفق ہو چکے ہو تو اس معاملے میں پہلے عمرو کو بولنے دو، اس کے بعد تم خود تقریر کرو کیونکہ عمرو ایک پیمان شکن شخص ہیں۔ اور تمہارے اور ان کے درمیان جو معاملہ درپیش ہے اس میں اکھنوں نے جس بات پر رضامندی ظاہر کی ہے اس پر مجھے اطمینان نہیں ہے۔ جب

تم لوگوں میں کھڑے ہو کر تقریر کرو گے وہ تمہاری مخالفت کریں گے۔  
اور یہ واقعہ ہے۔ کہ حضرت عبداللہ بن عباس کی یہ بدگمانیاں صحیح ثابت  
ہوئیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تحکیم کے معاملے میں ناکام ہوئے۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا  
واقعہ پیش آیا اور خلافت کا معاملہ امیر معاویہ  
اور امیر معاویہ کے حق میں طے ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس

نے یہ نہ چاہا کہ امیر معاویہ سے مخالفت قائم رہے وہ ایک ذی علم شخص  
تھے اور اپنے آپ کو ظلم و بے اعتدالی کے واقع سے دور رکھنا پسند کرتے  
تھے اس لئے وہ اشراۃ قریش کے ایک وفد کے ساتھ جس میں عبداللہ  
بن الزبیر، عبداللہ بن جعفر طیار، عبداللہ بن عمر، عبدالرحمن بن ابی بکر،  
اور ابان بن عثمان شریک تھے، دمشق پہنچ کر حضرت معاویہ سے ملے حضرت  
معاویہ اگرچہ حضرت عبداللہ بن عباس سے اختلاف رکھتے تھے تاہم  
وہ ان کی خاطر خواہ قدر کرتے تھے۔ انھوں نے حضرت عبداللہ کو اس  
شکر میں شریک کر لیا جو ۴۸ھ میں فتح قسطنطنیہ کے لئے تیار کیا گیا تھا۔  
اس ہم میں حضرت عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن الزبیر اور ابوالیوب الانصاری  
نے حصہ لیا تھا۔ اس موقع پر امیر معاویہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ  
کی خدمات کو اتنا پسند کیا کہ انھوں نے ذیل کے اشعار میں ان کی تعریف  
کی جو ایک روایت کے مطابق خود امیر معاویہ نے کہے ہیں :-

اذ اتال لم یترک مقالا لقائل

مصیبت ولم یقن اللسان علی ہمد

(جب وہ بگتے ہیں کہ انھوں نے کسی کہنے والے کیلئے کلام کی گنجائش نہیں چھوڑی

تو وہ کھٹک کہتے ہیں اس لئے کہ وہ زبان سے یہودہ بات نہیں نکالتے  
 كَيْصَرَافُ بِالْقَوْلِ اللِّسَانِ اِذَا نَتَجَى

وَيَنْظُرُ اعْطَا فَا نَظَرَ الصَّعْرُ

(جب وہ بات کرتے کا ارادہ کرتے ہیں تو بات سے بات نکالتے ہیں  
 اور اپنے پہلوؤں پر شاہین کی طرح نظر کرتے ہیں)

اس کے بعد جب امیر معاویہ کے انتقال پر ان کے  
 بیٹے یزید کے لئے بیعت لی جانے لگی تو حضرت جہین  
 سے بیعت

علی، عبداللہ بن الزبیر اور عبداللہ بن عمر جیسے اشراف

نکہ میں سے جن لوگوں نے اپنے آپ کو اس بیعت سے علیحدہ رکھا انھیں

کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس بھی علیحدہ رہے۔ اس وقت یزید نے

اپنے عامل مدینہ عقبہ کو لکھا کہ وہ ان لوگوں سے اس کے لئے بیعت

لے۔ چنانچہ عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر نے اس سے

بیعت کر لی۔ کیونکہ بطور حضرت عبداللہ بن کو اس قسم کی سیاسی تحریکوں

میں گھسنا پسند نہ تھا۔ جن سے انھیں تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ اسی لئے

جب حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ نے اپنے والوں کی دعوت قبول کر کے وہاں

چلے جانے کا ارادہ کیا تو حضرت ابن عباس نے انھیں روکا اور نصیحت

کی کہ وہ یہ سفر اختیار نہ کریں۔ آپ نے ان سے کہا: کیا تم جن لوگوں

میں جا رہے ہو۔ وہ اپنے شامی امیر کو قتل کر کے شہر پر قابض ہو چکے

ہیں اور دشمن کو نکال چکے ہیں؟ اگر وہ ایسا کر چکے ہیں تو ضرور ان کے

پاس جاؤ۔ اور اگر انھوں نے اس حال میں تمہیں دعوت دی ہے

کشتام کا امیر ان پر حکمران ہے اور اس کے عمال ان کے شہروں سے

کسی کہنے والے کے لئے کوئی بات نہیں چھوڑتے اور یہیں ان کے درمیان

کوئی فاصلہ نظر نہیں آتا

كَفَى وَشَفَى مَا فِي النَّفُوسِ فَلَمَّ يَدَا

لِذِي اَرَادَ فِي الْقَوْلِ جَدًّا وَاَهْزَلًا

جو کچھ لوگوں کے دلوں میں ہوتا ہے۔ اس کی نسبت یہ کافی اور تشفی

بخش بات کہتے ہیں اور کسی عاجز و کمزور کے لئے نہ سنجیدہ بات کو چھوڑتے

ہیں نہ خوش طبعی کو

قرآن کے معانی سمجھنے کے لئے مسلمان جن

علوم تقنیہ میں مشغول رہتے تھے انہی میں

علم التفسیر بھی ہے۔ ام المؤمنین حضرت

**تفسیر قرآن میں حضرت  
عبداللہ بن عباس کا ذکر**

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی صرف اپنی

آیات کی تفسیر فرماتے تھے۔ جن کو ایسی آیتوں میں شمار کیا جاتا ہے جو

حضرت جبریل نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم کی تھیں پھر

جب عربی حکومت میں وسعت ہوئی اور عجمی اسلام میں داخل ہوئے۔ تو قرآنی

آیات کو سمجھنے کی ضرورت ہوئی۔ اور بعض صحابہ نے تفسیر کا شغل اختیار کیا

ان میں حضرت عبداللہ بن عباس صفا اول کے لوگوں میں سے تھے انہوں

نے اس فن میں بڑی مہارت پیدا کی اور اسے بہت اچھا بنا دیا تھا۔ یہاں

تک کہ ان کے بارے میں یہ قول مشہور ہے ابن عباس قرآن کے اچھے

ترجمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تیز فہمی اور باریک بینی کی صفات

عطا کی تھیں۔ جن کی بدولت پہلی صدی ہجری میں تفسیر قرآن کا سرشمہ

بن گئے تھے۔ یہاں تک کہ عبداللہ بن عمر صبیحہ اکابر مفسرین و شارحین لوگوں

لئے ان کی نسبت کہا تھا: وہ حجبتوں کو سب سے زیادہ جانتے ہیں۔  
 جس وقت صحابہ میں کسی بات پر اختلاف ہوتا تو وہ ابن عباس کی بات  
 متبول کرنے پر آمادہ ہو جاتے۔ بغوی نے طاووس کا یہ قول نقل کیا  
 ہے: میں نے صحابہ میں سے پچاس یا ستر اشخاص کو دیکھا کہ جب وہ کسی  
 بات کو پوچھتے اور ابن عباس سے اختلاف کرتے تو اس وقت تک ڈاٹھتے  
 جب تک یہ نہ کہہ دیتے کہ جو کچھ ابن عباس نے کہا ہے وہی درست ہے۔ اسی  
 علمی تبحر اور وسائل معلومات کی کثرت کی وجہ سے ابن عباس کو کبر (مسنون  
 کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اپنے  
 اجتہاد کے باوجود مشکل مسائل میں عبداللہ بن عباس کی تعریف کرتے تھے  
 قاسم بن محمد کہتے ہیں: میں نے ابن عباس کی مجلس میں کبھی کوئی ناحق بات  
 نہیں دیکھی۔ اور ان کے فتوے سے زیادہ کوئی فتویٰ سنت سے زیادہ  
 مشابہ نہیں سنا۔

عبداللہ بن عباس کے اصحاب اخصیئیں "حبر" رنیک عالم یا علامہ  
 کہا کرتے تھے۔ حسان بن ثابت نے ان کی مدح کی تو یہ اشعار کہے:  
 اذما بن عباس بد الکل وحبک

رأیت لہ فی کل احوالہ فضلہ

جب تمہیں ابن عباس کا چہرہ نظر آئے گا تو تم ان کے تمام حالات میں  
 ان کی فضیلت دیکھ لو گے)

اذقال لم یترک مقالاً بقائل

بمنتظاہ لا نری بینہما فضلہ

رجب وہ کچھ کہتے ہیں تو اپنی باقاعدہ اور مربوط باتوں کی بدولت

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے پاس چل کر پوچھیں کیونکہ ابھی ان کی بڑی تعداد موجود ہے۔ ان صاحب نے جواب دیا: آپ پر بڑا تعجب ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ لوگ علم میں خود آپ کی حاجت رکھتے ہیں (پھر آپ ان کے پاس کیوں جاتے ہیں) حضرت عبداللہ بن عباس نے ان کی بات پر توجہ نہ کی۔ اور لوگوں سے پوچھتے رہے اور کہا: اگر مجھے کسی شخص سے حدیث پہنچ سکتی ہو تو میں اس کے دروازے پر جا دوں گا۔ ایسے میں وہ قیلو لہ کر رہا ہو تو میں اس کے دروازے پر اپنی چادر کو تکیہ بنا کر رہیں ٹک جاؤں گا۔ ہوا مچھو۔ پہ خاک برسائی رہے گی۔ پھر وہ باہر آکر مجھے دیکھے گا اور کہے گا: اے رسول اللہ کے ابن عم، آپ کیسے آئے؟ آپ نے مجھے کیوں نہ بلا لیا۔ میں آپ کے پاس چلا آتا۔ اس وقت میں کہوں گا: میں ہی اس کا زیادہ حق دار تھا۔ کہ ہمارے پاس آیا اور تم سے حدیث پوچھتا۔“

عبداللہ بن عباس نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ وہ حدیث کی تدوین بھی کرتے اور اسے لکھتے بھی تھے۔ ایک روایت ہے کہ وہ ایک شخص کو اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے جو ان کے لئے کتابت کا کام انجام دیتا۔ علوم حدیث میں ابن عباس کا شجر اس درجے کو پہنچ گیا تھا کہ وہ تمام صحابہ میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ یہ روایت بھی ہے کہ جب کوئی شخص ابوہریرہ سے کسی حدیث کے متعلق پوچھتا تو وہ اس سے کہتے: ابن عباس کے پاس جا کر پوچھو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کچھ نازل فرمایا ہے اسے جاننے والے جتنے لوگ رہ گئے ہیں یہ ان سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ اسی طرح ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا



خزاج وصول کر رہے ہیں۔ تو یقین کر لو کہ انھوں نے ہمیں صرف لڑنے کے لئے  
 بلایا ہے۔ مجھے ان کی طرف سے اس کا بھی اندیشہ ہے کہ وہ دھوکا دیں گے تم سے  
 جھوٹ بولیں گے تمہاری مخالفت کریں گے تمہارا ساتھ چھوڑ دیں گے۔

حضرت حمین بن علی نے حضرت عبداللہ بن عباس کی نصیحت نہ  
 سنی اور کربلا میں شہید کئے گئے۔

حضرت عبداللہ بن عباس پر اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں  
 تھیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ اس نے انھیں  
 عباس کے فضائل کم عمری ہی سے علم کی راہ دکھائی تھی۔ اس کے بعد

یہ جوان ہوئے تو ان میں عذائتوسی و پیرہیزگاری کی صفات موجود تھیں۔  
 اور بلوغ کے بعد ہی سے دامانی و ہوشمندی، وسعت صدر، علی تبحر اور  
 ایمانی قوت میں مشہور ہو چکے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھیں نبی صلی اللہ  
 علیہ وسلم کے مبارک آثار سے جو غیر معمولی محبت تھی اس کی وجہ سے انہیں  
 حدیثوں کو جمع کرنے، نقل کرنے اور حفظ کرنے میں بڑا شغف رہتا تھا  
 تاکہ وہ اس طریقے سے سنت کی میراث اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 کے اقوال کا تحفظ کر سکیں اور یہ چیزیں طول زمانہ کے ساتھ منتشر نہ ہو جائیں  
 ساتھ ہی ان کے ہاتھوں شریعت کی ایک نمایاں خدمت سرانجام پاسکے  
 چنانچہ وہ حدیث کا سرچشمہ ہیں اور سب سے پہلے ناقل حدیث ہیں۔

حدیث کی جمع و تدوین میں ان کا اہتمام جس درجہ بڑھ  
 ہوا تھا۔ اس کا اندازہ اس روایت سے ہو سکتا ہے کہ  
 جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو  
 حضرت عبداللہ بن عباس ایک انصاری کے پاس آئے اور ان سے کہا:

لو ان کا حوالہ دے دیا کرتے تھے۔ ایک روایت ہے: ایک شخص نے  
 عبد اللہ بن عمر سے اس آیت کے متعلق پوچھا: کانتا رتقا ففتناهما  
 ورواؤں جڑے ہوئے تھے ہم نے اکھیں کھولا) تو انھوں نے جواب دیا: اس  
 شیخ (عبد اللہ بن عباس) کے پاس جاؤ اور پوچھو۔ پھر ان کے پاس سے آکر  
 مجھے اطلاع دو۔ وہ شخص ابن عباس کے پاس گیا اور اس آیت کے معنی  
 پوچھے۔ انھوں نے جواب دیا: کانت السماء رتقا لا مطر والارض  
 رتقا، لا انبتت ففتق هذا بالمطر وهذا بالنبات۔  
 (آسمان جڑا ہوا تھا، پانی نہ برسنا تھا۔ اور زمین جڑی ہوئی تھی۔ پیدوار نہ آگاتی  
 تھی، پھر آسمان سے بارش نچوٹ پڑی اور زمین سے نباتات) وہ شخص یہ  
 یہ جواب لے کر ابن عمر کے پاس واپس پہنچا۔ انھوں نے کہا: بے شک ابن  
 عباس کو سچا علم دیا گیا ہے۔ اس طرح تم کہا کرتے تھے کہ مجھے قرآن کی تفسیر  
 پر ابن عباس کی جرأت پسند نہیں آتی، اب تم نے جان لیا ہے کہ انھیں  
 علم عطا ہوا ہے۔

ایک مرتبہ ابن عباس نے سورۃ النور پڑھی۔ پھر اس کی تفسیر  
 بیان کرنے لگے۔ ایک شخص نے کہا: اگر وہیم کے لوگ اس کو سنتے تو ضرور  
 مسلمان ہو جاتے۔

حضرت ابن عباس اپنے علم کے ساتھ متواضع بھی تھے۔ جب ان  
 سے کوئی بات پوچھی جاتی اور وہ قرآن میں ہوتی تو قرآن کے ذریعے اس کا  
 جواب دیتے۔ قرآن میں نہ ہوتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے  
 متعلق ہوتی تو حدیث سے جواب دیتے۔ اور اگر ایسی نہ ہوتی بلکہ  
 اس کا تعلق حضرت ابو بکر و عمر سے ہوتا تو اس سے آگاہ کرتے اور یہ بھی

نہ ہوتا تو پھر اپنی رائے سے اس کا جواب دیتے۔ ابن سعد کی روایت میں ہے: وہ اجتہاد کرتے تھے۔

**حلیہ اور اخلاقی خصوصیات** | عبداللہ بن عباس گورے رنگ کے طویل القامت شخص تھے۔ قد لمبائی میں نکلتا ہوا، اور رنگ زردی لئے ہوئے تھا۔ جسیم اور خوب رو تھے۔ مہندی سے حناب کیا کرتے

تھے۔ مسروق راوی ہیں: تم ابن عباس کو دیکھو تو کہو گے سب سے خوبصورت

شخص ہیں، وہ بات کہیں تو کہو گے سب سے زیادہ خوش بیان ہیں اور

جب وہ حدیث بیان کریں تو کہو گے وہ سب سے بڑے عالم ہیں لیکن

عبداللہ حسن صورت کے باوجود نفس کے اچھے، بلند اخلاق والے اور

ایسے متواضع شخص تھے جس میں کمزوری نہ تھی، ایسے فیاض تھے جس میں

اسراف نہ تھا اور اتنے حلیم تھے کہ ان کی بردباری ضرب المثل ہو گئی تھی۔

کہتے ہیں ایک شخص نے انھیں گالی دی تو انھوں نے کہا: تم مجھے گالی دیتے

ہو۔ حالانکہ مجھ میں یتیم بائیں پائی جاتی ہیں: جب میں مسلمان حاکموں میں

سے کسی کی نسبت سنتا ہوں کہ وہ اپنے فیصلے میں عدل کرتا ہے تو میں

اس سے محبت کرتا ہوں، اگرچہ غالباً میں اس کے پاس فیصلہ حاصل کرنے

کبھی نہ جاؤں گا، جب میں سنتا ہوں کہ مسلمانوں کے کسی شہر میں بارش

ہوئی ہے تو خوش ہوتا ہوں حالانکہ اس شہر میں نہ میرا لڑ ہوتے ہیں

نہ چرواہے، پھر جب اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سے کوئی آیت مجھے پہنچتی

ہے تو میں اس بات کا خواہاں ہوتا ہوں کہ تمام مسلمانوں کو اس کا ایسا ہی علم ہو جیسا مجھے ہے۔

**آخری عمر کے حالات اور وفات** | عمر کے آخری دنوں میں عبداللہ بن عباس کی بھارت جاتی رہی تو نہ بقیہ رہے۔

نہ مایوس۔ وہ صرف یہ کہا کرتے تھے :  
 اِنِّیْ وَحِدٌ بَيَانَ الْمَرْءِ نَافِلَةٌ

تہدی لہ ووجدت العنی کا الصم

زیر نے ایک شخص کے بیان کو مال عنینت کی طرح پایا ہے جسے ہدیے میں  
 بھیجا جاتا ہے اور ہکے شخص کو ہرے کی طرح دکھایا ہے (جو بات نہیں کر سکتا  
 اور ہرے کی طرح بیان اس کے لئے کوئی قیمت نہیں رکھتا)

عبداللہ بن عباس کی وناات عبدالملک بن مروان کے عہد میں  
 ہوئی محمد بن الحنفیہ بن ابی طالب نے ان کے جنازے کی نماز پڑھائی۔  
 ان حالات سے ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس علم میں  
 امام اور اخلاق میں دوسروں کے لئے نمونہ تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر  
 کو پاکیزہ کرے اور حنیت کو ان کا ٹھکانا بنائے۔

# حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ

۳۳ھ ۲۱۹ھ

**نام و نسب وغیرہ** | آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے: حسن بن علی بن ابی طالب بن عبدالمطرب بن ہاشم بن عبدمناف۔ رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کے پوتا سے تھے۔ ان کی والدہ حضرت فاطمہ بنت رسول خواتین عالم کی سردار تھیں اور یہ خود جو انان اہل جنت کے سردار تھے آپ کو ریحانۃ البنی (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پھول) کہلانے اور حضور کے ہم شہید ہونے کا فخر حاصل تھا۔ جس بزرگ ہستی کا حسب و نسب اتنا شاندار ہو اس کا ذکر کرنا صحابہ اور مشاہیر اسلام میں جتنی اہمیت رکھتا ہے اس سے کون انکار کر سکتا ہے

حضرت حسن ماہ رمضان ۳۳ھ میں پیدا ہوئے۔ بعض روایات میں **ولادت** | وسط شعبان ۳۳ھ آئے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ جنگ

احد کے دو سال بعد پیدا ہوئے تھے۔ جنگ احد اور واقعہ ہجرت کے درمیان دو سال اور ساڑھے چھ ماہ کی مدت تھی۔

مورخین راوی ہیں کہ ام الفضل زوجہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت

۱۵ یہ متن کے الفاظ "ام الفضل زوجہ الرسول" کا ترجمہ ہے بطریق اصل مسودہ کے نائب ہونے وقت لفظ "عم" چھوڑا گیا ہے یعنی "ام الفضل زوجہ عم الرسول" ہو گا یا پھر مولف سے تسامح ہو گیا ہے۔

حسن کی پیدائش سے پہلے خواب دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضا میں سے ایک عصفوان کے گھر میں ہے۔ جب اکھنوں نے یہ خواب آپ سے بیان کیا تو فرمایا:۔ تم نے اچھا خواب دیکھا ہے، فاطمہ کے لڑکا ہوگا اور تم اسے دودھ پلاؤ گی۔ اس واقعہ کے تھوڑے ہی دنوں بعد حضرت فاطمہ کے یہاں ولادت ہوئی ۱۵

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹوں کا انتقال ہو چکا تھا۔ آپ کی اولاد میں حضرت فاطمہ کے سوا کوئی باقی نہ تھا اس لئے آپ کی خواہش تھی کہ حضرت فاطمہ کے بیٹوں اور جگر گوشوں کو زمین پر چلتا پھرتا دیکھیں اور انہیں دیکھ کر آپ کا دل مسرت و شادمانی سے معمور ہو جائے۔ آپ کو جیسے ہی اس ولادت کی اطلاع ہوئی۔ بیٹی کے گھر تشریف لائے اور فرمایا: مجھے میرا بیٹا دکھاؤ۔ تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے؟ حضرت علی ابن ابی طالب نے عرض کیا: حربہ فرمایا: نہیں بلکہ اس کا نام حسن ہے۔ اس طرح یہ نام گرامی حضور ہی کا اختیار فرمایا ہوا ہے۔ اس مبارک مولود کی ولادت سے اتنی خوشی ہوئی کہ بچہ کا سر منڈوانے اور اس کے بالوں کے ہوزن چاندی صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ اور دو مہینڈھے بھی ذبح کروا کے ان کا گوشت فقرا میں تقسیم کروایا۔

اس بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت حسن کی ولادت ایمان و تقویٰ سے معمور ماحول اور پاکیزہ و متواضع گھر نے میں ہوئی جس کی بنیاد ہی فضیلت اور خشنیت الہی

تقریباً ۲۴۲  
پہر حال ام الفضل حضرت عباس بن عبدالمطلب کی بیوی تھیں جو آپ کے چچا تھے (ادارہ)  
۱۵ اسی روایت سے ملتی حلقی ایک روایت حضرت حسین کے ولادت کے ضمن میں ملتی ہے

پر رکھی گئی ہے۔ گویا آپ نے اپنی آنکھیں ایسے گھر میں کھولی تھیں جو تمام مسلمانوں کے نزدیک نہایت معزز اور سب سے زیادہ بابرکت تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن سے بالکل ایسی محبت کرتے تھے جیسی اپنے بیٹیوں اور جگر کے ٹکڑوں سے کیا کرتے تھے

بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
کی محبت

ان کے ساتھ آپ کی محبت کا وہ عالم تھا کہ لوگ اولاد کے ساتھ والدین کے حسن سلوک اور شفقت میں اور انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی تواضع میں اس کی مثال دیا کرتے تھے۔ اسامہ بن زید راوی ہیں: ایک رات میں کسی ضرورت سے بنی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ نکلے تو کسی چیز میں مشغول تھے جسے میں نہ جانتا تھا۔ حیرت اپنی حاجت سے غائب ہوا تو میں نے پوچھا۔ یہ آپ کس چیز میں مشغول ہیں؟ آپ نے اس چیز کو کھولا تو کیا دیکھا ہوں کہ آپ اپنے کونٹے پر حسن کو لئے ہوئے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا: یہ میرا بیٹا اور میری بیٹی کا بیٹا ہے، اے اللہ میں اس سے محبت کرتا ہوں، جو اس سے محبت کرے تو بھی اس سے محبت کر اور ان دونوں کو جو محبوب رکھے اسے محبوب رکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نواسے سے جتنی محبت اور شفقت فرماتے تھے اس سے متعلق حضرت ابن عباس ایک حدیث کے دوران میں راوی ہیں: آپ حسن کو اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک شخص نے کہا: اے لڑکے تم کتنا اچھے گھوڑے پر سوار ہوتے ہو۔ حضور نے فرمایا: اور یہ سوار بھی کتنا اچھا ہے۔ ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں خطبہ دے رہے تھے اتنے میں دیکھا کہ حسن ایک سرخ قمیض پہنے لڑکھڑاتے چلے

آ رہے ہیں۔ آپ نے خطیبہ موقوف فرما دیا۔ منبر سے اترے، حسن کو اٹھایا اور گود میں لے کر کہا:۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے اِنَّمَا اَمْوَالُ الْكُفْرِ وَالْاَوْلَادُ كَمِ الْفِتَنِ رَجَزِ اس کے نہیں کہ تمہارے اموال و اولاد آزمائش ہیں) میں نے اس لڑکے کو چلتے اور لڑکھڑانے ہوئے دیکھا تو مجھ سے صبر نہ ہو سکا، کلام موقوف کیا اور اسے اٹھا لیا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے اتنی محبت تھی اور ان کے ساتھ اس درجہ شفقت فرماتے تھے۔

جیسے ہی حضرت حسن نے ہوش سنبھالا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں اللہ کے سکھائے ہوئے علم میں سے تعلیم دینے لگے اور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے استفادہ

تربیت اولاد کے بہترین طریقے پر ان کی تربیت فرمائی۔ خود حضرت حسن راوی ہیں:۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند کلمے تعلیم فرمائے ہیں جنہیں میں وتر میں پڑھا کرتا ہوں:۔ اَللّٰهُمَّ اِهْدِنِيْ فِىْ فِئْتِمْ هَدٰى بَيْتِ وَعَافِيْ فِئْتِمْ عَافِيْتِ وَتَوَلَّيْتِ فِئْتِمْ وَبَارِكْ لِيْ فِىْ مَا اَعْطَيْتِمْ وَقِنِيْ شَرَّ مَا قَضَيْتِمْ فَاِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ وَاِنَّكَ لَا يَدْرُكُ مِنَ الْبَيْتِ تَبَارَكَ رَبَّنَا وَتَحَالَيْتِمْ اِلٰى اے اللہ اس شخص کے ساتھ ہدایت دے جس کو تو نے ہدایت کی، اس کے ساتھ عافیت دے جسے تو نے عافیت بخشی، مجھے اس کے ساتھ دوست رکھ جسے تو نے دوست بنایا، مجھے اس چیز میں برکت دے جو تو نے عطا کی ہے مجھے

۱۰ وتر کی تیسری رکعت میں جو دعائیں قنوت میں پڑھی جاتی ہیں ان میں سے ایک دعا ثورہ یہی ہے اس دعا میں لا یذل من والیت کے بعد لا یجز من عادیت کے الفاظ اور ہیں اور تحالیت کے بعد

صلی اللہ علی خیر خلقہ وآلہ و احمابہ اجمعین بھی پڑھا جاتا ہے۔ (ادارہ)



اس بات کے برے نتیجے سے بچا۔ جس کا تو نے حکم دیا کیونکہ تو حکم دیتا ہے اور تجھ کو حکم نہیں دیا جاتا، بیشک

وہ ذلیل نہیں ہوتا جس کا تو دوست ہو۔ اے ہمارے رب تو بہت برکت والا اور بڑے رحم والا ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن کے بچپن ہی میں ان کے نرم و نازک  
دل میں حق کی محبت اور عدل و انصاف کے جذبات ابھارتے رہتے تھے۔ اور

قناعت و رضا کی روح پھونکتے رہتے تھے۔ خود حضرت حسن راوی ہیں: مجھے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات یاد ہے کہ میں نے صدقے کی کھجوروں

میں سے ایک کھجور لے لی اور اسے اپنے منہ میں ڈال لیا تھا۔ آپ نے اسے

اس کے لعاب کے ساتھ (میرے منہ سے) نکال لیا اور پھر حق کی کھجوروں

میں رکھ دیا (اس وقت آپ سے کہا گیا: یا رسول اللہ اس کھجور سے متعلق

آپ کے ذمے ایسی کیا بات تھی؟ فرمایا: آل محمد کے لئے صدقہ جائز نہیں

ہے۔ آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے، جس بات میں تمہیں شک ہوتا ہو اسے

بے شبہ بات کے مقابلے میں چھوڑ دیا کرو، سچائی اطمینان ہے اور جھوٹ

شک ہے۔ آپ ہمیں یہ دعا سکھایا کرتے تھے

اللہ تعالیٰ اس محبت و شفقت سے واقف

آیت تطہیر کا نزول | تھا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے

بیٹوں، گھر والوں اور عزیزوں سے کھتی اس نے اپنے رسول کی اس محبت

کا اعزاز ملحوظ رکھا اور یہ آیت نازل فرما کر اس محبت کا درجہ بے حد بلند

فرما دیا: انما یرید اللہ لیذہب عنکم الریحین اهل البیت

ویطہرکم تطہیراً (اے گھر والو اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے آلودگی کو دور کر دے اور

طہ فاضل مؤلف نے یہاں جس دعا کا ذکر کیا ہے وہ نقل نہیں کی ہے۔ (ادارہ)

تھیں اچھی طرح پاک کر دیے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو بلا پایا اور انھیں ایک چادر اڑھائی۔ حضرت علی آپ کے پیچھے تھے اور نر پایا۔ (اسے اللہ) یہ لوگ میرے اہلبیت ہیں۔ ان سے میں کچیل کو زور کر رہا اور انھیں پاک صاف کرنے۔ اس وقت ام المؤمنین حضرت ام سلمہ نے کہا: یا رسول میں بھی ان کے ساتھ ہوں؟ فرمایا: تم اپنی جگہ پر ہو۔ اور میری نظر میں بہتر ہو۔ اس کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمایا کہ حالتے کا وقت آپہنچا ہے اور عنقریب اللہ سے جا ملیں گے تو مسلمانوں کو اپنی آل کے ساتھ بھلائی کرنے کی نصیحت فرمائی اور کہا: میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں جسے اگر تم مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ ان میں سے ایک دوسری سے بڑی ہے۔ اللہ کی رسی (یعنی قرآن مجید) جس کا سلسلہ آسمان سے زمین تک پھیلا ہوا ہے اور میرا کینہ، میرے اہلبیت، یہ دونوں ہرگز علیحدہ نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ حوض کوثر پر وارد ہوں۔ اس لئے اس کا خیال رکھو کہ میرے بعد ان کے ساتھ تم کیسا سلوک کرتے ہو۔

جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے کوچ فرمایا حضرت حسن کی عمر آٹھ سال سے زیادہ نہ تھی۔ لیکن اس کمسنی کے باوجود انھوں نے بہت سی باتیں یاد رکھیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب و اخلاق سیکھ لئے۔ اور کیوں نہ ہو، کیا حضرت حسن، حضرت سیدہ فاطمہ کے لخت جگر نہ تھے۔

پھر حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے۔ اس زمانے میں

یہ بچہ ہی تھے اور کوئی روایت ایسی نہیں ملتی

عہدِ سال کے بعد

جس میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر تک کے عہد میں حضرت حسن کی زندگی کا حال بیان کیا گیا ہو۔ ہمارا یہ خیال ہے کہ حضرت حسن کا نشوونما بھی اسی طرح ہوا جس طرح نوجوان صحابہ کا اور صحابہ کے بیٹوں کا ہوا تھا۔ یہ بھی قرآن حفظ کرتے حدیث کی روایت کرتے اور سنت محمدیہ کے آداب سے سیکھتے تھے۔

**حضرت حسن کا شوق جہاد**  
 حضرت عثمان بن عفان کی خلافت کا زمانہ آیا تو حضرت حسن بیس برس کے ہو چکے تھے۔ مردوں کی سہیختگی آگئی تھی اور آداب و اخلاق اور علم میں انتہائی مرتبے پر

پہنچ چکے تھے۔ جب حضرت عثمان نے فتح طبرستان کا ارادہ کیا تو اس مہم کے لئے سعد بن العاص کی قیادت میں ایک لشکر ترتیب دیا۔ اس میں عبداللہ بن عباس عمرو بن العاص اور زبیر بن العوام جیسے حلیل القدر صحابہ کے ساتھ حضرت حسن بھی شامل تھے کیونکہ انھیں اللہ کی راہ میں لڑنے اور دشمنان خدا سے جہاد کا ثواب حاصل کرنے کا بڑا شوق تھا۔ اس موقع پر حاکم جرجان سعید بن العاص سے صلح کرنے پر مجبور ہوا۔ حملہ آور فتح مند اور کامیاب واپس ہوئے اور حضرت حسن مدینے آنے کے بعد پہلے کی طرح پھر قرآن و حدیث اور ان سے متعلقہ مسائل پر غور و خوض کرنے میں مشغول ہو گئے۔ اس کے بعد مسلمان حضرت عثمان کے واقعے کی بدولت آرمائش میں مبتلا ہو گئے۔ مدینے میں حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کر لیا گیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان کے ساتھ اختلاف رائے کے باوجود یہ پسند نہ فرماتے تھے کہ حضرت عثمان کا پاکیزہ خون بہایا جائے، آپ نے حضرت حسن کو ان کے گھر بھیجا تا کہ یہ حضرت عثمان کی حفاظت کریں اور جو ان قریش کے ساتھ شورش پسندوں کا حملہ رد کرنے اور خلیفہ کی طرف سے

مدافعت کرنے والوں میں شریک رہیں۔

لیکن اللہ کا ارادہ یہی تھا کہ حضرت عثمان کا خون بہے اور یہ فتنہ عالم اسلامی میں بتاہی کا باعث بنے۔ حضرت علی کی خلافت پر بیعت ہو گئی اور وہ مدینے سے کوفے میں منتقل ہو گئے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ حضرات حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) بھی کوفے چلے گئے تاکہ اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ رہیں۔

کوئی زراہدانہ زندگی

اگرچہ راویوں نے اس بات کا ذکر نہیں کیا کہ حضرت حسن و حسین نے اپنے باپ کے حق کی حمایت میں ان کے معرکوں میں حصہ لیا۔ مگر بہرا خیال ہے کہ

ان میں سے ہر ایک نے اس خونریز جنگ میں ضرورتاً شرکت ہوگی جس سے فریقین بتاہی کے کتلے پر پہنچ چکے تھے۔ کیونکہ اس وقت حضرت حسن کی عمر تیس سال سے متجاوز ہو چکی تھی خلافت اور اس کی شان شوکت نے حضرت علی کو لوگوں کے ساتھ مساوات برتنے سے نہیں روکا تھا۔ آپ اس معاملے میں قریب اور بعید کے درمیان کوئی تفریق نہ فرماتے۔ اپنے دونوں بیٹوں حسن و حسین کو بھی ان کے حق سے زیادہ نہ دیتے تھے اس لئے یہ دونوں کوفے میں زراہدانہ زندگی بسر کرتے تھے دیہات سے دور رہتے اور آخرت اور اس کے ثواب کو ترجیح دیتے تھے۔

حضرت حسن کی خلافت

جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سیدنا میں شہید ہوئے

رمضان کے تیرہ دن باقی تھے اب حضرت حسن کے ہاتھ پر بیعت ہوئی جس میں چالیس ہزار سے زیادہ تعداد میں لوگوں نے مرتے دم تک وفادار رہنے کا عہد کیا۔ یہ سب ان کے مطیع تھے اور ان سے

محبت کرتے تھے چنانچہ حضرت حسن تقریباً سات ماہ عراق اور اس کے متعلقہ علاقوں خراسان، حجاز اور یمن وغیرہ کے خلیفہ رہے جس بات سے حضرت حسن کے اخلاق کی بہترین توضیح ہوتی ہے وہ ان کا خطبہ ہے جو انھوں نے اپنے والد کی وفات کے دن دیا تھا۔ وہ منبر پر چڑھے اور اللہ تعالیٰ کی ثنا کے بعد کہا:-

”ہمیں کسی شہر یا ندامت نے اہل شام کے مقابلے سے نہیں لوٹایا بلکہ دراصل ہم اہل شام سے صاف دلی اور صبر کے ساتھ لڑتے تھے لیکن اب سلامتی کو عداوت نے چھین لیا اور صبر کو بے چینی نے جب تم صفین میں بلائے گئے تھے تو تمہارا دین تمہاری دنیا پر مقدم ہوتا تھا اب تم اس حال میں ہو کہ تمہاری دنیا تمہارے دین سے مقدم رہتی ہے۔ مگر ہم تمہارے لئے ایسے ہی ہیں جیسے پہلے تھے۔ تم جیسے تھے ہمارے لئے ویسے نہیں رہے۔ اس وقت تمہارے سامنے دو قسم کے مقتول ہیں، ایک صفین کے مقتولین جن کے لئے تم روئے ہو اور دوسرے نہروان کے جن کا انتقام طلب کر رہے ہو۔ مگر رونے والا بدلہ پا گیا اور باقی ناکام رہے گا۔ لیکن معاویہ نے ہمیں جس بات کی طرف بلا رہا ہے اس میں نہ عزت ہے نہ انصاف۔ اس لئے اگر تم مرنے کے لئے آمادہ ہو تو ہم اس دعوت کو معاویہ ہی کی طرف لوٹا دیں اور تلوار کی دھار کے ذریعہ خدا سے اس کا فیصلہ چاہیں اور اگر تم زندگی کے خواہاں ہو تو ہم معاویہ کی بات کو قبول کر لیں اور تمہارے لئے رضا حاصل کریں۔“

امیر معاویہ کے حق میں خلافت سے دست برداری

اگر یہ واقعہ کسی بات پر دلالت کرتا ہے تو وہ یہ ہے کہ حضرت حسن کی خلافت امیر معاویہ کی قوت کے آگے ٹھہرنے لگی

شامی لشکروں کے مقابلے میں ان کے لشکروں کے مہزوم ہونے کی خبر پھیلی تو اس کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ اہل عراق نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اس لئے حضرت حسن نے اس کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا کہ مسلمانوں کی خونریزی سے بچنے کے لئے خلافت سے دست بردار ہو جائیں۔ اس موقع پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت حسن دینا سے بے رغبت تھے حکومت و سلطنت سے بیزار رہتے تھے ایک روایت ہے کہ انھوں نے آخرت کی رغبت میں حکومت اور دنیا کو چھوڑ دیا تھا اور یہ کہا کرتے تھے :- مجھے یہ پسند نہیں کہ اس معاملے میں امت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خون بہایا جائے۔ اس لئے انھوں نے امیر معاویہ کے پاس اس شرط کے ساتھ خلافت حوالہ کر دینے کا پیام بھیجا کہ اہل مدینہ حجاز و عراق میں سے کسی کو کسی ایسی بات کی بنا پر طلب نہ کریں جو ان کے باپ کے زمانے میں ہوئی تھی۔ انھوں نے جو کچھ مطالبہ کیا امیر معاویہ نے مان لیا اور یہ معاہدہ وسط جمادی الاول ۴۰ھ میں مکمل ہو گیا اس طرح ان کی خلافت کا زمانہ چھ ماہ اور باہ دن ہوتا ہے۔ اس واقعے کی بدولت امیر معاویہ کو تمام اسلامی ولایات میں کامل اختیار حاصل ہو گیا۔

ایک روایت ہے کہ جب امیر معاویہ ماہ ربیع الثانی ۴۱ھ

میں کوفے میں داخل ہوئے تو حضرت حسن نے کہا: معلوم

رہے کہ دانا بیوں میں بہترین و اتانی پر ہیزگاری اور کزور پو

امیر معاویہ اور  
حضرت حسن

میں سب سے بڑی عاجزی پر کارئی ہے۔ اور یہ معاملہ (مسئلہ خلافت) جس

میں میرے اور معاویہ کے درمیان اختلاف ہے اس میں یا تو وہ مجھ سے زیادہ

ستحق ہیں یا پھر وہ میرا حق ہے جسے میں نے امت محمد کی اصلاح اور خونریزی

سے بچاؤ کی غرض سے اللہ کے لئے ترک کر دیا۔ پھر حضرت حسن امیر معاویہ کی

طون متوجہ ہوئے اور کہا:- وَاِنَّ اِدْرٰى لَعَلَّهٗ فِتْنَهٗ لَكُمْ وَمَتَاعٌ

الی حین۔ میں جانتا ہوں یہ تمہارے لئے فتنہ اور چند روزہ سزا یہ ہے۔

حضرت حسن شکل و شبابت میں اپنے نانا رسول اللہ

## فضائل خلاق |

صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام لوگوں سے زیادہ مشابہ

تھے، آپ بڑے بردبار، متقی اور فیاض تھے۔ آپ کی پرہیزگاری اور فضیلت

ہی نے العام خراوندی کی ترغیب میں آپ سے حکومت اور دنیا ترک کر دانی

آپ ہمیشہ حج پا پیادہ فرماتے تھے اور کہا کرتے تھے:- مجھے خدا سے شرم محلو

ہوتی ہے کہ اس سے ملوں اور اس کے گھر یا پیادہ نہ گیا ہوں۔ اپنے مال سے

خیرات بہت فرماتے اور اسے فقر اور مساکین میں بانٹ دیا کرتے ایک روایت

میں ہے کہ انھوں نے اپنے مال کا نصف حصہ تین مرتبہ خدا کی راہ میں دیدیا

آپ..... ترک کر دیتے اور..... لے لیتے دوسرے آپ نے پورا مال

خیرات کر دیا۔ بڑے حلیم۔ سخی اور پرہیزگار تھے۔ دنوں کو روزہ رکھتے اور

عبادت میں گزارتے۔

حضرت حسن کی وفات ۴۹ھ میں اور بقول بعض ۵۰ھ

## زندگی کا اہم آخر |

میں ہوئی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ کی وفات

زہر سے ہوئی۔ جب انتقال کا وقت قریب آیا تو آپ نے حضرت عائشہ سے

پاس کہا کہ درخواست کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دن ہونے کی اجازت

دی جائے۔ جب ام المومنین نے منظور کر لیا تو اپنے بھائی حسین سے کہا: جب

میں وفات پا جاؤں تو حضرت عائشہ سے پھر ہی استخارہ عا کرنا کہ حضور کے قب

۱۔ تن میں عبارت چھوٹی ہوئی ہے فکان يتحرك.... دیا خدا.... درج ہے۔

دفن ہونے کی اجازت دیں۔ اگر وہ منظور کر لیں تو مجھے ان کے گھر میں دفن کرنا  
 اور اگر بنو امیہ انکار کریں تو بقیع میں دفن کر دینا۔ بنو امیہ نے حضور کے جوار میں  
 دفن کرنے سے متنع کیا اس لئے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بقیع میں دفن کیا گیا۔  
 اس طرح حضرت حسن جئے تو زہد اور تواضع کے ساتھ زندگی گزاری  
 اور وفات پائی تو ایک زاہد اور مستواضع کی شان سے دنیا کو خیر باد کہا۔  
 اللہ تعالیٰ ان پر رحمت نازل فرمائے اور ثواب عظیم عطا کرے۔

---



# حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ

۵۴ھ تا ۶۱ھ

**نام نسب** آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے، باغ بنوت کے پھول جو انان جنت کے سردار اور آل عبا میں

سے پانچویں شخص ہیں۔ ان کی والدہ حضرت فاطمہ الزہراء بنت ام المومنین

حضرت خدیجہ ہیں جو عورتوں میں سب سے پہلے ایمان لائی تھیں، ان کے

باپ حضرت علی بن ابی طالب جیسے عابد و زاہد اور تنگی سے زندگی گزارنے والے

بزرگ تھے جو لڑکپن میں مسلمان ہوئے اور شہید ہو کر اللہ کے حضور میں پہنچے

حضرت حسین کی ولادت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مینے

**ولادت** ہجرت فرمانے کے بعد ہوئی، تاریخ ولادت ۶ شعبان ۵۴ھ

ہے۔ اس طرح آپ حضرت حسن کے ایک سال دس ماہ بعد پیدا ہوئے اور خاندانہ

بنوت میں یہ دونوں ماہ کامل اندر ماہ تاباں یکے بعد دیگرے طلوع ہوئے آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی ولادت سے بھی ایسی ہی خوشی ہوئی جیسے ان کے بھائی

حسن کے پیدا ہونے سے ہوئی تھی۔ ان کی پیدائش کے بعد ان کی والدہ کے گھر

۵۴ اس بیان میں فاضل مولف سے توجیح ہوا ہے حضرت حسن کی ولادت رمضان ۵۳ھ میں اور

حضرت حسین کی شعبان ۵۴ھ میں ہوئی، اس طرح دونوں کی عمر میں تقریباً ۱۱ ماہ کا فرق تھا (ادارہ)

تشریف لے گئے اور بچے کا نام حسین رکھا۔ پھر حبیب حضرت فاطمہ کے تیسرا لڑکا  
 ہوا اس کا نام محسن رکھا۔ پھر فرمایا:- تم نے ہارون کے بیٹوں شبر، شبیر اور مشبر  
 پر نام رکھے ہیں۔ عمران بن سلیمان راوی ہیں:- حسن اور حسین اہل جنت کے  
 ناموں میں سے ہیں۔ یہ دونوں نام جاہلیت میں نہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم کے اس نام کو اختیار کرنے میں بڑی حکمت تھی۔ ہاجرین کی جو اولاد مدینے  
 میں ہوئی ان میں ان کا شمار پہلے پیدا ہونے والے بچوں میں تھا۔ یہ ایسی ماں سے  
 پیدا ہوئے جن کا لقب تمول تھا۔ ان کے باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 کے مخلص ترین جان نثاروں میں تھے اس لئے آپ نے ان کے لئے ایسا نام تجویز  
 کیا جس کی مثال زمانہ جاہلیت والوں میں نہیں ملتی۔

رسالتِ مآب کی  
 پدراہ شفقیت

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا نشوونما بھی اس پاکیزہ گھرانے  
 میں ہوا جس طرح ان کے بھائی حسن کا ہوا تھا۔ دونوں نے  
 نوز و ایمان اور صفات خیر میں تقویٰ و پرہیزگاری کے سر

چشمے سے یکساں فیض پایا تھا اور دونوں ہدایت و ایمان کے آغوش میں پروان  
 چڑھے تھے، یوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حسن اور حضرت  
 حسین دونوں سے برابر کی محبت تھی مگر حضرت حسین کے ساتھ اس محبت کا  
 پلہ بھاری تھا۔ حدیث میں ہے کہ حضور نے فرمایا:- حسین مجھ سے ہے اور میں  
 حسین سے۔ جو شخص حسین سے محبت کرے اس سے اللہ محبت کرے۔ حسین  
 اسباط میں سے ایک سبط (نواسہ) ہے۔ اسی طرح ایک روایت میں ہے  
 کہ آپ نے فرمایا:- حسن اور حسین دنیا میں ہمارا گلہ سترہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
 وسلم نے پدراہ محبت و شفقت اور حسن سلوک کی نہایت شریفانہ مثال قائم فرمائی  
 تھی۔ آپ حسین سے محبت کرتے تو اس میں بہت افراط فرماتے اور انھیں اپنے دل سے

بہت قریب رکھتے۔ حضرت حسین آپ کے دل کا ٹکڑا بنے ہوئے تھے دونوں  
 نواسوں کے ساتھ آپ کی مہر و محبت کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ حسن  
 اور حسین دونوں بچپن میں آپ کے سامنے کشتی لڑ رہے تھے تو آپ نے فرمایا  
 (ہی حسن) وہ (بضمیر مونت) حسن ہے، حضرت فاطمہ نے کہا: آپ ہی حسن  
 کیوں فرماتے ہیں؟ فرمایا: جبریل کہتے ہیں ہی حسین لے

بنی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نواسے حضرت حسین کے ساتھ جتنی شفقت  
 سے پیش آتے تھے اس کی مثال شہاد بن عبد اللہ کی روایت سے ملتی ہے  
 وہ کہتے ہیں: بنی صلی اللہ علیہ وسلم ام سلمہ کے گھر آئے تو (حضرت) حسن آپ  
 کے پاس پہنچے، آپ نے انھیں اپنی دائیں ران پر بٹھا لیا پھر (حضرت) حسین آئے  
 تو انھیں بائیں ران پر سٹھایا اور انھیں پیار کیا۔ پھر حضرت فاطمہ آئیں تو آپ نے  
 انھیں اپنے سامنے بٹھا لیا، آپ کی اسی پد راہ محبت کا اظہار حضرت ابو ہریرہ کی  
 اس روایت سے ہوتا ہے جس میں وہ کہتے ہیں: میری انھی دونوں آنکھوں نے واقعہ  
 دیکھا اور کانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے۔ آپ  
 حسین کے دونوں ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ حسین کے دونوں پاؤں آپ کے پائے  
 مبارک پر تھے اور آپ فرماتے تھے: ترق عین بقدر چڑھو۔ چڑھو پھر کی آنکھیں  
 ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ حسین جسم مبارک پر چڑھ گئے یہاں تک کہ اپنے دونوں پاؤں  
 آپ کے سینے پر رکھ دیے۔

پھر ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا۔ اپنا منہ کھولو، آپ نے ان کا بوسہ لیا۔ سبحان اللہ کیا شفقت ہے۔

۱۰ بیان عبارت کے اعتبار سے جبریل کے الفاظ بھی ہی حسن ہونا چاہئیں نہ کہ ہی حسین (ادارہ)

ایمان اور اللہ کی سچی محبت سے معمور قلب سے نکلی ہوئی گہری پاکیزہ محبت ہے! حضرت حسن کی طرح حضرت حسین بھی نبوت کی پیکر اور غم و غمش میں بڑھے ہوا بیت کے نور سے روشنی حاصل کی، برگزیدہ خلق سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی الہی سے فیضیاب ہوتے دیکھا اور مشک و عنبر سے زیادہ معطر اور بارش سے زیادہ فیض بخش پائیں۔ انھیں حضرت فاطمہ نے دودھ پلایا، حضرت علی نے پروان چڑھایا اور بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر شفقت و رعایت سے نوازنا جیسے بی بی بولنا سیکھا ادب سیکھنے لگے۔ قرآن حفظ کیا، نماز روزہ اور خشوع و حضور کے آداب یاد کئے صحابہ کی مجلس میں جاتے، اور دھیرے دھیرے نزول وحی کے مقالات پر بھی جا پہنچے، لوگوں کی نگاہیں ان کی کمسنی کے یہ انداز بڑے شوق اور پسندیدگی کے ساتھ دیکھتی رہیں۔

اس کے بعد سال تائب صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا، اس زمانے میں حضرت حسین لڑکے ہی تھے۔ حضرت ابو بکر کی خلافت میں بھی اکسن تھے اور سہروزان کی جسمانی ساخت نرم اور نازک شاخ کی طرح کمزور تھی۔ جب ان کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ نے وفات پائی تو انھیں پہلی مرتبہ سایہ مادری سے محرومی کا صدمہ محسوس ہوا مگر ان کے والد کی محبت و شفقت اور پاسداری و رعایت نے ان کا یہ غم بھلا دیا۔ اسی طرح انھوں نے بھی حضرت حسن کی طرح علوم دین کی تحصیل پر توجہ کی۔ دونوں قرآن حفظ کرتے۔ حدیث کی روایت کرتے۔ کتاب اللہ کی تفسیر بیان کرتے، دونوں روزہ نماز ادا

کرتے اور تہجد و عبادت میں مشغول رہتے جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم خلیفہ ہوئے اس وقت تک حضرت حسین سن بلوغ کو نہ پہنچے تھے۔ حضرت عثمان

رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ان کی عمر بیس سال اور چند ماہ ہو چکی تھی۔ اب آپ میں بوڑھوں کی سی عقل و دانش اور عابدوں کی سی عبادت اور زہد کا مذاق پیدا ہو گیا تھا۔ چہرے سے عالمانہ رعب اور سنجیدگی نمایاں تھی۔ بہت سا علم و فضل حاصل کیا اور مکارم اخلاق سے بہرہ مند ہوئے۔ حبیب اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے بلا یا جاتا تو شرکت میں ذرا تردد نہ کرتے بلکہ ان لوگوں کی صف اول میں نظر آتے جو ذرا بھی چین یہ نہیں ہوئے بغیر لوہے سے ذوق و شوق کے ساتھ سفر فرشتی کے لئے چل کھڑے ہوتے تھے جس زمانے میں حضرت عثمان بن عفان نے فتح طبرستان کے لئے سعید بن العاص کی قیادت میں لشکر روانہ کیا تو حضرت حسین بھی اسلام پر اپنا خون فدا کر لے کے لئے شریک ہوئے۔

حضرت حسین کبھی سستی اور آرام طلبی کی طرف مائل نہ ہوئے۔ انھیں اور نوجوانوں کی طرح ہوا و لعب میں مبتلا ہونے کا شوق نہ تھا وہ بے خوف و خطر اطالی میں شرکت کے لئے سبقت کرتے تھے جب باغیوں نے حضرت عثمان کو مدینے میں ان کے گھر کے اندر محصور کر دیا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان کی مدافعت کے لئے فوراً آمادہ ہوئے تاکہ ظالموں کو دفع کر دیں اور اپنے دونوں بیٹوں حسن اور حسین کو اس مظلمے کے دفاع کے لئے حضرت عثمان کے گھر بھیج دیا۔ مگر یہ دونوں اللہ کے ارادہ کو روکنے سے قاصر رہے۔ حضرت عثمان شہید ہو گئے۔ مدینے میں فتنے کی آگ بھڑک اٹھی اور مسلمان دو گروہوں میں منقسم ہو گئے۔ اس موقع پر حضرت علی کی خلافت پر بیعت لی گئی اور آپ کو فے منتقل ہو گئے۔ آپ کے ساتھ دونوں صاحبزادے حضرت حسن اور حسین بھی وہیں چلے گئے۔

خلافت سے دست برداری پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد حضرت حسن سے اختلاف | بعد حضرت حسن کے ہاتھ پر بیعت لی گئی۔

تو بیعت کرنے والوں میں یہ پیش پیش تھے۔ انھوں نے حضرت حسن کو تقویت پہنچائی اور ان کی قوت بازو بنے۔ اس کے بعد جب وہ امیر معاویہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہوئے اور گوشہ عافیت کو ترجیح دی تو حضرت حسین نے اس بات کو پسند نہ کیا اور کہا:۔ میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ معاویہ کی تصدیق نہ کریں اور اپنے باپ کی بات کو نہ جھٹلائیں یہ سن کر حضرت حسن نے کہا:۔ خاموش رہو۔ میں اس بات کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ اس پر حضرت حسین بادل ناخواستہ چپ ہو گئے اور بھائی کی رائے کا احترام ملحوظ رکھا۔

حضرت حسن کے انتقال کے بعد جب ۴۱ھ

میں خلافت یزید کے ہاتھ میں آئی تو یزید نے

اپنے عامل مدینہ ولید ابن عتبہ کو ہدایت کی

یزید کا عہد اور  
واقعہ شہادت

کہ وہ اس کے لئے حجاز کے اکابر صحابہ سے بیعت لے، اس وقت عبداللہ بن الزبیر بیعت سے ہٹ گئے اور مکہ کی راہ لی۔ حضرت حسین بھی یزید کے ہاتھ پر بیعت کے بغیر مدینے سے نکل کر مکہ روانہ ہو گئے۔ کوفے میں آپ کے معاون موجود تھے انھوں نے خط لکھا بتا بتا کی۔ لوگ جمع ہوئے اور آپ کو خط لکھا کہ آپ کے یہاں پہنچنے پر آپ کی تابعداری کی جائے گی، چنانچہ آپ روانہ ہو گئے۔

لیکن حضرت حسین نے اہل کوفہ کی اس حرکت سے عبرت حاصل نہ کی جو یہ لوگ اس سے پہلے ان کے والد بزرگوار کے ساتھ اور عراق کا عزم کرنے پر ان کے بھائی کے ساتھ کر چکے تھے۔ انھیں اس خطرے کا احساس تھا کہ اگر وہ مکہ میں رہے تو بنی امیہ ان کا تعاقب کر کے انھیں حجاز میں قتل کر ڈالیں گے اس لئے یہاں کا پیام ناپسند کر کے عراق کا عزم کیا۔ عبداللہ بن عباس نے انھیں روانگی پر مصر پایا تو ان سے کہا:۔

اگر آپ جانتے ہی ہیں تو اپنی عورتوں اور لڑکوں کو ساتھ نہ لے جائے  
 کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ آپ بھی اسی طرح قتل کر دیے جائیں گے جس طرح  
 عثمان قتل کر دیے گئے اور ان کی عورتیں اور لڑکے ان کی طرف دیکھتے رہ  
 گئے، حضرت حسین نے تانھوں کی نصیحت پر توجہ نہ کی اور ایک مختصر  
 جماعت کے ساتھ جس میں (۸۰) نفوس سے زیادہ نہ تھے کوفہ کی راہ لی۔  
 کوفہ کے قریب پہنچ کر جب آپ کو خطرہ محسوس ہوا تو واپسی کا ارادہ  
 فرمایا۔ لیکن عبداللہ بن زیاد آپ کی گھات میں تھا اس نے روکا اس لئے  
 کہ بلا کی راہ لی جہاں ۱۰ محرم ۶۱ھ کو لڑائی ہوئی۔ اس معرکہ میں حضرت  
 حسین رضی اللہ عنہ بڑی بے دردی سے شہید کر دیے گئے۔ اس موقع پر  
 آپ کی طرف سے بڑے صبر و ضبط اور بہادری و تقویٰ کے ساتھ ہی آداب  
 جنگ سے کامل واقفیت اور بلاغت کا اظہار ہوا۔ اس طرح آپ کے گھر  
 والوں اور ساتھیوں نے آپ کی اعانت میں بڑی عملساری و جاں بازی  
 دکھائی۔

یہ حالات تھے جن میں عراق کی سرزمین حضرت حسین کے پاکیزہ خون سے  
 سینچی گئی۔ اہلبیت کا خون بہایا گیا اور ان پر آفت ڈھائی گئی۔ حالانکہ  
 ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو پورے ساٹھ برس بھی  
 نہ گزرے تھے۔

ابو خالد الاحمر راوی ہیں: میں ام سلمہ کے پاس گیا تو وہ رو رہی تھیں  
 میں نے پوچھا آپ کیوں روتی ہیں؟ کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
 وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ کا سر اور ریش مبارک گرد آلود ہے میں نے  
 پوچھا: یا رسول اللہ آپ کو کیا ہوا ہے؟ فرمایا: میں نے حسین کا قتل دیکھا

بن عباس کی روایت ہے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ کھڑے ہیں۔ چہرہ عیار آلود ہے اور بال بکھرے ہوئے ہیں، آپ کے ہاتھ میں ایک شیشہ ہے جس میں خون ہے۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، یہ خون کیسا ہے؟ فرمایا: یہ حسین کا خون ہے۔ آج میں سے برابر اٹھاتا رہا ہوں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر تمام دنیا سے اسلام میں گونج اٹھی شعرانے آپ پر مرثیے لکھے اور لوگ آپ کے غم میں روئے، انہی مرثیوں میں سلیمان بن کثیر الخزاعی کے یہ اشعار ہیں۔

مَرَدَتْ عَلٰی بَيَاتِ آلِ مُحَمَّدٍ      فَلَمَّ ارَهَا امثالها حين حُلَّتْ  
(میں آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھروں کے پاس گزرا۔ قیام کے اعتبار سے میں نے ان جیسے کوئی گھر نہیں دیکھے)

فَلَا يَبْعِدُ اللَّهُ الْبَيْوتَ وَاَهْلَهَا      وَاِنْ اصْبَحَتْ مِنْهُمْ بَرَعْمَى تَحَلَّتْ  
(اللہ ان گھروں اور ان کے ساکنوں کو امرے دل کی نگاہوں سے) دور نہ کرے، اگرچہ یہ گھر میری تمنا کے برخلاف ان ساکنوں سے خالی ہو چکے ہیں)

المدثر ان الارض اصحت هر ليضة      لِفَقْدِ حَسِينٍ وَالْبِلَادِ اقشعرت  
(کیا تم نہیں دیکھتے کہ حسین کے فقدان سے زمین ردگی بن گئی ہے اور ملک کانپ اٹھے ہیں)  
وَقَدْ عَوَلَتْ تَبْكِي السَّمَاءُ لِفَقْدِهِ      وَاِنْجُمُهُ ناحت عليه واصلت  
(انکے مفقود ہونے پر آسمان رونے لگا اور اسکے ستاروں نے اُپر رونہ کیا اور درود بھیجا)

لے یہ مرثیہ دیوان حماسہ باب المراثی میں درج ہے جس میں اس شاعر کا نام سلیمان بن قنبر لکھا ہے اور اس کے دوسرے شعر میں البیوت کے بجائے "البيار" ہے۔ (ادارہ)



حضرت حسین رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت میں سب لوگوں سے

## اخلاق و عادات

بڑھے ہوئے تھے۔ بڑے روزہ دار بڑے نمازی تھے حج بہت ادا کرتے اور صدقات خیرات بہت کرتے تھے۔ آپ نے ۲۵ حج پایادہ ادا کئے۔ آپ کی وفات اس حال میں ہوئی کہ آپ خدا اور اس کے رسول کی بارگاہ میں مقبول و پسندیدہ تھے۔ آپ شہدا اور صدیقین میں سے ہیں۔ الت

آپ سے راہی ہو۔

## امیر معاویہ بن ابی سفیان

(۱۸۱ھ - ۶۰ھ)

یہ بلند مرتبہ صحابی قریش کے نہایت شریف گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ انھوں نے خلافتِ مویہ کی بنیاد ڈالی اور دار الخلافہ دمشق میں منتقل کیا۔ ان کا خاندان اسلامی تاریخ اور اسلامی فتوحات میں بہت نمایاں حصہ لے چکا ہے۔ ان کا پورا نام و نسب یہ ہے: معاویہ بن ابی سفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ ان کے دادا امیہ عہدِ جاہلیت میں قریش کے سرداروں میں تھے اور شرف اور حسن سلوک میں اپنے چچا ہاشم بن عبد مناف کی طرح تھے امیہ بڑے دولت مند اور کثیر العیال تاجر تھے ان کے دس بیٹے تھے جو شرف و سیادت میں ممتاز تھے۔ ان میں حرب، سفیان اور ابوسفیان شامل ہیں۔

معاویہ اس خاندان میں، بعثتِ نبوی سے پانچ سال پہلے پیدا ہوئے اور قریش کے جوانوں اور سرداروں کی طرح فارس، البالی و خوشحالی کے ساتھ نشوونما پایا۔ جوانی کے ساتھ سواری، روایتِ شعر، آداب اور نسبی تفاخر کے ساتھ لہجہ کی خصوصیات بھی ترقی کرتی گئیں۔ اسی زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت

ہوئی اور مکے میں اسلام پھیل گیا۔ لیکن لوخوان معاویہ کا دل ابھی تک  
 اسلام کے لئے نہ کھلا تھا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 مدینے کی طرف ہجرت فرمائی اور مہاجرین اور انصار قریش سے لڑنے اور جزیرہ  
 العرب میں اسلام پھیلانے کے لئے جدوجہد کرنے لگے۔ احد۔ بدر اور خندق  
 میں قریش سے ان کے خونریز معرکے ہوئے۔ یہ معرکے دراصل دو اصولوں  
 کے معرکے تھے۔ پہلا اصول، جدید، جو روحانیت کو غالب اور مادیت کو  
 نظر انداز کرتا ہے۔ بندہ و آقا اور عربی و موالی کے درمیان مساوات قائم  
 کرتا ہے۔ دوسرا اصول قدیم جو مادیت، موروثی عزت نسبی اور استقرارِ طبیعت  
 اور قبائلی عصبیت کو ان کی بدترین صورت میں دعوت دیتا ہے۔

اس کے بعد مسلمانوں نے مکہ فتح کرنے اور جزیرہ نمائے عرب میں شہر  
 و بت پرستی کے آخری قلعے کو ڈھانے کی تیاریاں کیں۔ خدا کی راہ میں طرح  
 طرح کے عذاب اٹھانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ ان کے لئے آسان  
 فرمادی۔ یہ فتح اور حرم شریف پر مسلمانوں کا غلبہ ان اہم امور میں سے ہے  
 جس کی بدولت دعوت اسلامی میں کامیابی کی راہیں ہموار ہو گئیں۔ جو عربی  
 قبیلے شروع شروع میں اسلامی تبلیغ کو قبول کرنے سے انکار کرتے تھے وہ اس  
 کے معتقد ہو گئے کہ عنایت الہی مسلمانوں پر اس طرح مبذول ہے جس کی  
 مثال دوسری قوموں میں نہیں ملتی، اس لئے انھوں نے اسلام لانے  
 میں ایک دوسرے سے سبقت کی اور اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل  
 ہونے لگے۔ فتح مکہ کے دن جس طرح ابوسفیان، ان کے بھائی اور ماں سلمان

لہ استقرارِ طبیعت یا اسٹوکرسی یعنی چند خواص کی حکومت جس پہاں نسبی و موروثی برتری مراد لگتی ہے اور

ہوئی تھیں۔ اسی طرح ان کے بیٹے معاویہ بھی اسلام لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کے ساتھ عفو و درگزر کا نہایت فیاض سلوک فرمایا جو تاریخ عالم میں ضرب المثل بن گیا (جن لوگوں کے ساتھ یہ بنیظیر برتاؤ فرمایا گیا تھا) یہ وہی تھے جو آپ سے ہر سر ہیکار رہ چکے تھے جنہوں نے آپ کو چھوڑ دیا تھا اور ہر قسم کی ایذا میں پہنچائی تھیں۔ مگر آپ نے ان پر قابو پانے کے بعد ان کے ساتھ وہ سلوک نہیں کیا جو خود یہ آپ کے ساتھ کر چکے تھے۔

فتح مکہ کے وقت ابوسفیان نے چاہا کہ اپنی قوم کو ذلت و تکلیف سے بچائیں حضرت عباس نے ابوسفیان کی یہ خواہش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دی۔ آپ نے مکے میں منادی کرادی کہ: جو شخص اپنی تلوار میان میں رکھ لے اسے امان ہے، جو مسجد کے اندر آجائے اسے امان ہے اور جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امان ہے۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کے گھر اور بیت اللہ کو برابر کر دیا اور یہ وہ شرف ہے جو کسی کو نصیب نہ ہوا۔

عجیب بات ہے کہ اگرچہ حضرت معاویہ دیر میں مسلمان ہوئے تھے تاہم متعین رسول میں ایمان و اخلاص میں بہت بڑھے ہوئے تھے۔ دعوت محمدیہ سے وابستگی اور اس کی طرف سے مدافعت میں بہتوں سے آگے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر بڑا اعتماد تھا۔ آپ نے انہیں بلا کر کتابت وحی کی خدمت سپرد فرمائی جسے معاویہ اتنے خلوص کے ساتھ سرانجام دیتے رہے کہ حضور نے ان کے لئے دعا فرمائی اور کہا: اے اللہ معاویہ کو تجریر اور حساب سکھا اور انہیں عذاب سے بچا۔

امیر معاویہ بچائے خود بنی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخلص تھے اور

آپ سے بہت محبت کرتے تھے۔ روایت ہے کہ ایک بار آپ کسی حاجت سے نکلے، معاویہ آپ کے پیچھے ہوئے آپ کے جسم پر جو دو کپڑے تھے ان میں سے ایک آپ نے ان کو پہنا دیا۔ پھر معاویہ نے اس کپڑے کو اپنے پاس محفوظ رکھا اور اس پر فخر کرتے رہے جب ان کے انتقال کا وقت قریب آیا تو انھوں نے اپنے بیٹے یزید کو جو چیزیں ہدیے میں دیں ان میں یہ کپڑا ان کے نزدیک سب سے زیادہ عزیز و بیش قیمت تھا ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے اپنے بال اور ناخن تراش رہے تھے۔ حضرت معاویہ نے ان میں سے کچھ بال تو نکل لئے اور کچھ چھپا کر محفوظ کر لئے اور انھیں بہت عزیز رکھا، یہاں تک کہ جب دینا سے کوچ کا وقت قریب آیا تو اپنے بیٹے یزید کو بلا یا اور اس سے کہا: کفن کے علاوہ یہ قمیص میرے جسم کو پہنا دینا اور یہ بال اور ناخن لے کر میرے منہ میں انکھوں کے اندر اور اعضائے سجدہ پر رکھ دینا۔ اگر کوئی چیز نفع دے سکتی ہے تو یہی ہے ورنہ اللہ کی ذات عفو و رحیم ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحلت فرمانے کے بعد جب حضرت ابو بکر کے ہاتھ پر بیعت ہونے لگی

### روایت حدیث

تو مولیوں نے بھی بیعت کی جن میں حضرت معاویہ اور ان کے والد سفیان بھی تھے۔ حضرت ابو بکر کے زمانے میں یہ بال الترام روایت حدیث پر متوجہ رہتے تھے، انھوں نے حضرت ابو بکر، حضرت عثمان اور اپنی بہن ام المومنین حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ بنو امیہ مرتدین کی جنگ میں بہادری کے جوہر خوب دکھا چکے تھے اور ان میں سے بعض نے

۱۵ جیہ کہ آگے کی عبارت سے واضح ہے یہ کپڑا ایک قمیص تھی جو حضور نے حضرت معاویہ کو رحمت فرمائی تھی (ادارہ)

مختلف شعبوں میں امتیاز پیدا کیا تھا اس لئے ان کی شہرت ہو گئی تھی۔

اس کے بعد حضرت عمر بن الخطاب خلیفہ ہوئے اور مسلمانوں کے لشکر فارس اور روم کے ملکوں میں منتشر ہو کر لڑنے اور جہاد کرنے لگے۔ اللہ کے دین

## جہاد اور شام کی ولایت

کو روز بروز ترقی ہو رہی تھی۔ حضرت معاویہ نے بھی اس مقدس جہاد میں پیچھے رہ جانا پسند نہ کیا یہ بھی ان لشکروں میں شریک ہو گئے جنہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۱۹ھ میں ملک شام فتح کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ معاویہ اس لشکر میں شامل تھے جس کی قیادت یزید بن ابی سفیان کر رہے تھے۔ ان لوگوں نے قیساریہ میں جنگ کی جہاں روم کے بطریق ان کے مقابلہ پر تھے یہ جنگ بہت دنوں تک ہوتی رہی یہاں تک کہ شوال ۱۹ھ میں اللہ نے اس مقام کو فتح کر دیا۔ پھر اس پر حضرت عمر نے ان کے بھائی معاویہ کو والی بنا دیا۔ جب اسی سال ماہ ذی الحجہ میں یزید بن ابی سفیان نے دمشق میں وفات پائی تو حضرت عمر نے معاویہ کو شام کے اس پورے علاقے پر واپس جانے کی ہدایت کی جس پر یزید حکومت کرتے تھے اور ماہانہ ایک ہزار دینار تنخواہ مقرر کی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ

۱۵ جب یزید بن ابی سفیان صیدا، عرقہ، جسیل اور یردوت وغیرہ کے ساحلی علاقے کی طرف بڑھے

تو حضرت معاویہ اس پیش قدمی میں مقدمتہ بحیثیت کی رہبری کر رہے تھے (سیر الصحابہ جلد ۶)

ص ۳۸ بحوالہ فتوح البلدان بلاذری ص ۳۳ (ادارہ)

۱۶ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابی سفیان کی جگہ حضرت معاویہ کو یوان کے بھائی تھے

دمشق کا عامل بنا دیا۔ (ادارہ)

حضرت عمرؓ بن عبد بن ابی سفیان سے محبت کرتے تھے کیونکہ وہ بلاد شام کی فتح میں بہت نیک نام ہوئے تھے۔ جب ان کا انتقال ہوا تو آپ کو بڑا صدمہ ہوا اور ہزید بن ابی سفیان کی یاد تازہ رکھنے کے لئے ان کے بھائی معاویہ کو والی مقرر کر دیا۔ ابوسفیان کو اس کا علم ہوا تو حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور کہا:۔ اے امیر المؤمنین، آپ نے ہزید کی جگہ کس کو والی بنایا؟ فرمایا: ان کے بھائی معاویہ کو۔ ابوسفیان نے کہا:۔ اے امیر المؤمنین آپ نے صلہ رحمی فرمائی۔

شام کی گورنری | معلوم ہوتا ہے کہ جب معاویہ ملک شام کے والی مقرر ہوئے تو ان کا عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کی اس حدیث شریف پر تھا:۔ اپنی دنیا کے لئے اس طرح کام کرو گویا تم ہمیشہ زندہ رہو گے اور اپنی آخرت کے لئے اس طرح عمل کرو گویا تم کل ہی مرجاؤ گے۔ وہ اپنے اتقا اور پرہیزگاری کے باوجود خوش حال لوگوں کی سی زندگی بسر کرتے تھے۔ جب حضرت عمر اس ملک میں داخل ہوئے تو معاویہ ایک بڑے شاندار جلوس کے ساتھ ان سے ملے۔ جب حضرت عمر کے قریب پہنچے تو انھوں نے معاویہ سے کہا:۔ تم بڑے تزک و احتشام والے شخص ہو۔ معاویہ نے کہا:۔ جی ہاں، امیر المؤمنین فرمایا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ اہل حاجرت تمہارے دروازے پر کھڑے رہتے ہیں۔ اس کے باوجود تمہارا یہ حال ہے کہ انھوں نے جواب دیا:۔ جی ہاں آپ کو جو کچھ معلوم ہوا ہے اس کے باوجود یہ حال ہے۔ فرمایا: تم نے ایسا کیوں کیا؟ کہا:۔ ہم ایسی سرزمین میں ہیں جہاں دشمن کے جاسوس بکثرت ہیں۔ اس لئے سلطنت کی شان و شکوہ اس طرح ظاہر ہونا ضروری ہے

جس سے ان پر سہیت چھائی رہی۔ آپ حکم دیں تو میں ایسا کروں اور منع فرمائیں تو باز رہوں۔ حضرت عمر نے کہا:۔ میں نے تم سے جو بات بھی پوچھی تم نے مجھے لاجواب کر دیا، تم نے جو کچھ کہا ہے اگر وہ سچ ہے تو ایک ماہرانہ رائے ہے ورنہ ایک ادیبانہ فریب ہے۔ حضرت معاویہ نے پھر کہا:۔ اے امیر المؤمنین مجھے اس کی نسبت کچھ حکم دیجئے، اگھوں نے جواب دیا:۔ میں نہ کہتیں حکم دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ کی ایمانداری اور تقویٰ سے واقف تھے اس لئے ان کی بڑی عزت اور قدر کرتے تھے۔ ایک دفعہ ان کے یہاں حضرت معاویہ کی مذمت کی گئی تو فرمایا:۔ قریش کے اس نوجوان کی مذمت چھوڑ دو جو غصے کی حالت میں کبھی ہنتا ہے اپنی کوئی چیز رضامندی کے بغیر حاصل نہیں کرتا اور جو کچھ اس کے سر پر ہے اسے صرف اس کے قدموں ہی کے نیچے سے لیا جاسکتا ہے۔

**عہد عثمانی** حضرت عمر فاروق کے انتقال کے بعد حضرت عثمان غنی کے ہاتھ پر بیعت خلافت مکمل ہوئی۔ اگھوں نے حضرت معاویہ کو پورے شام کا والی بنا دیا۔ یہ اس ملک میں بارہ برس گزار چکے تھے اور یہاں اپنی بصیرت و بیدار مغزی اور حسن سیاست کی بدولت لوگوں کے دلوں میں اپنی محبت پیدا کرنے اور وطن سے دور ماندہ عربی قبائل کو مستحضر رکھنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ دمشق ان کے حسن سلوک اور مہمان نوازی کی وجہ سے ان کے عہد میں طلب گاروں اور خواہشمندوں کا کعبہ مراد بن گیا تھا۔ یہاں امیر معاویہ نے فوج اکٹھا کی اور عنقریب پیش آنے والی مہم کیلئے تیاری کرنے لگے اس لئے کہ پنے میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ



کی شہادت کا واقعہ پیش آچکا تھا حضرت علی بن ابی طالب کے ہاتھ پر  
 بیعت کی تکمیل ہو چکی تھی اور امویوں کے دل میں یہ خیال جم گیا تھا کہ  
 حضرت عثمان کے قتل میں حضرت علی کا ہاتھ ہے اس بنا پر انھوں نے ان  
 کا انتقام لینے کا عزم کر لیا۔ اگرچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خون عثمان کا  
 مطالبہ کرنے والوں کو نصیحت کی کہ اتنے دن صبر کریں کہ لوگ سکون پر  
 آجائیں۔ اجر کے حق کے لئے امن و امان بحال ہو جائے اور قاتلین عثمان  
 کو سزا دی جاسکے لیکن ان کی نصیحتیں نہ سنی گئیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ  
 عنہا نے طلبکاران قصاص کی حمایت کی اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر ان سے  
 مل گئے۔ دونوں نے ناصحوں کی نصیحت پر کان نہ دھری اور نہ وحدت  
 مسلمین کا احترام ملحوظ رکھا جو پارہ پارہ ہونے کو تھی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جنگ جمل میں فتح ہونے کے بعد جیسے ہی حضرت  
 طلحہ وزبیر اور ان کے معاونین سے فرارعت ہوئی عرب کے ماہر سیاست امیر  
 معاویہ ان کے زریے ہو گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ان کی قرابت زیادہ  
 تھی اور ان کے خون کا مطالبہ کرنے میں جوش و خروش کے اعتبار سے یہ اوروں  
 سے بہت بڑھے ہوئے تھے۔ اب امیر معاویہ کے حامیوں بنی امیہ اور حضرت  
 علی کے حامیوں بنی ہاشم کے درمیان نزاع بڑھنے لگا۔ حضرت علی اور امیر معاویہ  
 دونوں شجاعت و بہادری ہیں ایک دوسرے کے حریف تھے ان دو جہ سے قریب  
 تھا کہ یہ فتنہ پورے عالم اسلامی کو تباہ کر دے۔ دونوں فریق جنگ صفین میں  
 ہوئے اور مقابلہ خونریزی کے تیار ہو گئے۔ ام الخیر بنت الحارث البارقیہ نے حضرت  
 علی اور معاویہ کے اس معرکے کی تصویر خوب کھینچی ہے اور اس دن جو تقریر کی تھی اس  
 میں اس کشمکش کے اسباب بیان کئے ہیں۔ ام الخیر نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا:-

اے لوگو، اپنے رب سے ڈرو۔ بے شبہہ قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے  
یقیناً اللہ نے حق کو واضح کر دیا ہے۔ دلیل ظاہر کر دی ہے۔ راستہ روشن کر دیا ہے  
اور جھنڈا بلند کر دیا ہے۔ اس نے تمہیں اندھیرے اور سرگرداں کرنے والی  
تاریکی میں نہیں چھوڑا۔ اللہ تم پر رحم کرے تم کہاں جا رہے ہو۔ کیا امیر المؤمنین  
سے بھاگ کر، یا جنگ سے فرار اختیار کر کے جا رہے ہو۔ یا اسلام اور حق  
سے منہ موڑ کر چلے ہو۔ کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا وَكُنْتُمْ أَكْفَرُ  
حَتَّىٰ نَحْكُمَ الْمُجَاهِدِينَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِينَ وَتَبَلَّوْا خَبَارَكُمْ  
دہم تمہیں ضرور آزمائیں گے یہاں تک کہ تم میں سے مجاہدوں اور صبر کرنے والوں کو  
جان لیں اور تمہاری خبروں کو آزمالیں۔ "سورۃ محمد ۴۷ = ۳۱) بے شک یہ بدوی  
کینہ، جاہلیت کی عداوت اور احد کی دشمنی ہے جسے معاویہ ہمیں غافل پا کر اپنے  
دل میں لے کر اٹھے ہیں تاکہ اس کی بدولت بنی عبد شمس کے بدلے آتاریں۔  
چونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے قاتلین عثمان کو اپنے لشکر میں سپاہ دی  
تھی اس لئے امیر معاویہ نے سپاہ شام کو ان کے خلاف مشتعل کرنے کے بعد

۱۵ ام الخیرتبت الحریش کی اس تقریر کا اقتباس تاریخی شہادت کی حیثیت سے کوئی خاص اہمیت  
نہیں کھتا جنگ کے مواقع پر یقین کے جذبات میں ہیجان ہوتے اور حریف جماعتیں عام طور سے ایک  
دوسرے کے خلاف زیادہ سے زیادہ بھڑکانے والی باتیں کہا کرتی ہیں۔ اس نفسیاتی حقیقت کو سامنے  
رکھا جائے تو ام الخیر کے بیان سے یہ استدلال درست نہ ہوگا کہ جاہلیت کی عداوت اور احد کی دشمنی  
امیر معاویہ اور حضرت علی کی کشمکش کا باعث تھی۔ اور حقائق اور واقعات سے بھی اس رائے  
کی تردید ہوتی ہے۔ درحقیقت نظریاتی و سیاسی اختلافات اس کا باعث

اس پر اصرار کیا کہ شام کی فوج کے ساتھ حضرت علی سے لڑیں۔ حضرت علی کو جب معلوم ہوا کہ معاویہ نے جنگ کے لئے تیاری کی ہے اور اہل شام ان کے ساتھ ہیں تو کوفے روانہ ہوئے اور وہاں سے نوے ہزار سپاہیوں کے ہمراہ صفین گئے۔ معاویہ بھی پچاسی ہزار سپاہی لے کر شام سے چل کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد حکیم کی چال چلی گئی اور دونوں طرف حکم جمع ہوئے۔ حضرت علی کی طرف سے ابو موسیٰ الاشعری اور معاویہ کی طرف سے عمرو بن العاص۔ یہ واقعہ ماہ رمضان ۳۷ھ میں پیش آیا۔

**واقعہ شکیم** اس معرکے میں عمرو بن العاص کی زیر کی اپنی پوری قوت سے ظاہر ہوئی۔ انھوں نے ابو موسیٰ کو فریب دیا ابو موسیٰ نے تو حضرت علی کو معزول کر دیا مگر عروس نے اپنے موکل معاویہ کو برقرار رکھا اس طرح حضرت معاویہ عمرو بن العاص کی سپاسی چال، دوزنگاہی اور جیلے کی بدولت یقینی ہزیمت سے نجات پا گئے۔ حضرت علی کے لشکر میں اختلافات سرایت کر چکا تھا، خوارج ظاہر ہو گئے تھے اور انھیں بہت سے لوگوں نے چھوڑ دیا تھا۔ اس کے برخلاف معاویہ کے معاونین تعداد میں بڑھ رہے تھے۔ سپاہ ان کے گرد جمع ہوتی جا رہی تھی اور ان کی مدد کے لئے جان کی بازی لگانے کے لئے آمادہ تھی۔ دوسری بات یہ تھی کہ معاویہ کو اہل شام پر بھروسہ تھا جو محبت اور پاس عہد میں مشہور تھے۔ ان کے برعکس حضرت علی اہل کوفہ پر اعتماد فرما رہے تھے۔

اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کو کوفے میں دھوکا دیکر شہید کر دیا گیا۔ اب میدان حضرت معاویہ کے لئے خالی تھا۔ مسلمان ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں سبقت کرنے لگے۔ مدینے اور حجاز میں جو صحابہ تھے انھوں نے بیعت

کر لی اور جن لوگوں نے ابتدائاً ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے ہاتھ کھینچ لیا تھا، اب انہوں نے بھی اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ اس طرح امیر معاویہ نے پہلے بنو کثم شمشیر خلافت حاصل کی پھر بزور سیاست و تدبیر اس پر قبضہ کیا۔ مسلمانوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد ان کے بیٹے حضرت حسن بن علی کو خلیفہ بنایا تھا۔ مگر ان کی خلافت حضرت معاویہ کی قوت کے سامنے پائدار نہ رہ سکی۔ سپاہ شام کے مقابلے میں حضرت حسن کی فوجوں کے مہزوم ہونے کی جو خبر پھیل گئی تھی اس سے متاثر ہو کر اہل عراق نے حضرت حسن کا ساتھ چھوڑ دیا اس لئے آپ نے اس کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا کہ مسلمانوں کو خونریزی سے بچالے کے لئے خلافت سے دست بردار ہو جائیں۔

پچیس ربیع الثانی ۴۰ھ کو امیر معاویہ کوفے میں داخل ہوئے جہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دونوں بیٹوں حضرت حسن اور حضرت حسین کی موجودگی میں ان کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت لی گئی۔ چونکہ اس موقع پر لوگ بہت جمع ہوئے تھے اس لئے اس سال کا نام عام الجماعۃ رکھا گیا پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ مدینے چلے گئے اور اپنے انتقال تک وہیں خانہ نشین رہے۔ امیر معاویہ منصب خلافت پر انیس سال تک برقرار رہے (۱۴۰ - ۵۶۰)

اس طویل مدت خلافت میں امیر معاویہ کو اس کا موقع مل گیا کہ اسلامی حکومت کی مضبوط بنیاد قائم کریں اور ایک ایسی سلطنت بنا سکیں جو نہایت قوی ارکان پر قائم ہو۔

امیر معاویہ کی فتوحات

اس مقصد کے لئے انہوں نے عربوں کی تالیف قلوب اور اسلام کی اشاعت کیلئے کام کرنا شروع کر دیا۔ عبداللہ بن سوار کو بلاد سندھ میں بھیجا جو خراسان کے قریب،

اسی طرح مہلب بن ابی صفرہ کو اس ملک میں لڑنے کے لئے روانہ کیا جو لڑتے لڑتے لاہور تک پہنچ گئے تھے۔ امیر معاویہ ہی کے عہد میں مسلمانوں کی توجہ شمال و مغرب کی طرف مبذول ہوئی جہاں رومیوں کی مشرقی حکومت اپنے قریب کے اسلامی ملکوں پر تاخت و تاراج کرتی رہتی تھی۔ امیر معاویہ نے خشکی اور سمندر کے راستے اس حکومت سے لڑنے کا انتظام کیا۔ ان کے عہد میں شامی بیڑے کی تعداد ایک ہزار چھ سو کشتیوں تک پہنچ گئی تھی جس کے ذریعے انھوں نے جزیرہ روڈی اور بعض یونانی جزائر جیسی دشمن کی کئی سمتوں کو فتح کر لیا۔ بڑی ہمت کے لئے سرمائی اور گرمائی فوجیں مرتب کیں۔ مسلمان سعید بن عثمان کی قیادت میں بجا را میں داخل ہو گئے اور سمرقند میں بھی گھس گئے۔ ۶۷۸ء میں امیر معاویہ نے بڑی ادبجری راستوں سے قسطنطنیہ فتح کرنے کے لئے ایک لشکر ترتیب دیا، مگر عربوں کا لشکر اس شہر کی فصیلاؤں کی مضبوطی اور محل وقوع کے استحکام کی وجہ سے اسے فتح نہ کر سکا۔ شہر میں امیر معاویہ نے عقبہ بن نافع کو روانہ کیا۔ عمرو بن العاص کے زمانے سے برقعہ اور زدیلہ میں دس ہزار سپاہی رہتے تھے۔ عقبہ بن نافع فریقہ میں داخل ہو گئے اور اسے فتح کر لیا۔ ان کے ہاتھ پر بہت سے بڑے مسلمان ہو گئے۔ عربوں نے انھیں اپنے لشکروں میں داخل کرنے کا طریقہ اختیار کیا اور اس طرح انھیں اسلام میں جذب کرنے کا موقع مل گیا۔ یہاں تک کہ عقبہ بلا دسوڈان میں داخل ہو گئے۔

امیر معاویہ کے عہد میں عقبہ بن نافع انفہری کے ہاتھوں شہر فیردان کی بنیاد پڑی جس میں انھوں نے ایک مسجد جامع بنائی اور قیروان مسلمانوں کے لشکر اور ان کے

۱۵ مہلب بن ابی صفرہ کا لاہور تک پہنچنا صحیح نہیں ہے۔ (ادارہ)

اہل و عیال و اموال کا مستقر بن گیا۔

امیر معاویہ نے اپنے لئے وزیر مقرر کئے اگرچہ ان کا لقب وزیر نہ تھا۔ ان میں زبیر بن ابیہ جیسے لوگ شامل ہیں اسی طرح انھوں نے اسلام میں نظام برید (ڈاکخانوں کا نظم و نسق) رائج کیا اور دمشق میں قصر الحضر تعمیر کیا۔

امیر معاویہ عرب کے امیر و سیاست شناس اشخاص میں سے تھے جنہیں ریاست میں بڑا حصہ ملا تھا۔ یہ اپنے دنیوی معاملات میں بڑے عاقل و ہوشمند تھے حسن تدبیر و حسن ریاست میں بہت ممتاز تھے۔ بڑے داماد اور فصیح شخص تھے۔ حلم کے موقع پر بڑباری سے اور سختی کی جگہ شدت سے کام لیتے تھے۔ مگر حلم کا مادہ انکی طبیعت پر غالب تھا۔ بڑے فیاض، زرخیز اور محب ریاست تھے، ریاست سے انھیں بڑا اشتغاف رہتا تھا۔ شرفائے ریاست پر بہت احسان کیا کرتے تھے اشرف تلمیش میں عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن جعفر، عبداللہ بن عمر، عبدالرحمن بن ابی بکر اور ابان بن عثمان بن ابی بکر جیسے لوگ دمشق میں ان کے پاس دفن لے کر آتے تو یہ ان کی خاطر و مدارات اور اعزاز و اکرام کرتے اور ان کی ضرورتیں پوری کرتے۔ یہ لوگ ان سے سخت سے سخت گفتگو کرتے اور تند و تلخ جواب دیتے مگر یہ کبھی ان سے ہنسی کی باتیں کرتے کبھی ان کی طرف سے چشم پوشی کر جاتے اور ہمیشہ انھیں بڑی بڑی رقوم اور انعامات سے نوازتے۔

ایک دن امیر معاویہ نے قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے جو انصار کے ایک شخص تھے کہا: بخدا اے قیس میں یہ نہ چاہتا تھا کہ تمہارے زندہ ہوتے ہوئے میرے اور علیؑ کے درمیان جو لڑائیاں ہوئیں ان کا حال بیان کیا جائے۔ قیس نے جواب دیا: بخدا مجھے کبھی یہ بات پسند نہیں کہ آپ کے امیر المؤمنین ہوتے ہوئے

ان لڑائیوں کا تذکرہ ہو۔ یہ سن کر امیر معاویہ نے کچھ نہ کہا۔ ان کے علم کی مثالوں میں سے ایک یہ واقعہ ہے کہ مسور بن محرزہ دمشق میں معاویہ کے پاس وفد لے کر آئے اور ان کے پاس پہنچ کر انھیں سلام کیا۔ امیر معاویہ نے ان سے کہا: اے مسور تم حکام پر طعن کس لئے کرتے ہو؟ مسور نے جواب دیا اسے جانے دیجئے اور ہم جس ضرورت سے آپ کے پاس آئے ہیں اس کے بارے میں ہم پر احسان کیجئے۔ امیر معاویہ نے کہا:۔ بخدا تمہیں اپنے متعلق کچھ بیان کرنا پڑے گا۔ مسور کہتے ہیں:۔ اس وقت ان کے جتنے عیب میری نظر میں تھے۔ میں نے ان میں سے ایک بھی نہ چھوڑا جسے ان سے بیان نہ کر دیا ہو۔ معاویہ نے جواب میں کہا:۔ میں گناہوں سے بری ہوں۔ نے کا دعویٰ نہیں کرتا لیکن اے مسور کیا تمہارا اندر گناہ نہیں ہیں اور تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ اگر اللہ نے انھیں نہ بخشا تو ہلاک ہو جائے گے؟ انھوں نے کہا: ہاں، امیر معاویہ نے پوچھا:۔ پھر تم اس بات کے زیادہ حقدار کس طرح بن گئے کہ مجھ سے درگزر کی امید رکھو؟ خدا کی قسم لوگوں کے درمیان اصلاح، حدود اللہ کا قیام، اللہ کی راہ میں جہاد اور ایسے بڑے بڑے امور کا سرانجام میرے ہاتھوں ہوا ہے۔ جنہیں میں شمار کر سکتا ہوں نہ تم۔ بخدا میں اللہ کے دین پر ہوں جس میں اللہ نیکوں کو قبول کرتا ہے اور براہوں کو معاف فرماتا ہے۔ بخدا جب بھی اللہ اور ماسویٰ اللہ کے درمیان مجھے اختیار دیا جاتا ہے تو میں ہمیشہ اللہ کو ماسویٰ پر اختیار کرتا ہوں۔

امیر معاویہ نے اپنے دن کو اللہ کے کاموں اور اپنے خاص امور کے درمیان تقسیم کر دیا تھا۔ جب فجر کی نماز پڑھ چکے تو بیٹھ کر حالات سلف بیان کرنے والے

امیر معاویہ کا  
نظام الاوقات

شخص کی باتیں سنتے۔ اس کے بعد اندر جا کر اپنا مصحف لاتے اور اس کے کئی اجزاء کی تلاوت کرتے پھر گھر میں داخل ہوتے اور لوگوں میں امر و نہی کا فرض انجام دیتے پھر چار رکعتیں ادا کرتے، اس کے بعد مجلس میں آتے اور مقرب مخصوص اشخاص کو بلا کر ان سے باتیں کرتیں اور ان کی باتیں سنتے۔ اسی موقع پر ان کے دزر اور ان کے پاس آجاتے اور جو کچھ چاہتے اس پر ان سے گفتگو کرتے اس کے بعد ان کے سامنے انعام و اکرام دینے کے لئے اشرفیاں لائی جاتیں۔ پھر مکان کے اندر جاتے اس کے بعد باہر آ کر کہتے "اے غلام، کرسی نکالو" اور مسجد کی طرف روانہ ہو جاتے جہاں کرسی رکھ دی جاتی اور یہ مقصورہ کی طرف بیٹھ کر کے بیٹھ جاتے۔ اس وقت نو عمر لوگ پیش کئے جاتے، ضعیف، اعرابی، لڑکے اور عورتیں سامنے لائی جاتیں اور جن کا کوئی نہ ہوتا انھیں پیش کیا جاتا جب کوئی باقی نہ رہتا اندر چلے جاتے اور پلنگ پر بیٹھ کر کہتے "لوگوں کو ان کے مراتب کے مطابق آنے کی اجازت دو۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص مجھے سلام کا جواب دینے سے غافل کرے"۔

خوارج نے باہم اتفاق کیا کہ علیؑ معاویہ اور عمرو بن العاص کو جو نزاع کی جڑ میں قتل کر ڈالیں۔ چنانچہ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں شہید کر دیا۔ لیکن امیر معاویہ کا وقت ابھی نہ آیا تھا اس لئے اس موقع پر بیچ گئے۔ اس کے بعد پندرہ رجب ۶۰ھ کو دمشق میں وفات پائی۔ انتقال کے وقت ان کی عمر اٹھتر سال تھی۔ ان کی خلافت انیس سال تین ماہ اور بیس دن رہی۔

اللہ معاویہ پر رحم کرے اور ان پر رحم کر نیوالے پر بھی رحم فرمائے۔



# عبداللہ بن الزبیر

(۱۱۳۳ھ - ۱۱۳۴ھ)

نام و نسب اور خاندانی حالات

عبداللہ بن الزبیر اسلام کے بلند پایہ مشاہیر میں سے ہیں ان کا سلسلہ نسب یہ ہے عبداللہ بن الزبیر بن العوام بن خویلد بن اسد بن عبد العزی

ابن قحطیب بن کلاب یہ عرب کے نہایت شریف گھرانوں میں سے ہیں اور اصل و نژاد کے لحاظ سے ان کا شمار بڑے پاکیزہ لوگوں میں ہوتا ہے ان کے والد زبیر بن العوام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کے بیٹے تھے۔ حضرت فاطمہ الزہراء زبیر بن العوام کی پھوپھی کی بیٹی تھیں جو ایسے صحابیوں کی صف اول میں شامل ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قوت پہنچائی، آپ کی مدد کی اور پرچم اسلام کو بلند کرنے میں آپ کے شریک رہے۔ ان کی والدہ حضرت ابوبکر الصدیق کی بیٹی اسماء تھیں جو ذات النطاقین کہلاتی ہیں اور روایت حدیث میں مشہور ہیں۔ اسماء کی بہاری خداترسی و پرہیزگاری تعارف کی محتاج نہیں۔ اسی طرح عبداللہ بن زبیر کی والدہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ تھیں ان وجوہ سے یہ بقول ابن عبد البر ای شخص تھے جنکی دادی، ماں اور والدہ سلسلہ نسب میں بڑی شریف خواتین تھیں۔

ولادت اور ذات نبوی سے  
حصول برکت و سعادت

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
جانب مدینہ ہجرت فرمائی تو حضرت  
اسما بھی جو حاملہ تھیں مہاجرین کے

ساتھ میثرب روانہ ہوئیں۔ میثرب کے قریب قبا میں پہنچیں تو عبد اللہ بن  
زبیر کی ولادت ہوئی۔ اس طرح یہ پہلے شخص ہیں جو ہجرت کے بعد مسلمانوں  
میں پیدا ہوئے اور جنہیں بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی فیضان سے  
پہرہ مند ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ ان کی والدہ انہیں لے کر آپ کی خدمت  
میں پہنچیں اور آپ کی گود میں دے دیا۔ آپ نے ایک کھجور منگوا کر چبائی اور  
اس نچے کے منہ میں ڈال دی۔ گویا سب سے پہلے چیز جو عبد اللہ بن زبیر  
کے پیٹ میں داخل ہوئی وہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب بن  
گھا۔ پھر آپ نے کچھ کھانا چبا کر اس کا لقمہ ان کے منہ میں ڈالا۔ انہیں گود میں  
لے کر ان کے لئے دعا فرمائی اور ان کے تانا اور اپنے دوست حضرت ابو بکر  
کے نام پر ان کی کنیت ابو بکر رکھی اور اپنے نام پر نام رکھا۔

تربیت اور نشوونما | ان حالات کی بنا پر یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ عبد اللہ بن زبیر

۱۵ تاریخ اسلام میں عبد اللہ بن الزبیر کی پیدائش کو اس لئے اہمیت حاصل ہے کہ مہاجرین کے مدینے  
آنے کے بعد صرف ان میں سے کسی کے اولاد نہیں ہوئی اور یہودیوں نے مشہور کر دیا کہ انہوں نے  
مسلمانوں کی انقطاع نسل کے لئے سحر کر دیا ہے۔ عین اسی زمانے میں عبد اللہ بن زبیر کی پیدائش ہوئی  
اور ان ادہام کی تردید ہو گئی اس لئے مسلمانوں کو ان کی ولادت سے غیر معمولی مسرت ہوئی

(سیر الصحابہ، ج ۶ - ۷ ص ۲۵۱) (ادارہ)

۱۶ یہ روایت شاذ معلوم ہوتی ہے عموماً کتب رجال و سیر میں ان کا نام عبد اللہ ہی لکھا ہے۔ (ادارہ)

نبوت کی آغوش میں بڑھے۔ جب ان کی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں تو یہ بھی حضور کی محبت اور تقرب سے  
سرفراز ہوئے۔ حضرت عائشہ کے اولاد نہیں ہوئی اس لئے وہ اپنے بھانجے  
(عبداللہ بن زبیر) سے بیٹیوں کا سا برتاؤ کرتی تھیں اور ان کے ساتھ بڑی شفقت  
دہر بانی سے پیش آتی تھیں۔ عبداللہ بن زبیر کے حضور کی محبت سے بہرہ مند  
ہونے کا ایک وسیلہ یہ بھی تھا۔ اس طرح ان کا نشوونما ایسے گھر میں ہوا جس کی  
بنیاد ہی تقویٰ پر پڑی تھی۔ ان کے باپ زبیر ایسے حلیل القدر صحابی تھے جو تمام  
غزوات میں شریک ہو چکے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی خاطر خواہ  
قدر فرماتے تھے اور ان کے اسلام میں سبقت کرنے اور دعوت اسلامی  
پر سچے دل سے ایمان لانے کا اعتراف فرماتے تھے اور اس بات سے واقف  
تھے کہ عبداللہ بن زبیر کو آپ کے ساتھ کتنا تعلق ہے ان کے متعلق یہاں تک  
کہا گیا ہے کہ زبیر پہلے شخص تھے جس نے اسلام میں اللہ کی راہ میں تلوار کھینچی  
اسی طرح ان کی ماں اسماء حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں جو آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب و برگزیدہ دوست تھے اور جو آپ کے رنج و راحت  
میں سانس کی طرح آپ کے ساتھ رہے۔

جب عبداللہ بن زبیر نے عمر کے سترھویں سال میں قدم رکھا تو ان کے باپ  
و بھئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے تاکہ یہ حضور سے بیعت ہوں  
حضور نے انہیں آتے دیکھ کر تبسم فرمایا اور ان سے بیعت لی۔

اس مقدس و پاکیزہ ماحول میں جو تقویٰ و  
پرہیزگاری کی خوشبوؤں سے مہکتا رہتا تھا  
عبداللہ بن زبیر سن شعور کو پہنچے انہوں نے

علم دین کی تحصیل اور  
عبادت کا شوق

آنکھیں کھولیں تو ایسے مناظر سامنے آئے جن سے قلب کو قوت اور روح کو استقلال نصیب ہوا اور ان کا رشتہ اپنے نبی اور پروردگار عالم سے اور قوی ہو گیا۔ انھوں نے قرآن حفظ کیا، دین کا علم اور سوجھ بوجھ پیدا کی اور حدیثیں سنیں، یہ بڑے روزہ دار اور بہت عبادت گزار شخص تھے۔ طولانی نماز پڑھتے، دنوں کو روزہ رکھتے اور رات بھر عبادت کرتے تھے۔

**شوق جہاد** رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت ان کے نانا حضرت ابو بکر کو ملی اور ان کے بعد جب حضرت عمر خلیفہ ہوئے تو عبداللہ بن زبیر اچھے خاصے بہادر جوان ہو چکے تھے۔ ان کے دل میں تقویٰ و خدا ترسی کے جذبات موجیں مار رہے تھے اور سبب اللہ کی محبت اور اس کے خوف سے آباد تھا۔ انھوں نے یہ بات پسند نہ کی کہ حجاز ہی میں تن آسانی و گنہامی کی زندگی گزارتے رہیں حالانکہ ان کے باپ زبیر جیسے بہادر شخص تھے جنھوں نے فتح مصر میں حصہ لیا تھا۔ یہ سوچ کر عبداللہ بن زبیر نے مجاہدین کے جھنڈے تلے اپنے کو ترجیح دی تاکہ اللہ کی راہ جہاد کریں اور اس طرح شہادت کا مرتبہ پا لیں۔ تو زندہ جاوید شہیدوں میں شامل ہونے کی سعادت نصیب ہو۔

عبداللہ بن زبیر کی یہ آرزو اس طرح پوری ہوئی کہ ۲۷ھ میں عبداللہ بن سعد بن ابی سرح افریقیہ کے جہاد کے لئے جو لشکر لے کر روانہ ہوئے تھے اس کے حالات و اجارہ مرکز خلافت تک پہنچنا موقوف ہو گئے۔ اس سلسلے میں انقطاع واقع ہونے کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک جمعیت کے ساتھ عبداللہ بن زبیر کو بھیجا تاکہ یہ ان لوگوں تک پہنچ کر حالات سے مطلع کریں۔ جب افریقیہ پہنچے تو دشمنوں سے جنگ جاری تھی مگر عبداللہ بن ابی سرح غنیم پر قابو نہیں

پانچے تھے۔ وہ روزانہ دوپہر تک دشمن سے برسر پیکار رہتے اس کے بعد دوسرے دن دونوں لشکر اپنے اپنے پڑاؤ کو واپس ہو جاتے۔

**جرجیر پر فتح** عبد اللہ بن زبیر نے انھیں مشورہ دیا کہ مسلمانوں کا لشکر دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے، ایک حصہ دن کے پہلے

حصے میں دشمن سے لڑنے کے لئے بڑھے اس دوران میں دوسرا حصہ آرام کرتا ہے اور دشمن کو اچانک جائینے کے لئے تیار ہے۔ اب ابن ابی سرح کے لئے اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ وہ لشکر کی قیادت جو اس سال قائد عبد اللہ بن زبیر کے حوالے کر دیں تاکہ وہ اپنے مشورے کے مطابق اس پر وگرام کو چلا سکیں۔ جب دونوں لشکروں کی واپسی کا مقررہ وقت آیا تو لشکر اسلام کا پہلا حصہ جو دن کے ابتدائی حصے میں لڑنے کے لئے نہیں نکلا تھا۔ حرکت میں آیا عبد اللہ بن زبیر نے اسی لشکر سے دشمن پر دھاوا بول دیا جسے لڑائی تھکا چکی تھی۔ اس تازہ دم فوج نے غنیم کی سپاہ کو ان کے خمیوں میں جا گھیرا اور بری طرح شکست دی۔ ان کا بادشاہ جرجیر مارا گیا اور مسلمانوں کی فتح مکمل ہو گئی اگر ابن زبیر کا یہ پروگرام اور یہ جنگی چال نہ ہوتی تو مسلمانوں کو یہ کامیابی نصیب نہ ہوتی۔ مسلمانوں کو اس جنگ میں بکثرت مال غنیمت ہاتھ آیا۔ اس سلسلے میں یہاں تک بیان کیا جاتا ہے کہ سوار کے حصے میں تین ہزار دینار تھے اور پیادہ کے حصے میں ایک ہزار دینار آئے تھے۔

اس کے بعد عبد اللہ بن زبیر مدینے واپس ہوئے اور خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان کو مسلمانوں کی فتح اور اس میں اموال غنیمت ہاتھ آنے کے حالات سے آگاہ کیا وہ اس خبر سے بہت خوش ہوئے اور مسلمانوں میں مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مدینہ منورہ میں فتنے کی آگ بھڑک اٹھی بیعت خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ہوئی لیکن عبد اللہ

حضرت علی کے  
دور خلافت میں

بن الزبیر اس بات سے خوش نہ ہوئے اس لئے حضرت عثمان کے انتقام کا مطالبہ کرنے والوں کے ساتھ ہو گئے اور اس کے لئے لڑے حضرت علی نے ان کے اس طریقے کو پسند نہ کیا اور کہا کہ زبیر ہم اہلبیت ہی میں سے ہے یہاں تک کہ (ان کے بیٹے) عبد اللہ پیدا ہوئے (اور ہمارے مقابلے پر آئے) پھر جب ایک طرف حضرت علی کا لشکر اور دوسری طرف بنی امیہ حضرت عائشہ اور حضرت طلحہ و حضرت زبیر کی جماعتیں ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہوئیں تو عبد اللہ بن زبیر انہی جماعتوں میں شامل ہو کر حضرت علی سے لڑے، اس موقع پر یہ پیادہ فوج کے سردار تھے۔ لڑائی میں زخمی ہوئے اور مقتولین کے درمیان گر پڑے۔ حضرت عائشہ نے حینال کیا کہ وہ قتل کر دیے گئے اس لئے بہت بے قرار ہوئیں اور آپ نے لوگوں کو بھجا کہ انھیں لاشوں کے درمیان تلاش کریں۔ انھیں عبد اللہ بن زبیر مل گئے جو زخموں سے چور ہوئے تھے۔ اس بائے میں یہاں تک کہا گیا ہے کہ ان کے جسم پر چالیس سے زیادہ زخم آئے تھے۔ جب حضرت عائشہ کو اپنے بھانجے کی نجات کا علم ہوا تو وہ بہت زیادہ خوش ہوئیں اور یہ خوشخبری لانے والے کو دس ہزار درہم انعام میں دیے، ایسا کیوں نہ ہوتا آخر وہ عبد اللہ بن زبیر کو مسلمانوں کا خلیفہ ہی جو بنانا چاہتی تھیں؟

۱۰ یہاں جناب مولف کا قلم سنجیدگی کی سطح سے گر گیا ہے یہ طعن و تشنیع اسی قسم کی ہے جیسے مسلمانوں کے

لیکن واقعہ حمل میں عبداللہ بن زبیر پر جو کچھ تیزی تھی اس کی وجہ سے برسرِ کار  
فریقین میں سے کسی کے جھنڈے تلے آنے میں محتاط بن گئے تھے۔ یہاں تک کہ جب  
امیر معاویہ کو معرکہ صفین میں حضرت علی کے مقابلے میں کامیابی ہوئی اور معاویہ  
کی بیعت پر تحکیم کا مرحلہ ختم ہوا تو ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں میں عبداللہ  
بن زبیر بھی شامل تھے۔

امیر معاویہ جنگ میں عبداللہ بن زبیر کی شدتِ بیعت  
اور بہادری کی صفت سے واقف تھے جب ان کا  
عہدِ خلافت آیا اور انھوں نے ۴۸ھ میں فتح

امیر معاویہ کے  
عہد میں

قسطنطینہ کے لئے لشکر تیار کیا تو عبداللہ بن زبیر اس لشکر کے پیشرووں میں  
تھے جن میں عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر اور ابوالیوب الازہری جیسے  
بزرگ صحابہ شامل تھے یہ لوگ چلتے چلتے قسطنطینہ پہنچے اور وہاں مسلمانوں  
اور رومیوں میں جنگ ہوئی مگر قسطنطینہ کی بہایت مضبوط فصیلوں اور اس کے  
محفوظ موقع کی وجہ سے نیز یکایک کشتیوں میں آتش یونانی کے تباہی پھیلانے  
سے مسلمان اس شہر کو فتح نہ کر سکے۔

۱۵ بھڑک اٹھے والامادہ جس سے زمانہ قدیم میں دشمن کے جہازوں کو جلا دیا جاتا تھا (ادامہ)

(بقیہ پر مشیمہ ص ۸۵)

ایک خاص گروہ میں واقع ہے جو حضرت عائشہ اور اکابرِ خلفاء صحابہ پر بہتان طرازی کو اپنا مسلک بنانے  
پورے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نسبت اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ وہ عبداللہ بن زبیر کو خلیفہ  
بنانا چاہتی تھیں۔ عبداللہ بن زبیر نے بھی خلافت کا دعویٰ صرف زبیر کے مقابلے میں کیا تھا۔ (ادامہ)  
لکہ یہی کیوں نہ سمجھا جائے کہ عبداللہ بن زبیر نیک نیتی کی وجہ سے عذرِ حسی میں حصہ لینا نہ  
تھے عیا کہ عبداللہ کے حملے کے وقت ان کے کردار سے ظاہر ہے (ادامہ)

اسی زمانے میں مسلمانوں نے اس بات پر اتفاق کر لیا تھا کہ امیر معاویہ کے بعد خلافت کا مسئلہ شوری کے ذریعہ طے کیا جائے اور جو شخص خلافت کی صلاحیت رکھتا ہو اس کا انتخاب عمل میں آئے۔ مگر امیر معاویہ نے اسکی مخالفت کی اور اپنے بیٹے یزید کے لئے بیعت لینے کی کوشش شروع کر دی۔ اس سلسلے میں اپنے عامل مدینہ مروان بن الحکم کو لکھا کہ :- میری عمر بہت ہو گئی ہے اور کمزور ہو گیا ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ میرے بعد امت میں اختلاف پیدا ہو جائیگا اس لئے میں نے اس کے لئے ایسے شخص کا انتخاب مناسب سمجھا ہے جو میرے بعد حکومت کا کام انجام دے۔ لیکن میں نے تمہارے مشورے کے بغیر کوئی فیصلہ کرنا پسند نہیں کیا اس لئے تم ان لوگوں کے سامنے میری تجویز رکھو اور وہ جو کچھ جواب دیں اس سے آگاہ کرو۔ جب مروان نے یہ بات مدینے کے لوگوں سے بیان کی تو قوم میں ہلچل مچ گئی لوگ بھڑک اٹھے۔ عبدالرحمن بن ابی بکر نے کہا :- تم امت محمد کے لئے اختیار نہیں چاہتے۔ بلکہ خلافت کو ایک ہر قلی طریقہ بنا دینا چاہتے ہو۔ جب ایک ہر قلی (ہر کولیس) مر جائے تو اس کی جگہ دوسرا ہر قلی اٹھ کھڑا ہو! حضرت حسین علی نے بھی اس تجویز سے انکار کیا انھیں کے مثل رو بہ عبداللہ بن زبیر نے اختیار کیا اسی وقت سے معتزین کا ایک گروہ سامنے آ گیا جو یزید کی بیعت سے انکار کرتا تھا عبدالرحمن بن ابی بکر، حسین بن علی اور عبداللہ بن زبیر ان کے سرگروہوں میں تھے۔ اس موقع پر امیر معاویہ نے ہر قسم کے حیلے اور تدبیریں استعمال کیں اور اپنے بیٹے کیلئے بیعت لینے کی غرض سے مدینے آئے اور جو لوگ اس بیعت میں مخالفت کر رہے تھے ان سے گفتگو کی۔ اس وقت عبداللہ بن زبیر نے کہا :- ہم آپ کو اختیار دیتے ہیں کہ تین باتوں میں سے کسی ایک کو پسند کر لیں۔ انھوں نے کہا :-



اکھیں بیان کرو۔ عبد اللہ بن زبیر نے کہا:۔ جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا آپ ولیا کریں یا جیسا ابو بکرؓ یا عمرؓ نے کیا ولیا کریں۔ امیر معاویہ نے پوچھا:۔ ان لوگوں نے کیا عمل کیا۔ عبد اللہ نے جواب دیا:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے وقت کسی کو خلیفہ نہیں بنایا۔ لوگ ہی حضرت ابو بکرؓ کی خلافت پر راضی ہو گئے۔ معاویہ نے کہا:۔ تم میں ابو بکر جیسا کوئی نہیں ہے اور مجھے اختلاف برپا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس وقت یہ لوگ بولے:۔ آپ نے سچ کہا:۔ تو ایسی صورت میں حضرت ابو بکر کے طریقے پر عمل کیجئے۔ انھوں نے ایک ایسے شخص کو خلیفہ بنایا جس کی نسبی قرابت دور جا کر قریش سے ملتی تھی اور وہ ان کے باپ کی اولاد میں سے بھی نہ تھا یا آپ چاہیں تو حضرت عمرؓ نے جو طریقہ اختیار کیا تھا اس پر چلیں۔ مگر عبد اللہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی مخالفت و اعتراض کے باوجود بالآخر یزید کے لئے بیعت لی گئی یہ واقعہ عبد اللہ بن زبیر کی اعلیٰ درجہ کی شجاعت و فضیلت پر دلالت کرتا ہے کہ انھوں نے خلیفۃ المسلمین امیر معاویہ کے منہ پر حق بات کہنے میں پس و پیش نہیں کیا۔ کھلے بندوں ان کی مخالفت کی اور یزید کی بیعت سے باز رہ کر ان تمام مشکلات و مصائب کی پرواہ نہ کی جو آگے چل کر انھیں اپنی رائے پر قائم رہنے میں اٹھانی پڑیں۔

حبیب یزید کی حکومت ہوئی اور ملک حجاز اس کی

### یزید کا دور

اطاعت سے باہر ہو گیا تو یزید کی سیاست کی کرنے والوں میں عبد اللہ بن زبیر سب سے آگے تھے۔ یزید نے اہل حجاز سے لڑنے کے لئے مسلم بن عقیقہ المری کو روانہ کیا۔ ابھی وہ مدینے میں داخل ہوا ہی تھا اور مکے کی راہ پر گامزن تھا کہ اس کا وقت آخر ہو گیا۔

وہ چل بسا مکہ میں عبدالشہر زبیر اپنی خلافت کے لئے لوگوں سے بیعت لے رہے تھے اور وہاں کے لوگ ان کے پیرو بن گئے مگر اسی اثنا میں یزید کا بھی انتقال ہو گیا۔ مکے سے محاصرہ اٹھ گیا۔

اب موی فوج کے قائد نے ابن زبیر سے اس شرط پر بیعت کرنا چاہی کہ عبدالشہر زبیر شام چلے جائیں۔ مگر انھوں نے اس بات سے انکار کر دیا کیونکہ وہ ملک حجاز کی کھوئی ہوئی عظمت پھر بحال کرنا چاہتے تھے اور اسے مرکز خلافت بنانے کا ارادہ کر رہے تھے۔

عراق و مصر میں ابن زبیر کی دعوت معاویہ ثانی اور مروان بن عبد الملک کی خلافت میں پھلی پھولی یہاں تک کہ ۶۵ھ میں تخت خلافت عبد الملک بن مروان کے قبضے

ابن زبیر اور  
عبد الملک

میں آیا عبد الملک نے محسوس کیا کہ قبائلی عصیت جسے ختم کرنے کے لئے بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت محنت اٹھائی تھی امت عربیہ کو پارہ پارہ کرنے کے درپے ہے اور اموی حکومت زوال کے کنارے پر جا پہنچی ہے اگر اللہ بنی امیہ کو عبد الملک بن مروان جیسا شخص عطا نہ کرتا تو دولت بنی امیہ ختم ہو چکی تھی عبد الملک نے ابن زبیر سے لڑنے پر اپنی توجہ مبذول کی اور حجاج بن یوسف الشقی کو ان پر چڑھائی کرنے کے لئے روانہ کیا جس نے مکہ پہنچ کر اس کا محاصرہ کیا اور وہاں کے لوگوں کو امان طلب کرنے پر مجبور کر دیا۔ عبد اللہ بن زبیر کی سیاست اس لئے ناکام رہی کہ انھوں نے مستقر حکومت حجاز کو بنایا جہاں سے سیاسی عناصر شام اور عراق میں منتقل ہو چکے تھے اور حجاز اور مستقر اہلی طہقے کا ملجا و ماوا بنکر رہ گیا تھا۔

۱۵۔ حجاج بن یزید تھا اگر اس پیشکش کے نتیجے میں عبد اللہ بن زبیر خلیفہ منتخب ہو جاتا تو شاید اسلام کی تاریخ کا نقشہ ہی بدل جاتا۔ (ادارہ)

جواب لہو و لعب اور خوش فعلیوں کی زندگی کی طرف مائل ہو گئے تھے۔ اسی لئے  
ابن زبیر کی دعوت ان میں مقبول نہ ہوئی۔

ابن زبیر کی مصیبت سے ہمیں جو عبرت و نصیحت حاصل ہوتی  
**شہادت** ہے وہ یہ ہے کہ ان کی پاکیزہ نژاد والدہ نے اپنی روحانی

قوت اور اپنا ایمان بیٹے کے سینے میں منتقل کیا۔ عبداللہ بن زبیر نے مسلمانوں  
کا خون بہنا پسند نہ کیا اور چاہا کہ پلٹ جائیں۔ اس وقت اپنی والدہ حضرت  
اسماء کے پاس پہنچے اور کہا: بے شہرہ موت ایک راحت ہے۔ وہ بولیں۔

شاید تم میرے مرنے کی تمنا کرتے ہو۔ بخدا میں اس وقت تک مرنا نہیں چاہتی  
کہ تمہارے لئے دو بانوں میں سے ایک نہ ہو جائے۔ یا تم قتل کئے جاؤ تو میں

صبر کروں گی یا اپنے دشمن پر فتح پاؤ تو میری آنکھیں کھنڈی ہوں گی۔ اس  
کے بعد دوسرے دن وہ پھر والدہ محترمہ کے پاس گئے تو انھوں نے کہا: انکی

کوئی ایسی بات ہرگز نہ قبول کرنا جس میں تمہیں قتل کے خوف سے اپنی ذلت  
کا اندیشہ ہو۔ بخدا عزت کی حالت میں تلوار کی ضرب ذلت کے ساتھ کوٹے

کی ضرب سے بہتر ہے۔ یہ سن کر عبداللہ بن زبیر لوگوں میں نکلے اور مسجد  
کے اندر لڑتے لڑتے ۳۷ھ میں شہید ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔

اس موقع پر حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیق نے نہایت بہادر اور  
شریف خواتین کی بڑی اچھی مثال قائم کی۔ حیب ان کے بیٹے عبداللہ

کی شہادت کا حال سنایا گیا تو انھیں غسل دیا اور کفنا یا پھر ان کے جنازے کی  
نماز پڑھی۔

اس سے پہلے حضرت اسماء کہا کرتی تھیں: اے اللہ حیب تک میں  
(عبداللہ) کی لغش دیکھ کر آنکھیں کھنڈی نہ کر لوں۔ مجھے نہ مارنا۔ لیکن اسکا

برخلاف اب وہ نالہ دزاری کر کے لگیں یہاں تک کہ روتے روتے بنیائی جاتی رہی۔ وہ کہتی تھیں: بخدا وہ منافق نہ تھا، بلکہ روزہ دار، عبادت گزار اور صلہ رحمی کرنے والا تھا۔ اس واقعہ کے کچھ مدت بعد حضرت اسماء کا بھی انتقال ہو گیا۔

**فضائل و اوصاف** | عبد اللہ بن زبیر کی یہ سیرت آپ کے سامنے ہے۔ وہ متقی، پرہیزگار، بڑے روزہ دار،

اور عبادت گزار تھے۔ نمازیں بہت لمبی پڑھتے تھے۔ بڑے بہادر تھے اٹھوں نے اپنا وقت تین قسم کی راتوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایک رات میں صبح تک کھڑے رہ کر عبادت کرتے، دوسری رات میں صبح تک کوع میں مشغول رہتے اور تیسری رات صبح تک سجدے میں گزار دیتے۔ وہ نماز میں طولانی قراءت کیا کرتے تھے۔ عبد اللہ بن سعید راوی ہیں: ایک دن ابن زبیر نے رکعت کی تو سورہ بقرہ، سورہ آل عمران، سورہ لہنا اور سورہ مائدہ پڑھ ڈالی اور سر نہ اٹھایا۔ شمیم نے مغیرہ سے روایت کی ہے کہ اٹھوں نے بیان کیا: میں نے ابن زبیر کو دیکھا کہ وہ روزہ رکھنے میں ایک جمعہ سے دوسرے جمعے کو ملا دیتے۔ جب آنے والی رات میں افطار کا وقت قریب ہوتا تو ایک پیالہ منگوانے پھر ایک بڑے پیالے میں گھی طلب کرتے ان کے حکم سے اس پر تازہ دودھ دوہا جاتا۔ پھر تھوڑا سا ایلو منگوا کر اس پر چھڑک کر پی جاتے۔ دودھ انہیں ننتھان سے پچاتا۔ گتے

۱۵ حضرت اسماء کے گریہ دزاری کا واقعہ کسی خیریت پر اور شاذ روایت پر مبنی معلوم ہوتا ہے کیونکہ عموماً نام ارباب بیہر نے اس موقع پر ان کے سیرت کی تعریف کی ہے۔ (ادارہ)

ان کی پیاس چلی جاتی اور ایلوے سے آنتیں کھل جاتیں۔

رہی ان کی شجاعت تو افریقہ کی جنگ میں ہم اس کا حال دیکھ چکے ہیں کہ انہوں نے کس پہاڑی سے جنگ کی اور جریر بادشاہ روم پر فتح پائی۔ اس طرح محاصرہ مکہ کے موقع پر ان کی دلیری دیکھی جا چکی ہے ان کے حامی ان سے لگ ہو چکے تھے پھر بھی انہوں نے اٹے قدموں واپس ہونے سے انکار کر دیا۔ میدان نہ چھوڑا اور دشمنوں پر حملہ کیا۔ اس وقت وہ دو تلواریں سے وار کر رہے تھے اور کہتے جاتے تھے۔

لوکان قرنی کفیتہ اور یتد الموت و ذکیتہ

کہاں کہ میرا ہم سر ہوتا۔ میں اس کے لئے جاتی ہو جاتا اسے موت کے گھاٹ اتارنا اور ذبح کر دینا اور یہ بھی کہتے تھے۔

وَلَسْنَا عَلَى الْأَعْقَابِ تَدْمِي كَلُومَنَا وَلَكِنْ عَلَى أَعْدَائِنَا يَقْطُرُ الدَّمَ

(ہم وہ نہیں ہیں کہ ہمارے زخم ہماری ایڑیوں پر خون گراں (یعنی ہم میدان سے ہٹے نہیں بھرتے بلکہ خون ہمارے قدموں پر ٹپکتا ہے۔

اسی طرح انہوں نے حضرت عثمان کے لئے مطالبہ قصاص میں جنگ کی

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑتے اور امیر معاویہ کے رو در رو ثابت

قائم رہے۔

یہ ہے حضرت عبداللہ بن زبیر کی سیرت جو حضرت ابو بکر صدیق کی صاحبزادی کے

بیٹے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی صفیہ بنت عبدالمطلب کے پوتے اور ام المومنین

حضرت عائشہ کے بھانجے تھے ان کا شمار شاہیر صحابہ اور نامور شجاعان مسلمان میں ہے

اللہ تعالیٰ اس سیرت کو یا عمل نصیحت پذیروں کے لئے وسیلہ موعظت بناے۔

# عبدالملک بن مروان

۲۶ھ - ۸۶ھ

نام و نسب وغیرہ | عبدالملک کا نام و نسب یہ ہے: عبدالملک بن مروان بن الحکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد

مناف ان کی ماں عائشہ بنت معاویہ بن المغیرہ بن ابی العاص بن امیہ تھیں۔ عبدالملک کا نسب باپ اور ماں کی طرف سے ابی العاص سے مل جاتا ہے ان کی ماں شریفانہ صفات اور پسندیدہ عادات میں ضرب المثل تھیں۔ عبداللہ بن قیس الرقیات عبدالملک کی مدح میں کہتا ہے۔

أنت ابن عائشة التي فضلت اروم نسائها

تم اس عائشہ کے بیٹے ہو جو اپنے یہاں کی شریف الاصل عورتوں سے افضل تھیں

لم تلتفت لولداتها ومضت على غلوائها

(انہوں نے اپنی بچولیوں کی طرف توجہ نہ کی اور آغاز جوانی میں آگے قدم بڑھا لیں)

ولدت آخر مباد کا كالشمس وسط السماءها

ان کے آپ جیسا مبارک اور روشن پیشانی والا بیٹا اس طرح پیدا ہوا جیسے سورج آسمان

کے وسط میں طلوع ہوتا ہے)

تاریخ ولادت اور تعلیم و تربیت | عبدالملک مدینہ میں ۲۶ھ میں

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں پیدا ہوئے اور شاندار طریقے پر تربیت پائی۔ ان کے باپ نے ان سے قرآن حفظ کرایا، روایت حدیث اور حفظ اشعار کی تعلیم دلوائی یہاں تک کہ وہ ان علوم میں ماہر ہو گئے۔ ان کا عہد طفولیت مدینہ منورہ میں گزر ا جو اسلامی حکومت کا پایہ تخت بن گیا تھا ان دنوں اموال غنیمت و محاصل وغیرہ دار الخلافت میں بکثرت جمع ہو رہے تھے مسلمان محلات و عمارات بنوانے میں مصروف تھے اور راحت و خوشحالی کی زندگی گزار رہے تھے عبد الملک کے والد مروان بن الحکم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قریب ترین لوگوں میں سے تھے اور انھوں نے مروان کو اپنا مال بکثرت عطا کیا تھا۔ غرض اسی خوش حال گھرانے میں عبد الملک نے بھی نبی امیت کے اور لڑکوں کی طرح نشوونما پایا اور عزت و آسودگی کے اس وسیع ماحول اور دولت و ثروت کی بہتات میں جس کے ساتھ اللہ نے انھیں شریف والدین کے وجود سے سرفراز کیا تھا بڑھے اور جوان ہوئے جس زمانے میں حضرت عثمان بن عفان کی شہادت ہوئی عبد الملک کی عمر کاواں سال تھا۔ مدینہ میں حضرت علی امیر معاویہ کے حامیوں کے درمیان فتنے کی آگ بھڑک رہی تھی مگر مروان بن الحکم نے اس خونریز شورش سے دور ہی رہنے کو ترجیح دی۔ واقعہ حمل کے بعد سیاست سے علیحدہ ہو گئے اور حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس کے بعد جب تک خلافت امیر معاویہ کو نہ ملی یہ اسی حال میں عبد الملک اس زمانے میں عمر کی پندرہ بہاریں دیکھ چکے تھے اور قوت و عقل کے علاوہ علم سے بھی خاصا حصہ مل چکا تھا۔ ایسا ہوا تو کوئی تعجب کا مقام نہیں کیونکہ مدینہ ان دنوں علمائے محدثین اور فقہاء کے لئے کعبہ مراد بنا ہوا تھا اس لئے نوجوان عبد الملک بھی اس سرشتِ نبویہ

مرضی الہی کے مطابق جتنا سیراب ہو سکتا تھا ہوا۔

پھر حیب امیر معاویہ کی وفات ہوئی اور انھوں نے یزید کو اپنے جانشین کی حیثیت سے چھوڑا اس وقت عبدالملک کی عمر کا چوبیسواں سال تھا۔ شبایسکال کو پہنچ چکا تھا زمین کھل گیا تھا اور دل میں صفائی آگئی تھی۔ اس زمانے میں یہ اور ان کے باپ دمشق چلے گئے جہاں ان دونوں کو یزید نے اپنا مقرب بنایا اور ان لوگوں کا بڑا خیال رکھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دمشق میں جو بتی امیہ کا پایہ تخت اور امح کا ملجا و ماوی تھا عبدالملک کی زندگی بڑی راحت سے گزری کیونکہ اس زمانہ میں اموی ملک شان و شوکت اور رونق و عینہ میں انتہا کو پہنچ چکا تھا بے شبہہ ان حالات میں عبدالملک کی وہی شان تھی جو اس نئی زندگی کی مسرتوں اور خوشحالیوں میں بتی امیہ کے نوجوانوں کی ہو سکتی ہے۔ البتہ یزید بن معاویہ نے جس وقت اہل مکہ پر فوج کشی کی تو عبدالملک نے اس کی اس اوچھی سیاست کو پسند نہ کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس موقع پر عبدالملک نے کہا: خدا کی پناہ، کیا اللہ کے حرم پر فوج بھیج جائے گی؟ جب اس لشکر کی اطلاع ہوئی جو یزید نے عبداللہ بن زبیر سے لڑنے کے لئے روانہ کیا تھا تو عبدالملک نے اس بات کو درست نہ جانا۔ کئی لغسانی راوی ہیں: حب مسلم بن عقیہ مدینے میں اتراتو میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہوا اور عبدالملک کے پہلو میں بیٹھا۔ محمد سے عبدالملک نے کہا: کیا تم اس لشکر میں سے ہو؟ میں نے کہا: ہاں۔ انھوں نے کہا: تمہیں تمہاری ماں روئے کیا تم جلتے ہو۔ کس کی طرف جا رہے ہو؟ اس شخص کی طرف جو اسلام میں سب سے پہلے پیدا ہوا، رسول اللہ صلی اللہ



علیہ وسلم کے حواری کی طرف، ذات النطاقین (حضرت اسماء بنت ابی بکر کے بیٹے کی طرف، بخدا، اگر تم دن کو ان کے پاس پہنچے تو انھیں روزے سے پاؤ گے اور رات کو پہنچے تو انھیں عبادت کرتا ہوا دیکھو گے۔ اگر تمام اہل زمین نے بھی ان کے قتل پر اتفاق کر لیا تو اللہ ان سب کو جہنم میں جھونک دے گا۔

اس کے بعد یزید بن معاویہ کی وفات ہوئی ۶۳ھ میں معاویہ ثانی اس کا جانشین ہوا پھر ۶۴ھ

## مروان کی خلافت

میں معاویہ ثانی کا انتقال ہو گیا اور شام کے عربوں میں جو اپنے اتحاد و اتفاق کی بدولت حکومت اور اس کی قوت کے لئے رگ پٹھے ہوئے تھے

ہیجان پیدا ہو گیا۔ لیکن ان کا یہ اتحاد دیرپا ثابت نہ ہوا اور اس کا شیرازہ جلد ہی منتشر ہو گیا۔ قبیلہ کلب کے لوگ بنی امیہ کی طرف مائل ہو گئے اور بنو قیس نے

عبدالشد بن زبیر کا ساتھ دیا۔ پھر خود کلب میں بھی کھوٹ پڑ گئی۔ ان میں سے ایک گروہ خالد بن یزید کا حامی ہو گیا جو اگرچہ کم عمر تھا تاہم خوش بیان و خوش تقریر

تھلا اور دوسرا گروہ مروان بن الحکم کے سن رسیدہ ہونے کی وجہ سے ان کا طرفدار بن گیا۔ بنی امیہ کے حامیوں میں باہم اختلاف برپا رہا یہاں تک کہ انھوں نے

موتم جابیہ منعقد کی اور اس میں ذوالقعدہ ۶۴ھ میں مروان بن الحکم کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی۔ اس وقت عبدالملک کی عمر اٹھائیس سال تھی۔

مروان نے حکومت کا بوجھ ایسے وقت اٹھایا تھا جب اموی حکومت حوادث کے ہاتھوں تباہی کے قریب پہنچ چکی تھی۔ عبدالشد بن زبیر حجاز میں خروج

کر چکے تھے اور ان کی دعوت مصر و عراق تک پہنچ گئی تھی۔ مگر مروان نے اتنی قوت پیدا کر لی کہ ابن الزبیر کے مقابلے میں ٹھہر کر بہادرانہ مقابلہ کر سکے۔ انھوں

نے مصر واپس لے لیا اور وہاں سے ابن الزبیر کے عامل عبدالرحمن بن جحدم

کو نکالنے کے بعد اپنے بیٹے عبد العزیز بن مروان کو مصر کا والی بنایا۔ اس کے بعد دو لشکر تیار کئے ایک حجاز بھیجا اور دوسرا عراق۔ پھر کھوڑے سے ہی دونوں بعد ۶۵ھ میں مروان کو موت نے آیا۔ مروان نے مرنے سے پہلے اپنے بیٹے عبد الملک کو خلیفہ مقرر کر دیا تھا۔

**خلافت عبد الملک** | خلافت کا بارگراں جب عبد الملک بن مروان کے کنزے پر پڑا اس وقت ان کی عمر کا

انیسواں سال تھا اور یہ وہ زمانہ تھا کہ قبائلی عصبیت جسے مٹانے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی محنت و جانفشانی فرمائی تھی امت عربیہ کو بارہ بارہ کرنے کو کھٹی۔ اور اگر اللہ نے اس حکومت کے لئے اس مہوی نوجوان کو تیار نہ کر دیا ہوتا تو وہ اکھی دنوں میں زوال کے کناسے پر پہنچ چکی تھی۔ عبد الملک دانشمندی اور نظم و نسق پر قدرت رکھنے کے علاوہ بلا شدت احتیاط رہنے اور بلا کمزوری نرمی سے کام لینے کے اوصاف میں بھی بہت ممتاز تھا۔ ایسے زمانہ میں معاملات حکومت کی زمام اس کے ہاتھوں میں نہ آئی ہوتی تو مسلمانوں کی وحدت کا شیرازہ بچھ جاتا اور یہ عصبیت ہر خشک و تر کو کھا جاتی۔ خلفائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اسلام کی اشاعت اور اس کے استقلال و استحکام اور سر بلندی کے لئے جتنی کوششیں کی گئیں سب پر پانی پھر جاتا۔ عبد الملک نے اپنی بیعت کی تکمیل کے بعد جو خطبہ دیا ہے اس سے اس کی سیاست کا اظہار ہوتا ہے جس کو اس نے اپنے لئے اختیار کیا تھا۔

”معلوم ہو کہ میں نہ کمزور خلیفہ ہوں نہ جکینی پیڑی یا تیس کرنے والا اور نہ کمزور عقلمند کا شخص ہوں۔ مجھ سے پہلے جو خلفائے تھے وہ ان اموال میں سے کھاتے اور کھلاتے تھے مگر میں اس امت کے امراض کا سزا و صرف تلوار سے کروں گا۔“

یہاں تک کہ تم میرے لئے سیدھے ہو جاؤ۔ تم ہمیں تو مہاجرین کے کاموں کی تکلیف دیتے ہو اور خود ان کے ایسے اعمال نہیں کرتے۔ اس طرح تم صرف سزا و عقوبت کو بڑھاتے ہو یہاں تک کہ ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار فیصلہ کرتی ہے۔ یہ عمرو بن سعید ہے اس کی قرابت قرابت ہے اور اس کا مقام اس کا مقام ہے۔ اس نے اپنی رائے سے ایسا ایسا کہا اور ہم نے اپنی تلواروں سے اس طرح جواب دیا: آگاہ رہو کہ میں تمہاری ہر چیز کو برداشت کر لوں گا۔ لیکن کسی امیر کے خلاف سر اٹھانے یا علم بغاوت بلند کرنے کو برداشت نہیں کروں گا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس عہد میں اسلامی حکومت

## عبدالملک کی سیاست

اپنا شیرازہ مضبوط کرنے رخنوں کو بند کرنے اور اپنی حد سے گزرنے والوں کا تدارک کرنے کے لئے ایسی ہی سحت اور قطعی سیاست کی محتاج تھی۔ چنانچہ عبدالملک بن مروان کی سیاست اس مقصد میں کامیاب ہوئی کہ امت اسلامیہ نے گزشتہ قوت بحال ہو اور قریب و دور کے اسلامی شہروں میں امن و امان اور اطمینان کا دور دورہ ہو سکے۔ اس دور میں مصر میں عبدالعزیز بن مروان کے عہد میں امن قائم ہوا اور حجاز میں عبدالملک کے دست راست حجاج بن یوسف کے ہاتھوں عبدالشرین زبیر کا خاتمہ ہو گیا۔ حجاج ۷۳۳ء میں حجاز کا والی مقرر ہوا اور ۷۵۵ء تک یہیں رہا یہاں تک کہ وہاں کے معاملات ٹھیک ہو گئے اور باغیوں نے اس کی اطاعت قبول کر لی۔

اس کے بعد عبدالملک نے حجاج کو عراق روانہ کیا یہ

## حجاج بن یوسف

کوڑہ میں داخل ہوا اور اس نے اہل کوڑہ کے سامنے

پنا مشہور خطبہ دیا جس میں اٹھیس ڈربا دھمکایا۔ پھر بصرہ گیا اور وہاں کے لوگوں کے ساتھ بھی وہی کچھ کیا جو اہل کوفہ کی ساتھ کر چکا تھا۔ اسے اپنی محتاط اور شدید سیاست کی بدولت عراق اور قریب کے مشرقی علاقے عبدالملک کے زیر نگیں بنانے میں کامیابی ہوئی جس کی حکومت کے بائے مضبوط ہو چکے تھے۔ اس طرح بیدار مغزی سے کام لینے اور رعایا کے لئے اعمال خیر انجام دینے کی بدولت عبدالملک کے ملک میں امن و امان کی اشاعت ہوئی۔ عبدالملک کا میلان عدل کی طرف تھا اور وہ خطا کاروں کو سزا دینے میں عتدال سے گزرتا ناپسند کرتا تھا۔ اس نے اپنے بھائی عبدالعزیز کو والی مصر بناتے وقت جو نصیحت کی اس سے عبدالملک کی باصواب سیاست اچھی طرح جھلک رہی تھی۔ اس نے کہا:۔ کشادہ روئی اختیار کرو۔ دل کو نرم بناؤ۔ معاملات میں رفیق و ملامت کو ترجیح دو یہ تمہارے لئے زیادہ کارآمد ہے، اپنی حاجب پر نظر رکھو جسے تمہارے گھر والوں میں سب سے بہتر شخص ہونا چاہئے کیونکہ وہی تمہارا چہرہ اور زبان ہے۔ تمہارے دروازے پر جو شخص بھی کھڑا ہو وہ تمہیں اس کے مرتبے سے آگاہ کرے تاکہ تم اسے اندر آنے کی اجازت دو یا اسے واپس کر دو۔

عبدالملک کے عہد کی فتوحات

عبدالملک کے عہد میں ہر قلعہ فتح ہوا۔ ان کی فوجیں مغرب میں آرمینیا اور صہناج میں لڑیں اور واسد اور اردبیل نامی دو شہر بنائے گئے۔

ان کے عہد میں اسلام مغرب کے مقامات پر اور بلا دما و رار الہتر میں پھیل گیا اور اسلامی حکومت قوت و وحدت کے اعتبار سے نہایت مضبوط ہو گئی۔ ان وجوہ سے عبدالملک کو بجا طور پر دولت امویہ کا بانی ثانی خیال کیا

جاتا ہے کیونکہ انھوں نے اس کی عظمت کا محل ایسی بنیادوں پر کھڑا کر دیا جن کی نظیر اس سے پہلے کے حلقہ میں نہیں ملتی۔ ان کی خلافت کو قائم ہونے سے سات ہزار سال بھی نہ گزرتے تھے کہ ان کے تمام معاملات ٹھیک ہو گئے اور حالات سکون پر آ گئے۔ ان کے نقیب محمد میں اور ان کے بعد ان کی اولاد کے زمانے میں امن و سلامتی قائم ہو گئی۔

**ت** **اصلاحات** **عبدالملک** نے حکومت کو صحیح اور درست بنیادوں پر قائم کرنے کے لیے **اصلاحات** کی طرف سے متعدد اصلاحات کیں جنہیں تاریخ نے انکا دوامی

کارنامہ بنا دیا ہے۔ انھوں نے تاریخ اسلام میں پہلی مرتبہ اسلامی دنیا کو دھلوانے اس کے علاوہ بہت سی دور رس اقتصادی اصلاحات بھی پیش نظر رکھیں۔ بنیاد کا معیار قائم کرنے کا مقصد یہ تھا کہ حلب ہی خراج اور جزیہ کے امور منضبط ہو جائیں اور تجارتی معاملات استوار ہوں۔ چنانچہ ان اصلاحات کی بدولت بیت المال بھر گیا اور بکثرت اموال جمع ہونے کی وجہ سے عبدالملک نے اپنی وسیع اصلاحات کے نفاذ میں بڑی کامیابی ہوئی۔ عبدالملک سے پہلے عراق میں فارسی زبان میں تھے اور مصر و شام میں یونانی زبان میں عبدالملک نے انہیں عربی میں کر دیا۔ مصر کے دفتر ولید بن عبدالملک کے زمانے میں یونانی اور شیطانی زبانوں سے عربی میں منتقل کئے گئے۔ عبدالملک پہلے شخص ہیں جنہوں نے کعبہ کے لئے رستہ (دیباچہ کی) پوشش تیار کی۔

**ذاتی فضائل** **اصلاحات** جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے عبدالملک مدینہ میں پیدا ہوئے تھے۔ مدینہ ہی کے محلوں میں چلنا پھرنا

سیکھا اور مدینہ ہی کے آسمان تلے جوان ہوئے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک سے قرب کی وجہ سے تقویٰ و پرہیزگاری

مکتوب

اور صحیح ایمان ان کے دل میں خوب سج گیا تھا۔ انھوں نے قرآن حفظ کرنے، حدیث کی روایت کرنے اور دین میں سوچھ پوچھ پیدا کرنے کا شغل اختیار کیا۔ ابن سعد کہتے ہیں:۔ عبد الملک خلافت سے پہلے مدینے میں عابد و زاہد شخص تھے۔ ناصح کا قول ہے:۔ میں نے مدینہ میں دیکھا تو وہاں کوئی نوجوان عبد الملک سے زیادہ مستعد اور ان سے زیادہ فقیر و عبادت گزار اور ان سے زیادہ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے والا نہ تھا اور وہ نماز بہت پڑھتے تھے اور اللہ کے حضور میں بہت حضور حضور کرتے تھے۔ سخی بن سعید کہتے ہیں:۔ جس نے مسجد میں ظہر و عصر کے درمیان نماز پڑھی وہ عبد الملک بن مروان اور ان کے سوا کونسا نوجوان تھے۔ حبیب اللہ ظہر کی نماز پڑھنا تو یہ لوگ اٹھ گھڑے ہوتے اور عصر تک نماز پڑھتے پھر سعید بن المسیب سے کہا گیا: کاش کہ ہم گھڑے ہوتے اور ان لوگوں کی طرح نماز پڑھتے۔ اس پر سعید بن المسیب نے کہا:۔ عبادت صلوٰۃ و صوم کی کثرت سے نہیں ہے بلکہ اصل عبادت تو اللہ کے معاملے میں فکر کرنا اور اللہ کی حرام کی ہونی چیزوں سے بچنا ہے۔

علم و روایت  
حدیث و فخرہ

عبد الملک کو علم سے بڑا حصہ ملا تھا اس کی شہادت حضرت عبد اللہ بن عمر کی زبان سے سنئے:۔ کسی نے عبد اللہ بن عمر سے کہا:۔ آپ لوگ جو قریش کے شیوخ ہیں عنقریب اٹھ جائیں گے۔ ہم آپ کے بعد کس سے پوچھا کریں؟ انھوں نے جواب دیا:۔ مروان کا ایک بیٹا فقیہ ہے اس سے پوچھ لیا کرو۔ اسی طرح عبد الملک ایک بار حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو انھوں نے کہا:۔ یہ عرب پر حکومت کرے گا، ایک مرتبہ ام الدرداء نے عبد الملک سے کہا:۔ میں تم سے

اچھا حدیث بیان کرنے والا اور تم سے اچھا یاد رکھنے والا کسی کو نہ دیکھا، شعبی کہتے ہیں :- میں جس کے پاس بھی بیٹھا میں نے اپنے آپ کو اس سے بہتر پایا بجز عبد الملک بن مروان کے۔ میں نے عبد الملک سے جو حدیث بھی بیان کی انہوں نے اس کی نسبت میرے علم میں اضافہ کیا اور جو شعر بھی سنایا اس کی نسبت میری معلومات زیادہ کیں۔ عبد الملک نے حضرت عثمان ابو ہریرہ، ابو سعید، ام سلمہ، بریرہ، ابن عمر اور معاویہ رضی اللہ عنہم سے حدیث سنی، عبد الملک سے عروہ، خالد بن معدان اور زہری و یونس بن علیہ وغیرہ نے روایت کی۔

عبد الملک اپنی اس قابلیت و شائستگی کے ساتھ ہی بڑے فصیح و بلیغ شخص تھے اضمعی کہتے ہیں :- چار شخص ایسے ہیں جنہوں نے سنجیدگی میں قسم کھائی نہ تمسخر کی حالت میں :- الشعبی، عبد الملک بن مروان، حجاج بن یوسف اور ابن القریہ :-

عبد الملک اشعار کو حفظ کرتے اور ان کی روایت **الاخلطل کو انعام** کرتے اور لطف اٹھاتے تھے وہ شعر کہنے والے کو پسندیدہ صلہ دیتے تھے ایک دن ان کے پاس الاخلطل آیا اور یہ شعر سنایا :-

شمس اعدا وة حتى ليستقاد لهم واعظم الناس احلاما اذا قدروا  
 (وہ عداوت میں آفتاب کی طرح ہے یہاں تک کہ اس سے دشمنوں کو بھی فائدہ پہنچتا ہے اور ظلم کی صفات میں ایسے وقت بھی جبکہ لوگ اسکی قدرت و اختیار میں ہوں سب بڑا شخص ہے)

۱۵ بریرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی تھیں (ادارہ)

عبدالملک نے کہا:- اے غلام اکھنیں لے جا اور خلعتوں سے ڈھانپ کر روانہ کر۔  
پھر کہا:- ہر قوم کا ایک شاعر ہوتا ہے، بنی امیہ کا شاعر الاخطل ہے۔

**حکمت و دانائی** | عبدالملک بڑے دانشمند اور حکیم تھے۔ ان کی باتوں نے ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ ایک بار

کسی نے ان سے پوچھا:- سب سے بہتر کون شخص ہے؟ کہا: جو ہر بلندی کی حالت میں تواضع، قدرت کی حالت میں زہد اور قوت کی حالت میں انصاف کرے۔ ابن عاشر کہتے ہیں:- جب کہیں سے کوئی شخص عبدالملک کے پاس آتا تو وہ کہتے:- مجھے چار باتوں سے معاف کرو اور ان کے بعد جو چاہو کہو:- مجھ سے جھوٹ نہ کہو۔ کیونکہ جھوٹے کی کوئی رائے نہیں ہوتی۔ جویات میں تم سے نہ پوچھوں اس کی نسبت مجھے کوئی جواب نہ دو۔ میری تعریف نہ کرو کیونکہ میں اپنے آپ کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ مجھے رعیت کے خلات نہ بھڑکاؤ کیونکہ میں ان کے ساتھ موافقت رکھنے کا زیادہ محتاج ہوں، اکھنیں و جوہ سے عبدالملک کی نسبت یہ کہا گیا ہے کہ معاویہ زیادہ حلیم تھے اور عبدالملک زیادہ محتاط۔

**وفات** | عبدالملک کی وفات ۸۶ھ میں ہوئی۔ جب انتقال کا وقت قریب آیا تو کہا:- بخدا میں چاہتا تھا کہ حرب سے پیدا

ہوا ہوں آج کے دن تک جمال (مزور) رہا ہوتا، اس کے بعد اپنے بیٹوں کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کی اور اکھنیں تفرقہ و اختلاف سے ڈرانے کے بعد کہا:- نیک چلن ماں کے بیٹے بن کر رہو۔ جنگ ورنیکی کے لئے یکساں (طور پر ثابت قدم) رہو کیونکہ جنگ وقت سے پہلے موت کو نہ لے آئے گی اور نیک کا ثواب اور اس کا ذکر باقی رہے گا، تلخی کی حالت



میں شیریں اور شدت کی حالت میں نرم بن جاؤ اور ویسے بن کر رہو جیسا کہ  
ابن عبدالاعلیٰ نے کہا ہے :-

ان القداح اذا اجتمعن فرامها  
بالكسر ذو حنق و بطش باليد  
عزت فلم تكسروا ان هي بدت  
فالكسر والتوهين للمتبدح

و جب تیرا کٹھا ہو اور اس وقت کوئی سخت گرفت والا غصتناک شخص اٹھیں ہاتھ سے  
ٹوڑنا چاہے تو یہ کام مشکل ہوگا اور وہ نہ ٹوٹیں گے لیکن یہی تیرا اگر بکھر جائیں تو بکھر جانے والے  
کے لئے تو صحت اور شکست ہی ہے یعنی اس حالت میں بڑی آسانی سے ٹوٹ جائیں گے  
عبدالملک نے زاہد کی حیثیت سے زندگی گزاری اور زہری  
میں انتقال کیا۔ اللہ جنت کو ان کا مسکن بنائے۔

# ولید بن عبد الملک

## وفات ۹۶ھ

نام و نسب ولید کا سلسلہ نسب یہ ہے: ولید بن عبد الملک بن مروان بن الحکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس ابن عبد مناف۔ ولید کے باپ عبد الملک بن مروان وہ عظیم المرتبہ اموی خلیفہ ہیں جنہیں دولت امویہ کا بانی خیال کیا جاتا ہے۔ اور داد مروان بن الحکم ہیں جنہوں نے اس حکومت کو لپستی سے ابھارا اور ان حضرات سے بچایا جنہوں نے اسے تباہی کے کنارے پہنچا دیا تھا۔

ولید کا عہد وہ ذریں عہد ہے جس میں اموی تمدن پھلا پھولا اور ہر طرف سرسبزی و شادابی پھیل گئی۔ اس کے عہد میں خلفائے بنی امیہ کا دار الخلافت دمشق بہت بار و ترقی ہو گیا۔ مسلمانوں کے بیت المال میں مال و دولت کے انبار پر انبار لگ گئے۔ اور حضرت عمر بن الخطاب کے پورے عظیم الشان اسلامی فتوحات، از سر نو زور شور سے شروع ہو گئیں۔ اس کے زمانے میں دولت اسلامیہ اپنی انتہائی وسعت کو پہنچ گئی۔ اس کا سلسلہ مغرب میں جبال پرنس (سپرینز) سے لے کر مشرق میں بلاد چین تک اور شمال میں ایشیائے کوچک سے لے کر جنوب میں بلاد نوبہ تک پھیل گیا۔ تخت نشینی عبد الملک بن مروان نے ۶۶ھ میں وفات پائی تو ان کا

بٹیا ولید ان کا جانشین بنا۔ باپ نے اس کے خلیفہ ہونے کی وصیت  
 اس شرط پر کی تھی کہ ولید کے بعد اس کا بھائی سلیمان اس کا جانشین ہو  
 ولید بڑی خوشحالی کے عالم میں جوان ہوا تھا۔ اس کے باوجود اس  
 نے خلیفہ ہو کر دولت اسلامیہ کی قیادت ایسی ہوش مندی اور دور  
 اندیشی سے کی کہ مورعین اور سیرت نگار حیران رہ گئے۔ اس کے گھر  
 والوں کی رائے اس کی نسبت کچھ اچھی نہ تھی۔ ولید نے ان کے اندیشوں  
 کے برخلاف اسلامی فتوحات کا رخ اس طرح پھیرا کہ لوگ اس کے  
 حسن انتظام، دور اندیشی اور کمال عقل و دانشمندی کی شہادت دے لگے۔

تاریخ میں ولید کی کوئی ایسی خاص سیرت تو  
 محفوظ نہیں ہے۔ جو خصوصیت کے ساتھ قابل  
 ذکر ہو مگر تاریخ کے صفحات میں اس کی عظیم الشان

**عہد ولید کی  
 عظیم الشان فتوحات**

فتوحات اور تاناک بائز کا ذکر البتہ بقائے دوام حاصل کر چکے جو  
 رہتی دنیا تک باقی رہے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ ولید کی تاریخ میں ان  
 تین نامور اور عظیم المرتبت بہادران اسلام کی تاریخ ہے جنہوں نے  
 بڑے بڑے ملکوں کو مسخر کیا اور زبردست معرکے سر کر کے دولت  
 اسلامیہ کا دائرہ وسیع کیا۔ ان ذیشان قائدین سے ہماری مراد قتیبہ  
 بن مسلم الباہلی فاتح ماوراء النہر، محمد بن قاسم بن محمد الثقفی فاتح سندھ  
 اور موسیٰ بن نصیر ہیں جنہوں نے مغرب کی فتح مکمل کر کے اندلس کو فتح  
 کیا۔ ان شجاعان اسلام کی سیرتیں اس دور کی زرخیزی و خوش بختی کی  
 شاہد ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں کیسے کیسے نامور اور  
 عالی مرتبہ بہادر پیدا ہوئے تھے۔ اگر ان میں سے ہر ایک کے کارنامے

بیان کئے جائیں جو انھوں نے پچھم اسلام کو بلند کرنے اور اس کے لئے  
 اختیار و جدوجہد کرنے کی صورت میں سرانجام دیئے تو غالباً یہ جہاد  
 بے موقع نہ ہوگی۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ان قائدین کی قوت  
 و امداد کا سرچشمہ اسی اموی سلطان کی روح تھی۔ جو دمشق میں تخت  
 خلافت پہنچے بیٹھے ان میں جوش عمل پیدا کرتا رہتا اور ان کے کارناموں  
 میں ان کا رہنا بنتا۔

**قتیبہ بن مسلم** قتیبہ بن مسلم کو حجاج نے ۶۸۶ء میں خراسان کا والی  
 بنا کر بھیجا۔ وہ بلخ روانہ ہوا تو وہاں کے زمینداروں  
 اور سرداروں نے اس کی پیشوائی کی اور خود بھی قتیبہ کے ساتھ ہوئے۔  
 جس وقت دریائے جیحون کو عبور کیا تو صغانیوں کا حکمران آکر ملا اور قتیبہ  
 کو بہت سے ہدیے دیئے اور اپنا ملک اس کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد  
 اسے پے در پے فتوحات ہوتی رہیں ۶۸۷ء میں بیکند میں جنگ کی جو  
 بخارا سے ایک منزل کی مسافت پر واقع ہے۔ یہاں سے صغد پر چڑھائی  
 کی اور دشمنوں سے سخت معرکہ ہوا۔ جس کی تاب نہ لا کر وہ پسا ہو گئے  
 اور منتشر ہو کر صلح کی درخواست کی۔ ۶۸۸ء کے موسم بہار میں اسلامی جھنڈا  
 بلاد کرینیا میں سمرقند و بخارا کے درمیان اطراف صغد میں لہرانے لگا۔  
 اس کے بعد قتیبہ نے بخارا کی سمت کوچ کیا اور بڑی محنت و جانفشانی  
 کے بعد اسے بھی فتح کیا۔ ۶۹۳ء میں قتیبہ نے خوارزم کے شہر بجات صلح مسخر  
 کئے۔ پھر بڑی گھمراہی کی جنگ کے بعد سمرقند فتح کیا اور اس کا صدر مقام  
 ماوراءالنہر میں قائم کیا۔ اس کے بعد اس عظیم المرتبت فاتح نے فیصلہ کیا  
 کہ دولت عربیہ کے حدود ایشیائے وسطی مقامات تک وسیع کر دے اور

دریائے جیحوں کو عبور کر کے بخارا کے (بقیہ) نصف حصے کا قصد کرے۔ چنانچہ اس مقام پر اس نے خوارزم و بخارا اور کش اور بسف کے بیس ہزار سپاہیوں سے تیار کئے ہوئے لشکر کے ساتھ جنگ کی اور زبردست فتح حاصل کی۔

خلیفہ ولید نے اپنے سپہ سالار کے ان کارناموں کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور قتیبہ کے پاس یہ پیام بھیجا: مسلمانوں کے دشمنوں سے جہاد کرنے میں تم نے جو جدوجہد اور بہادری دکھائی ہے۔ امیر المومنین اس سے خوب واقف ہیں۔ وہ تمہارے مراتب بڑھا دیں گے اور شایان شان سلوک کریں گے۔ اس لئے تم اپنی لڑائیاں مکمل کرو، اپنے پروردگار کے ثواب کا انتظار کرو اور اپنے خطوط امیر المومنین کے پاس برابر بھیجتے رہو۔ یہ طریقہ اس اہتمام سے جاری رکھو گویا تمہاری بہادری کو اور اس سرحد کو جس میں تم موجود ہو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔“

**ایمان اور عقیدے کی جنگ** اور ادا اللہ کی فتح کا اثر یہ ہوا کہ اسلام اس ملک میں داخل ہو گیا۔ جس وقت قتیبہ سمقند

پہنچا وہاں اس نے بہت سے بت پائے۔ ان بتوں کے پجاریوں کا عقیدہ یہ تھا کہ جو شخص ان مورتوں پر زیادتی کرے گا اسی وقت مرجائے گا۔ مگر اس مسلمان فاتح نے ان خرافات کی ذرا پروا نہ کی اور انھیں جلانے سے باز نہ آیا۔ مورخین نے روایت کی ہے کہ قتیبہ کے پاس بت لائے گئے۔ جو بڑے محل کی طرح تھے۔ اس نے ان پر جو چیزیں بھتیس لے لیں اور بتوں کے جلانے کا حکم دیا۔ اس وقت غورک اس کے پاس آیا اور کہا: مجھ پر آپ کی شکر گزاری واجب ہے، مگر آپ ان بتوں کو نہ

چھیڑے کیونکہ ان میں سے بعض ایسے بت بھی ہیں جو شخص انہیں جلائے  
گا ہلاک ہو جائے گا۔ قتیبہ نے یہ سن کر جواب دیا: میں انہیں اپنے ہاتھوں  
سے جلائے دیتا ہوں۔ پھر اس نے آگ منگوائی۔ اور بتوں میں لگاوی  
جس میں وہ جل کر رہ گئے۔

لیکن قتیبہ کے حوصلے اسی حد تک محدود نہ رہے۔ اس نے  
ارادہ کیا کہ مسلمانوں کا لشکر چین کے بڑے مقامات پر بھی  
حملہ کرے۔ اس لئے وہ ۹۶ھ میں دلیرانہ قدم بڑھاتا ہوا

قتیبہ اور  
بادشاہ چین

مسلمانوں کا بہت بڑا لشکر ساتھ لئے ہوئے چین کی حدود کی طرف روانہ  
ہوا۔ ابھی وہ راستہ ہی میں تھا کہ اسے ولید کے انتقال کی خبر ملی مگر اس  
اطلاع نے بھی قتیبہ کے ارادہ جہاد کو متزلزل نہ کیا اور وہ کوچ کرتا ہوا  
ملاک چین کے قریب جا پہنچا۔ یہاں اس نے ہبیرہ بن المشریح الکلابی  
کی سرکردگی میں ایک وفد بادشاہ چین کے پاس بھیجا۔ اس وفد کے  
اور بادشاہ کے درمیان کئی بار خط و کتابت ہوئی۔ اس کے بعد بادشاہ  
چین نے ہبیرہ کو مخاطب کر کے کہا: اپنے سردار کے پاس جا کر کہو واپس  
چلا جائے۔ مجھے اس کی حرص اور سپاہ کی کمی کا حال معلوم ہو چکا ہے  
نہ مالوگے تو میں ایسے شخص کو بھیجوں گا۔ جو تمہیں اور تمہارے سردار کو  
ہلاک کر دے گا۔" ابو ہبیرہ نے کہا: ایسا شخص تھوڑی سی سپاہ والا کیسے  
ہو سکتا ہے جس کے سواروں کا انکلا حصہ تمہارے ملک میں ہو اور  
دوسرا آخری حصہ زمینوں کے کھیتوں میں۔ پھر ایسا شخص حرص  
کیونکر ہو سکتا ہے جس نے دنیا پر قادر ہونے کے باوجود اسے چھوڑ دیا  
ہو اور تم سے لڑنے آیا ہو؟ رہی ہیں قتل کرنے کی نسبت تمہاری دہلی

تو ہمارے یہاں موت کے اوقات مقرر ہیں۔ جب بھی آجائیں اور ان میں سب سے زیادہ شریفانہ موت شہادت ہے۔ اس لئے ہم موت سے نفرت نہیں کرتے نہ اس سے ڈرتے ہیں۔ اس بات پر بادشاہ چین نے اسے جواب دیا، آخر وہ کیا صورت ہے جس سے تمہارا سردار راضی ہو جائے؟ ہمیرہ نے کہا: اس نے قسم کھالی ہے کہ جب تک وہ تمہاری زمین کو پامال اور تمہارے بادشاہوں کو ختم نہ کرے گا یا اسے جزیہ نہ دیا جائے گا واپس نہ ہوگا۔ چنانچہ بادشاہ چین نے جزیہ ادا کر دیا اور قتیبہ نے مرد کی جانب مراجعت کی۔

دوسرا قاعد جس پر ولید بن عبدالملک کا عہد فخر کرتا **محمد بن القاسم** ہے محمد بن القاسم بن محمد ثقفی ہے جسے حجاج بن یوسف

نے ہندوستان میں جنگ کرنے کی ہم سپرد کی تھی۔ یہ نوجوان بہادر <sup>۳۸۵</sup> میں ہندوستان کی جانب روانہ ہوا۔ اور دیبل کی سرحد پر پہنچ کر اسکا محاصرہ کر لیا اور اسے فتح کر لیا۔ پھر اس ملک میں فتوحات کا ڈنکا بجاتا ہوا دریائے سندھ تک جا پہنچا جو اس زمانے میں دریائے ہیران کے نام سے مشہور تھا۔ اس جگہ محمد بن قاسم اور سندھ کے راجہ داہر کا مقابلہ ہوا۔ دوران جنگ میں محمد بن قاسم اور اس کے سپاہی ہاتھیوں سے لڑتے تھے۔ مقابلہ بڑا سخت تھا۔ آخر اس جنگ کا اختتام داہر کے قتل اور اس کے آدمیوں کی ہزیمت پر ہوا۔ محمد بن قاسم کے لشکریوں میں سے ایک شخص فخریہ کہتا ہے:-

الحیل تشهد یوم داہر والقنا و محمد بن قاسم بن محمد

و داہر کی جنگ کا حال سوار جانتے ہیں اور نیزے اور محمد بن القاسم بن محمد اس کے

حال سے واقف ہیں )

اِنِّیْ فَرَجْتُ الْجَمْعَ غَیْرَ مَصْرًا ۙ حَتّٰی عَلَوْتُ عَظَمِیْہِم بِہِندَ

(میں نے بغیر مِصر سے ہونے دشمن کی جماعت کو چیر دیا یہاں تک کہ میں نے ہندی تلوار سے ان کے سر و سر پر غلبہ پالیا )

وَتَرَكْتَهُ تَحْتَ الْعَجَلِ مُجَدِّلاً ۙ مَتَّعِضًا الْحَذَّیْنِ غَیْرَ مَوَسَّدَ

(میں نے اسے خاک کے نیچے اس حال میں چھوڑا کہ وہ پھپھڑا ہوا تھا۔ اور اس کے رخسار بغیر تکیے کے اور گرد آلود تھے۔)

اس طرح محمد بن قاسم نے اپنی فتوحات کا دائرہ سندھ کے تمام اکناف و اطراف میں پھیلا دیا۔ یہاں تک کہ بڑھتے بڑھتے ملتان کے اندر داخل ہو گیا۔

اسی اثنا میں توفیق الہی ایک اور سمت میں مسلمانوں کے موسیٰ بن نصیر لشکرِ دین سے موافقت کا عہد و پیمانہ باندھ رہی تھی

عبدالعزیز بن مروان کے مولیٰ موسیٰ ابن نصیر کو ولید بن عبدالملک نے ۶۶۱ء میں افریقیہ کا والی بنایا۔ وہ اپنی سرکردگی میں مصر سے ایک لشکر

لے ہوئے اس ملک کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہاں پہنچا تو ایک لشکر اور اس سے آگے۔ موسیٰ نے اس کا سپہ سالار اپنے مولیٰ طارق بن زیاد کو بنایا۔

موسیٰ نے بربروں سے لڑنا، امویوں کا اثر و اقتدار پھیلانا اور بلا مغرب میں اسلام کو رائج کرنا شروع کر دیا۔ وہ اپنی اس جدوجہد میں طنجنہ تک چاہنچا

جو بربروں کا مرکزی مقام اور ان کے شہروں کی ناک تھا۔ موسیٰ نے اس شہر کا محاصرہ جاری رکھا یہاں تک کہ اس پر کامل فتح ہوئی اور طنجنہ کے لوگ

سہ ماہہ انہم۔



مسلمان ہو گئے۔ اس طریقے سے موسیٰ مغرب کا تمام ملک مسح کرنے میں کامیاب  
ہوا۔ اس موقع پر موسیٰ اپنے راستے میں سببہ کے مضبوط قلعوں کے  
سوا کہیں نہ ٹھہرا۔ جو آبنائے کے راستے پر واقع تھے۔ یہ قلعے جنوبی بحر روم  
کے ملک کی طرح شہنشاہ روم کے زیر حکومت تھے۔ مگر قسطنطینہ سے دور  
ہونے کی وجہ سے اپنی معاشی ضروریات کے لئے مملکت اسپین کا منہ  
دیکھتے رہتے۔

حس طرح قتیبہ بن مسلم حدود چین تک اور محمد بن القاسم بلاد ہند  
تک جا پہنچے تھے۔ موسیٰ بن نصیر کو بھی اس کا بڑا شوق تھا کہ آبنائے روم  
الطارق کے اس پار والے ملک اندلس کو فتح کرے۔ موسیٰ نے اسلام  
کے لئے ایک نیا قصر مہیا کرنے اور اندلس کی فتح کا ثواب اپنے حصے  
میں لکھوانے کا مصمم عزم کر لیا۔

شعبان ۹۲ھ میں مسلمانوں کی کشتیاں طارق کی  
طارق بن زیاد قیادت میں موسیٰ کی فوج کے لئے ہوئے صحرا الاسد کے

پاس جزیرۃ الخضراء کے سامنے لنگر انداز ہوئیں اور مسلمان جنوبی اسپین  
کے اس مقام پر اترے جسے البجیرہ کہا جاتا ہے۔ اس طرح موسیٰ نے تاریخ  
اسلام میں ایک نئے عظیم الشان صفحے کا آغاز کیا جس نے پوری اسلامی تاریخ  
میں ترقی و سر بلندی کی زبردست راہیں ہموار کر دیں۔ اب اسپین میں عربی  
ہتذیب پھلنے پھولنے اور برگ و بار پیدا کرنے لگی اور اس کے چشمہ فیض  
سے یورپ نے بھی جتنی پیاس بجھانا چاہتا تھا بجھائی۔ موسیٰ اندلس میں داخل  
ہوا اور شمالی کوہستانی علاقوں کو چھوڑ کر جن میں قوم قوط (گاتھ) کے شرفاء  
اور سردار پناہ لینے کے لئے چلے گئے تھے۔ تمام ملک فتح کر ڈالا۔ موسیٰ کے

حوصلے جبال براءس ہی تک محدود نہ رہے بلکہ اس نے عزم کر لیا کہ موجودہ فرانس کے جنوب میں بھی فتوحات کا سلسلہ جاری رکھے۔ اور مشرق کی جانب رخ کر کے قسطنطنیہ تک جا پہنچے جس کو فتح کرنے سے عرب قاصر رہے تھے۔ پھر وہ فتح پر فتح حاصل کرتا ہوا اموی دار الخلافت دمشق جائے اور اس طریقے سے بحر ایض متوسط کو عربی بحیرہ بنا دے۔

موسیٰ اپنی اس تجویز کو پورا کرنے کی فکر ہی میں تھا کہ ولید نے اسے بلا لیا اور وہ اپنے بیٹے عبدالعزیز کو اندلس کا اور دوسرے بیٹے عبداللہ کو آفریقہ کا والی بنا کر ۹۶ھ میں دمشق روانہ ہوا مگر جس وقت وہاں پہنچا تو ولید کا انتقال ہو چکا تھا۔ اور اس کا بھائی سلیمان بن عبدالملک اس کا جانشین تھا۔

عجیب بات ہے کہ اتنے زبردست فاتح اور ہوشمند و ذکی سپہ سالار کی آخری زندگی بڑے المناک حالات میں گزری جو اس کی اسلامی و دینی خدمات اور جہاد کو دیکھتے ہوئے اس کے نمایان شان نہیں معلوم ہوتے موسیٰ پر سلیمان بن عبدالملک کا عتاب نازل ہوا اور اس نے موسیٰ سے بدترین انتقام لیا۔ اسی طرح قتیبہ بن مسلم اور محمد بن القاسم بھی اس کے انتقام کا نشانہ بنے۔

بہر حال اسلامی فتوحات نے اہل اندلس کے حالات میں  
**اسلامی فتوحات**  
**کی برکت**  
 عمومی تبدیلی پیدا کر دی۔ قوطیوں کی حکومت ہی زائل نہیں ہوئی بلکہ اس ملک سے اس کے آثار بھی مٹ

گئے۔ ان کی کوئی شان و شوکت باقی نہ رہی۔ ان کے اموال و املاک عرب فاتحین کے قبضے میں آ گئے۔ رہے یہودی جو قوطیوں کے عہد حکومت میں

ذلت و خواری کی زندگی بسر کرتے تھے عربوں نے انھیں آزادی سے تجارت کرنے کی اجازت دے دی۔ اور انھیں اور ان کی اولاد کو جان کی امان عطا کی۔ اسی طرح غلاموں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کیا۔ جو پہلے شقاوت و بدبختی کا شکار رہتے تھے۔ ان لوگوں نے عربوں کے عہد میں ایسے بہت سے حقوق پائے جن سے وہ قوطیوں کے زمانے میں محروم تھے۔ اندلس میں یہ عربوں ہی کے دم قدم تھے کہ وہاں کی مختلف قوموں کے درمیان امن و امان کا دور دورہ ہوا۔ انھی وجوہ سے جب اہل اسپین کو اس ملک میں حسن سلوک اور عفو و درگزر کی وہ صفات میسر آئیں جن کی انھیں تلاش تھی تو انھوں نے عربوں کی اطاعت قبول کر لی۔

ولید کے تعمیری کارنامے

ولید بن عبد الملک کی سیرت میں صرف فتوحات ہی ایسی چیز نہیں جسے سب کچھ سمجھ لیا جائے۔ اس نے بہت سے کام اور بھی کئے جو قابل تعریف ہیں۔ اصلاحات کی جو سیاست

اس سے پہلے اس کے باپ نے شروع کی تھی اسے ولید ہی نے درجہ کمال کو پہنچایا۔ ان میں دفاتر کو عربی زبان میں منتقل کرنا بھی اسی کا کارنامہ ہے جس کا مقصد یہ تھا کہ اسلامی حکومت روایات، نظم و نسق اور شائستگی وغیرہ میں ہر اعتبار سے عربی شان دکھائے اسی لئے ولید نے مصر کے دفاتر یونانی اور قبطی زبانوں سے عربی میں منتقل کئے۔ اسی بنا پر اس عہد کو مصر میں عربی کے غلبے کا عہد خیال کیا جاتا ہے۔ اس کام کی تکمیل کے بعد عربوں کو اندلس میں بڑے بڑے منصب سپرد ہوئے۔ اور حکومت کے تمام کام عربی زبان میں سرانجام پانے لگے۔

ادھر ولید کے باپ نے جو معاشی سیاست وضع کی تھی۔ اس کی بدولت

ولید کے عہد میں بیت المال اموال سے بھر پور تھا۔ مال و دولت کی اس فراوانی کے اثرات بھی بڑے شاندار اور دور رس تھے۔ تعمیرات کے کام سے ولید کو بڑی دلچسپی تھی۔ اس نے اس مشغلے کو اپنی تفریح اور دل بہلانے کا وسیلہ بنا لیا تھا۔ اس نے دمشق اور مضافات دمشق کو سبک عمارات کے ذریعے اتنا خوشنما بنا دیا تھا کہ اس وسیع و عریض شہنشاہیت کے پایہ تخت میں شاہان شان حسن پیدا ہو گیا۔ عمارات کے ساتھ ولید کا یہ شغف فخر المثل بن گیا تھا۔ چنانچہ یہ قول مشہور ہے کہ: ولید کے عہد میں لوگ دمشق میں عمارت اور ان کی خوشنمائی کا چرچہ کیا کرتے تھے، سلیمان کے عہد میں کھالوں اور عورتوں کی اور عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں دین اور قرآن کی گفتگو میں رہا کرتی تھیں۔

دمشق کی جامع مسجد ولید نے ۱۵۸ھ اور ۱۵۶ھ کے درمیانی زمانے میں تعمیر کرائی تھی۔ جب اس نے مسجد کی تعمیر کا عزم کیا تو دمشق کے نصرانی سرداروں اور پیشواؤں کو جمع کر کے یہ خواہش ظاہر کی کہ سینٹ جان (قلیس یوحنا) کا گرجہ مسلمانوں کی مسجد میں شامل کر لیا جائے۔ اس کے عوض عیسائی جہاں چاہیں ان کے لئے دوسرا کنیسہ بنوادیا جائے۔ اور مطلوبہ گرجے کی دو چہرہ قیمت ادا کر دی جائے۔ مگر عیسائی نہ مانے اور انھوں نے حجت کی کہ مسلمانوں نے عہد کیا تھا کہ وہ عیسائیوں کے گرجے سے برا سلوک نہ کریں گے۔ لیکن ولید نے اس گرجے کو مسجد میں داخل کر لیا۔ اور حکم دیا کہ لاہور کے کتبے پر سونے سے یہ عبارت لکھوا کر مسجد کی دیوار پر نصب کر دی جائے:

ہمارا رب اللہ ہے، ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے۔ امیر المؤمنین ولید نے اس مسجد کے بنانے اور اس کے اندر جو کنیسہ تھا اسے مہدم کرنے کا حکم ذی الحجہ ۱۵۶ھ میں دیا۔ کہتے ہیں اس مسجد کی تعمیر میں جو اخراجات

ہوئے تھے۔ ان کے حسبِ اٹھارہ اونٹوں پر لاد کر ولید کے محل میں پہنچائے گئے تاکہ وہ انکی تیقہ و توشیح کرے مگر خلیفہ نے انھیں بغیر دیکھے بھالے واپس کر دیا اور اجازت کی توشیح کرتے ہوئے کہا: ہم نے تعمیر کی یہ رسم اللہ کے لئے نکالی ہے اور ہمیں اس کے سوا اس سے کچھ مطلب نہیں۔" ساتھ ہی یہ بھی مشہور ہے کہ شہنشاہ روم کے سفیروں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ دمشق کی جو مسجد ولید نے بنوائی ہے اس کی زیارت کریں۔ جب وہ مسجد کے صحن سے گزر کر قیلے کے سامنے آئے تو انھوں نے اپنے سر اٹھائے۔ اس وقت ان کے سردار کا سر جھبک گیا اور چہرہ زرد پڑ گیا۔ اس کے ساتھ جو شخص تھا اس نے اس کا سبب پوچھا تو اسی نے کہا: ہم اہل روم کہا کرتے تھے کہ عربوں کی عمارتیں بہت تھوڑی ہیں لیکن جو کچھ انھوں نے بنایا ہے میں نے اسے دیکھا تو جان لیا کہ ان کا بھی ایک دور رہے گا۔ اور یہ اس دور تک پہنچ کر رہیں گے۔" اس کے بعد جب یہ قول عمر بن عبدالعزیز کے کانوں میں پہنچا تو انھوں نے کہا: میں دیکھتا ہوں کہ تمہاری یہ مسجد کفار کو غصے میں لے آتی ہے۔ پھر انھوں نے مسجد کے ان رنگین پتھروں کو جن سے بچی کاری کی گئی تھی اکھڑوانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

ولید کے جو کارنامے اس کے لئے سرمایہ مباحثات ہیں ان میں حرم نبوی کی اصلاح بھی ہے۔ اس نے اپنے عاقب مدینہ عمر بن عبدالعزیز کو حکم دیا کہ اندازِ مطہرات کے حجروں کو مسجد میں داخل کر لیں۔ اس طرح حرم شریف کا رقبہ دو سو ہاتھ مربع ہو گیا۔ ولید نے مسجد نبوی کی تعمیر کے لئے شہنشاہ روم کو معہ بھیجے کے لئے لکھا۔ اس نے چالیس کاریگر روم سے اور چالیس قبیلوں میں سے بھیجے چالیس ہزار مثقال سونا اور بہت سا نقش و رنگین

پتھر روانہ کیا۔ ان لوگوں نے بنیاد، دیواریں اور ستون پتھر سے بنائے اور مسجد کے کھمبوں اور سیسے کے ستونوں سے بھرے ہوئے پتھر سے تعمیر کیے۔ پھر مخراب اور مقصود ساکھو (ساج) کی لکڑی سے بنایا۔

**عادات و اطوار** ولید کو شعر و شاعری سے بہت محبت تھی، خود بھی شعر کہتا تھا اور اچھے گانوں سے خوش ہوتا تھا۔ اسی طرح اس کی بیوی ام البنین فصاحت و بلاغت، قوت استدلال اور دور بینی میں مشہور تھی۔ خلیفہ کے محل میں اس کا ایک خاص مرتبہ تھا۔ اور ولید اہم معاملات میں اس سے مشورہ لیا کرتا تھا۔

ولید خیر و خیرات کو بہت عزیز رکھتا تھا۔ یتیموں کے ختنے کروانا اور ان کے لئے معلم مقرر کرنا۔ مریضوں کی خدمت کیلئے تیمار دار مقرر کرنا اور نابیناؤں کو ہاتھ پکڑنے جانے کیلئے خادم معذور کرنا تھا۔ اس نے مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع کی، فقہاء، اصناف اور فقرا کے روزینے مقرر کئے اور لوگوں سے سوال کرنا ان کے لئے ممنوع قرار دیا ان کے لئے ایسے وظیفے منظور کئے جو ان کی ضرورتوں کے لئے کفایت کرتے تھے۔ اس نے تمام معاملات نہایت خوبی کیساتھ منظم کر دیئے تھے۔ ابن ابی عبیدہ کہتے ہیں: اللہ ولید پر رحم کرے۔ ولید کی شمال کہاں ملتی ہے؟ اس نے ہندوستان اور اندلس کو فتح کیا، دمشق کی مسجد بنوائی۔ وہ مجھے چاندی کے پیالے دیا کرتا تھا۔ جنہیں میں مسجد بیت المقدس کے قاریوں کو تقسیم کر دیتا تھا۔

**وفات** ۳۹۶ھ میں اس امری خلیفہ ولید بن عبد الملک نے وفات پائی جو بڑا سیر چشم، نیکو کار اور سخی تھا۔ فقرا و اہل حاجت پر نہایت مہربان تھا۔ اور جس نے حق و انصاف اور دین کا جھنڈا بلند کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے اور اس پر رحم کرنے والے پر بھی رحم کرے۔

# حضرت عمر بن عبد العزیز

(وفات ۱۰ھ)

عمر بن عبد العزیز سیرت میں تمام خلفائے بنی امیہ سے بہتر اور خصائل و عادات میں ان سب سے افضل تھے۔ اختیارات کے استعمال میں برائی سے بچنے زبان کو پاکیزہ رکھنے اور علم اسلام کو بلند رکھنے میں ان کا درجہ ان سب سے بڑھا ہوا تھا۔ ان کا عہد حکومت اموی دور میں نہایت درختاں و تابناک نظر آتا ہے۔ یہاں تک کہ مسلمانان کی خلافت کو ان کے عدل و زہد کے اعتبار سے حضرت عمر بن الخطاب کی خلافت سے تشبیہ دیتے ہیں۔

**ولادت** ان کی ولادت شہر حلوان میں ہوئی۔ جہاں ان کے والد عبد العزیز نے اپنی ولایت کے دفاتر منتقل کئے تھے۔ اور اسی مقام کو اپنا دار الحکومت بنایا تھا۔ ان کے والد اور والدہ دونوں بڑے نیک اور خوش حصال تھے۔ عبد العزیز شرافت اور نیاہتی کے علاوہ تقویٰ و پرہیزگاری کی صفات میں بھی بہت مشہور تھے اور ان کی بیوی ام عاصم جو عمر بن عبد العزیز کی والدہ تھیں عاصم بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں۔ یہ بھی بڑی خوش اخلاق اور نیک طبیعت تھیں۔ پاکبازی و خدا ترسی ان کی سیرت کے نمایاں اوصاف تھے۔

**تحصیل علم** عمر بن عبد العزیز نے قرآن مجید کم سن ہی میں حفظ کر لیا تھا۔ اس کے بعد ان کے والد نے طلب علم کے لئے مدینے بھیج دیا۔ وہاں

انھوں نے دینی علوم کی تحصیل کی اور فقیہہ کے درجہ تک پہنچ گئے۔ اس کے بعد روایت حدیث میں مشغول ہوئے پھر ادب اور شعر گوئی پر متوجہ ہوئے اس طرح علم میں ترقی کرتے کرتے اتنے متبحر عالم ہو گئے کہ ان کی نسبت یہ قول مشہور ہو گیا: دوسرے علماء عمر بن عبدالعزیز کے مقابلے میں تلامذہ کی حیثیت رکھتے تھے۔

**مدینہ کی ولایت** | عمر باپ کا انتقال ہونے تک مدینہ ہی میں رہے یہاں تک کہ عبدالملک بن مروان خلیفہ ہو گئے۔ عبدالملک نے اپنے بھتیجے (عمر) کو بلا بھیجا اور اپنی بیٹی ناظمہ سے ان کو بیاہ دیا۔ اس کے بعد عمر دمشق میں رہے۔ ۳۸ھ میں جب ولید کو خلافت ملی تو اس نے عمر کی صلاحیت اور کاردانی سے واقف ہو کر انھیں اسی سال مدینہ کا والی بنا دیا۔ اس ضمن میں انھوں نے مدینہ میں سات برس اس طرح گزارے کہ لوگ زہد و تقویٰ ہیں ان کی مثال کی پیروی کیا کرتے تھے۔

لیکن ان خوبیوں کے ساتھ ہی عمر بن عبدالعزیز میں ایک بات یہ بھی تھی کہ وہ اپنے مرتبے اور اصل و نسب سے بہت متاثر تھے۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں نے ان پر یہ اعتراض کیا ہے کہ وہ لوگوں میں ناز و نعمت کی زندگی بسر کرتے ہیں بڑا اہتمام کرتے تھے۔ اور ان کی رفتار میں تجنتر پاپا جانا تھا۔ غالباً اس کا باعث یہ ہو گا۔ کہ اس وقت لوگوں کے آغاز اور نوجوانی کی بے خبری کا زمانہ تھا۔ جب سن زیادہ ہوا اور امارت و خلافت نے ان کے شانے کو بوجھل کر دیا تو ان میں دنیا اور اس کی زینت کی طرف سے بے تعلقی اور زہد و تقویٰ کے اوصاف بڑھ گئے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اس خوش حال اور آرام و آسائش میں پلے ہوئے نوجوان نے دین کا دامن پکڑنے میں غفلت

**حق گوئی و حق پرستی**



ہیں کی اور مسلمان پر جو فرائض عائد ہوتے ہیں انھیں پورا کرنے میں کمی نہ کی۔  
ولید نے ارادہ کر لیا تھا کہ اپنے بھائی سلیمان کو ولید عہدی سے معزول کرے اور  
لوگوں سے اپنے بیٹے کے لئے بیعت لے۔ اس کی اس خواہش کو طوعاً و کرہاً  
پورا کرنے کیلئے بہت سے اثرات نے اس کی اطاعت کر لی مگر عمر بن عبدالعزیز  
نے ایک ایسے شخص کو معزول کرنے سے انکار کر دیا جس کے لئے پہلے بیعت  
کی جاچکی تھی۔ انھوں نے حق کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت  
کا ذرا خوف نہ کیا نہ خلیفہ کے عتاب کا کچھ خیال کیا۔ اور اپنے طریقے پر قائم رہی  
ان کے انکار کی وجہ سے ولید نے انھیں اتنا تنگ کیا کہ جان پر ہن گئی۔ اگر ہن  
امیہ میں سے بعض لوگوں نے سفارش نہ کی ہوتی تو ہلاکت کے قریب پہنچ  
چکے تھے۔ آخر ولید نے انھیں رہا کر دیا اور مدینے کی ولایت سے معزول کرنے  
پر اکتفا کی۔

اس کے بعد زمانے کا دور بدلا اور خلافت کی باگ سلیمان بن  
**ولی عہدی** عبد الملک کے ہاتھ میں آئی۔ سلیمان نے عمر بن عبدالعزیز کے اس  
پسندیدہ موقف کو فراموش نہ کیا جس پر وہ پہلے قائم رہ چکے تھے۔ جب سلیمان  
مرض الموت میں مبتلا ہوا۔ تو اس نے چاہا کہ اپنے لڑکوں میں سے کسی کے لئے  
بیعت لے۔ اس کے بعض دوستوں نے اس بات سے اسے منع کیا اور کہا:  
اے امیر المؤمنین خلیفہ کسی صالح شخص کو بہانے جس کی وجہ سے آپ  
تبریں محفوظ رہیں۔ سلیمان نے جواب دیا: میں خدا سے استخارہ کر دوں گا۔ پھر  
جانشین مقرر کروں گا۔ پھر سلیمان نے اسی شخص سے عمر بن عبدالعزیز کے متعلق

سہ مثل رجا بن حیوۃ جو سلیمان کے خواص میں تھے۔ (ادامہ)

مشورہ کیا تو اس نے عمر کی تعریف کی اور ان کی ولیعهدی کا مشورہ دیا۔  
 خلیفہ نے اسے قبول کیا اور عمر بن عبدالعزیز کے سابقہ رویے اور ان کے  
 حسن خلق اور اوصاف پسندیدہ کی وجہ سے ان کیلئے بیعت لینے میں کوئی تردد نہ کیا۔  
 عمر بن عبدالعزیز جس زمانے میں لڑکے ہی تھے۔ سواری کے ایک جالور  
 نے ان کی پیشانی زخمی کر دی۔ ان کے والد عمر کا خون پونچھتے جاتے تھے اور یہ کہتے  
 تھے: اگر بنی امیہ کے زخم خوردہ مرد اے شخص تم ہی ہو تو بڑے خوش نصیب  
 ہو حضرت عمر بن الخطاب کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ انھوں نے کہا  
 تھا کہ میری اولاد میں ایک ایسا شخص ہوگا جس کے چہرہ پر زخم کا نشان  
 ہوگا۔ وہ روئے زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ عمر بن عبدالعزیز  
 کی عدل میں بڑی شہرت تھی جہاں تک کہ ان کی نسبت یہ قول مشہور ہے:  
 اشج (جس کے سر پر زخم کا نشان ہو) اور ناقص (بنی مروان میں بڑے عادل تھے)  
 اشج تو یہی عمر بن عبدالعزیز ہیں اور ناقص سے یزید بن الولید بن عبدالملک مراد  
 ہے اسے ناقص کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ولید بن یزید بن عبدالملک نے اہل حجاز  
 کے جو عطیات بڑھا دیئے تھے۔ وہ یزید نے کم کر دیئے تھے۔

**خلافت** جب عمر بن عبدالعزیز کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی گئی اور ان  
 کے نام سے عہد نامہ پڑھا گیا۔ تو انھوں نے کہا: خدا کی قسم میں نے  
 اس بات کے لئے خدا سے کبھی درخواست نہیں کی تھی۔ پھر جب ان کے سابقہ  
 خلیفہ کی سواری کے گھوڑے لائے گئے تو انھوں نے انھیں لینے سے انکار  
 کر دیا اور کہا: مجھے میرا حق لادو" اس کے بعد گھوڑوں کا عملہ آیا اور ان لوگوں  
 نے گھوڑوں اور ان کے خادموں کے لئے چارے اور روزینے کا مطالبہ  
 کیا تو عمر نے کہا: انھیں حدودِ شام میں بھیجو جو لوگ ان کے خواہشمند ہوں

ان کے ہاتھ اکھین بیچ دیا جائے اور ان کی قیمت بیت المال میں جمع کر دی جائے۔ مجھے تو میرا یہ اشتہاب نخر کافی ہے۔

سلیمان بن عبد الملک کے حنازے میں شرکت کے بعد جب عمر اپنے گھر واپس آئے تو ان سے ان کے غلام نے کہا: کیا بات ہے میں آپ کو کچھ معنوم دیکھتا ہوں؟ انہوں نے: میں جیسی حالت میں ہوں اس میں تو معنوم ہی ہونا چاہیے۔ امت میں سے ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جس کو میں بغیر اس کی اطلاع اور مطالبے کے اس کا حق پہنچانا نہ چاہتا ہوں۔ پھر وہ مسجد میں گئے (منبر پر چڑھے) اور لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا: لوگو، بے شبہ قرآن کے بعد کوئی اور کتاب نہیں اور نہ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کوئی اور نبی ہوگا۔ آگاہ رہو کہ میں (اپنی رائے سے) کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں بلکہ رضا اور رسول کے احکام کا (نفاذ کرنے والا ہوں، میں کوئی نئی بات پیدا کرنے والا نہیں بلکہ متبع ہوں، میں تم میں سے کسی سے بہتر بھی نہیں البتہ تم سب سے زیادہ بوجھل ہوں۔ جو شخص ظالم حاکم سے بھاگے خطا کار نہیں، واضح رہے کہ اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو تو مخلوق کی اطاعت واجب نہیں رہتی۔

اس طریقے سے حضرت عمر بن عبد العزیز اپنے زہد و تقویٰ، ایمان باللہ اور کتاب و سنت رسول اللہ پر عمل کی صفات میں اپنے نانا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے بہت مشابہ تھے۔

انہوں نے اپنے دور میں بہت سی اصلاحات رائج کیں جو **اصلاحات** بیت المال سے زیادہ اسلام کی مصلحت کے لئے کھینچیں۔

میں سے جو شخص اسلام لاتا اس کا جزیہ معاف ہو جاتا۔ اسی سیاست کا اثر تھا کہ لوگوں کی توجہ اسلام پر پڑھ گئی۔ مگر بیت المال کی آمدنی میں نمایاں

کی ہو گئی۔ لوگوں کے بڑی تعداد میں مسلمان ہونے کی وجہ سے جزیہ کی وصولی میں نقصان ہوا تو بعض والیوں نے نو مسلموں پر سے جزیہ نہ لینے پر اعتراض کیا اور یہ تجویز پیش کی کہ ان کا جزیہ موقوف نہ کیا جائے۔ عمر بن عبدالعزیز نے ایمان کی شدت اور اشاعت دین کی حرص کی وجہ سے ان والیوں کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ اس کی دلیل میں ان کا وہ جوابی مکتوب کافی ہے۔ جو انھوں نے والی مصر کو لکھا تھا۔ والی مصر نے ان سے شکایت کی کہ اسلام سے جزیہ کی آمدنی کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ اجازت ہو تو نو مسلموں پر جزیہ فرض کر دیا جائے۔ اس کے جواب میں انھوں نے جو خط لکھا ہے (صفحات تاریخ میں) غیر فانی بن کر رہ گیا ہے۔ لکھتے ہیں: اللہ تمہاری رائے کو رسوا کرے۔ جو شخص اسلام لائے اس کا جزیہ ساقط کر دو۔ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہادی بنا کر بھیجا ہے انھیں خراج کا محصل نہیں بنایا ہے۔ میری جان کی قسم اگر تمام لوگ اس کے ہاتھ پر مسلمان ہو جائیں تب بھی عمر کا تقویٰ بڑھ کر رہے گا۔ یعنی جزیہ کی مد میں کچھ وصول نہ ہو تب بھی وہ خلاف شرع کوئی کام نہ کرے گا۔

**اشاعت اسلام** | حضرت عمر بن عبدالعزیز کی طرف سے اس امر خیر کا وقوع  
**کیلے جہد و جہد** | میں آنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ انھوں نے جو تحریک  
 اشاعت اسلام کے لئے جاری کی تھی اسے بڑی جرات  
 و بے باکی کے ساتھ پھیلایا۔ جن ملکوں کو عربوں نے فتح کیا تھا۔ وہاں کے باشندوں  
 کو اسلام قبول کرنے کے لئے ہر قسم کی ترغیب دی۔ یہاں تک کہ وہ ان لوگوں کو  
 مالی عطیات دیتے۔ ایک مناسب موقع پر انھوں نے ایک نصرانی قائد کو  
 تالیف قلب کے لئے ایک ہزار دینار دیئے تاکہ اس کے دل میں اسلام

قبول کرنے کی رغبت پیدا ہو جائے۔ اسی طرح انھوں نے ولایات کے  
عالموں کو حکم دیا تھا کہ وہ ذمیوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ یہ بھی مشہور  
ہے۔ کہ ان کے عامل حراسان جراح بن عبداللہ نے تقریباً چار ہزار اشخاص  
کو اسلام میں داخل کیا۔ اسی طرح ایک روایت یہ ہے کہ عمر بن عبدالعزیز  
نے لیونٹائن بادشاہ روم کو اسلام لانے کی دعوت دی تھی۔

عمر بن عبدالعزیز کی اس تبلیغی تحریک ہی کی بدولت ماوراء النہر کے لوگ  
بھی بکثرت مسلمان ہوئے۔ بہت سے امرائے سندھ نے بھی ان کی دعوت کو  
لبیک کہا۔ ان لوگوں کو عمر کی سیرت اور مذہب کے حالات معلوم ہو چکے تھے  
اس لئے داسر کا بیٹا حلشہ اور دوسرے ملوک اسلام لے آئے اور انھوں نے عربوں  
کے ایسے نام رکھے۔ جس وقت عمر نے اسماعیل بن عبداللہ کو بلا و مغرب کا والی  
مقرر کیا تو ان کے ساتھ دس فقہار و راہنہ کئے تاکہ بربر کے مسلمانوں کو ان کے دینی  
امور سمجھائیں۔ اس نئے والی نے بربروں کو اسلام کی طرف بلانے میں اتنی مستعدی  
دکھائی کہ ان میں سے ایک بھی ایسا باقی نہ رہا جو اس دین میں داخل نہ ہو گیا ہو۔  
عمر بن عبدالعزیز ذمیوں کے ساتھ پسندیدہ سلوک اور درگزر کرنے کے علاوہ  
خود جیسی پرہیزگاری اور خداترسی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اس کی شہرت کا اثر  
تھا کہ ایک نستوری معلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ متعظیم و تکریم  
کے الفاظ اذنانہ کیا کرتا اور یہی طریقہ خلقائے اولیٰ کا نام آتے وقت استعمال  
کرتا اور عمر بن عبدالعزیز کے لئے نزول رحمت کی دعا کرتا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز لوگوں کو دل سے محبوب تھے  
**اصول سیاست** ان کی سیاست مصالحت کی طرف مائل تھی۔ غور سے

دیکھئے تو اس میں تمام مشکلات کا حل نظر آتا ہے۔ اس میں سب کو متحد اور



عمر بن عبدالعزیز تہا درجہ کی تواضع، نرم دلی اور پرمیزگاری کی صفات سے متصف تھے۔ ان ہی وجوہ سے ان کے پایہ تخت میں جو متقیوں اور پرمیزگاروں سے بھرا ہوا تھا شہر کا کوئی حصہ نہ تھا انہوں نے بنی امیہ کے مقرر کئے ہوئے پہلے عمال کو ہٹا دیا اور جو لوگ مل سکتے تھے ان میں سے زیادہ سے زیادہ نیک چلن اشخاص کو مل بنایا۔ اسی لئے عمال نے بھی ان ہی کا طریقہ اختیار کیا۔

**لعن کی موقوفی** | عمر بن عبدالعزیز نے حضرت علی پر برسر منبر لعنت کرنے کا طریقہ موقوف کر دیا۔ ان سے پہلے بنو امیہ حضرت

علی پر سب و شتم کیا کرتے تھے اس معاملے میں عمر نے اپنے باپ عبدالعزیز کے طریقے پر عمل کیا جن کے متعلق منقول ہے کہ جب وہ حضرت علی کے ذکر پر آتے تو ہر کلمے کے بعد ایک بار (جب ان کے بیٹے عمر نے ان سے پوچھا آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو کہا: بیٹے تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم حضرت علی کے متعلق جو کچھ جانتے ہیں اگر عوام اس سے واقف ہو جائیں تو ہمیں جھوٹ کہ ان کے بیٹے کے پاس چلے جائیں۔ اس کے بعد جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو انہوں نے لعن کا طریقہ موقوف کر دیا اور اس کے بجائے خطبہ میں، اللہ تعالیٰ کا یہ قول رکھ دیا۔ ان اللہ بامر بالعدل والاحسان وابتداء ذی القربی وینہی عن الفحشاء والمنکر والبغی لیحفظکم لعلکم

(بقیہ نوٹ) جو بل غینت ہاتھ آئے ان کے اہل و عیال کو واپس کر دیا جائے (۳) قیدی اس وقت تک مقید رہیں جب تک راہ راست پر نہ آجائیں۔ چنانچہ عبدالحمید والی کوفہ نے ان پابندیوں کے ساتھ خوارزم پر حملہ کیا۔ لیکن شکست کھائی۔ پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مسلم بن عبدالملک کو روانہ کیا، انہوں نے چند دنوں میں قابو حاصل کر لیا۔ (از تالیفین ص ۳۷۹) (ادارہ)

تقویٰ کے ساتھ رہنا۔ بیشک اللہ عزوجل و احسان کا اور اقربائے سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے، بے حیائی اور گنہ سے منع فرماتا ہے، وہ تمہیں اس لئے نصیحت کرتا ہے کہ شاید تم عبرت حاصل کرو۔

**عوام کے لئے ایثار** | حضرت عمر بن عبدالعزیز کا زہد اس درجے تک پہنچ گیا تھا کہ عوام کی مصالحت کو خواص کی مصالحت پر ترجیح دیتے تھے۔ روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی فاطمہ بنت عبدالملک سے جس کے پاس ان کے باپ کا دلویا ہوا ایک بے مثال جوہر تھا کہا: ان دو باتوں میں سے ایک بات کو اختیار کرو۔ یا تو اپنا یہ زیور بیت المال کو واپس کر دو یا مجھے اجازت دو کہ میں تم سے جدا ہو جاؤں۔ کیونکہ مجھے اس بات سے نفرت ہے کہ میں، تم اور وہ جوہر ایک ہی گھر میں رہیں۔ بیوی نے جواب دیا: نہیں، میں اس جوہر پر بہکے اس سے بھی کئی گنی زیادہ قیمتی چیزوں پر آپ کو ترجیح دیتی ہوں۔ پچھتا پچھتا وہ جوہر عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے بیت المال میں رکھ دیا گیا۔ جب انکا انتقال ہوا اور یزید بن عبدالملک خلیفہ ہوا تو اس نے اپنی بہن فاطمہ سے کہا: تم چاہو تو میں وہ جوہر تمہیں واپس کر دوں: فاطمہ بنت عبدالملک نے جواب دیا کہ بخدا میں نے ان کی زندگی میں اس سے اپنا دل خوش نہ کیا تو ان کی موت کے بعد بھی اسے واپس نہ لوں گی۔

**زاہدانہ زندگی** | خلافت سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیز کا لباس ایک ہزار دینار میں خریدا جاتا تھا جب وہ لے پنتے تو انہیں بدن پر کھروما محسوس ہوتا اور اسے پسند نہ کرنے۔ پھر جب خلیفہ ہوئے تو دس درہم کی قمیص خریدی جانے لگی اور وہ اسی کو پہن کر آرام محسوس کرتے۔



عمر بن عبدالعزیز کا زمانہ خلافت مختصر ہونے کے باوجود خلفائے  
 بنی امیہ کے زمانوں میں سب سے بہتر تھا۔ یہاں تک کہ اس عہد کو بعض مورخین  
 نے خلفائے راشدین کا بلکہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے عہد تک کا  
 تتمہ قرار دیا ہے۔ لوگوں کا قول ہے: خلفائے تین تھے، حضرت ابوبکرؓ، حضرت  
 عمر اور عمر بن عبدالعزیز، اگرچہ ان کی مدت خلافت دو سال پانچ مہینے سے  
 زیادہ نہیں ہوئی تاہم اس نے تاریخ اسلام اور تاریخ دولت بنی امیہ  
 میں ایک باوقعت صفحے کا افتتاح کیا۔

انہوں نے ماہ رجب ۱۰۱ھ میں وفات پائی۔ اگر دولت عباسیہ کے  
 قیام کے بعد خلفائے بنی امیہ کی قبریں گھوڑوں والی گئیں اور عمر بن عبدالعزیز  
 کی قبر محفوظ رہی تو کوئی تعجب کا مقام نہیں کیونکہ بکثرت لوگ انہیں  
 عزت و عظمت کی نظر سے دیکھتے تھے۔

## طارق بن زیاد

طارق بن زیاد کی سیرت ہماری نگاہوں میں اسلام کی رواداری، عدل و انصاف اور مساوات کا نقشہ کھینچ دیتی ہے اور یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ اسلام نے تمام مسلمانوں کو مساوی کر دیا تھا۔ عرب ہوں یا عجمی اس کی نظر میں سب برابر تھے۔ یہاں تک کہ بہت سے آزاد کئے ہوئے غلاموں نے جنھیں موالی کہا جاتا ہے اسلامی افواج کی قیادت کی، بڑے بڑے مناصب پر فائز ہوئے اور اسلام کی نشر و اشاعت اور اس کی سر بلندی کے لئے بڑے کام کئے۔

**نام و نسب** | طارق اپنی موالی میں سے ہیں جنھیں اسلامی فتوحات میں ایک امتیازی شان حاصل رہی ہے۔ عجیب بات ہے کہ مورخین اور سیرت نگار اشخاص کے درمیان اس بے نظیر اور مشہور فاتح شخص کے نسب پر اختلاف ہے۔ بعضوں کا بیان ہے کہ طارق اصلاً بربرمی تھے اور افریقہ کے بربروں میں قبیلہ نغزادہ سے منسوب تھے۔ یہ وہی علاقہ ہے جسے آج کل تونس کہا جاتا ہے۔ ایک اور روایت کے مطابق انھیں قبیلہ زتانہ سے نسبت تھی۔ بعض کے نزدیک یہ شہر مہنان (سہلان) کے ایرانی موالی ہیں سے تھے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کا نام طارق بن عمرو ہے۔ طارق بن زیاد نہیں لیکن اتنی بات

میں کسی کو شبہ نہیں کہ یہ موسیٰ بن نصیر کے مولیٰ رآزادہ اور وہ تھے۔ موسیٰ کو ان پر بڑا اعتماد تھا۔ انھوں نے طارق کو اپنا مقرب بنا لیا تھا اور جب موسیٰ کو شہرہ میں خلیفہ ولید بن عبد الملک کی طرف سے افریقہ کی ولایت تفویض ہوئی تو انھوں نے طارق کو بعض لشکروں کا امیر مقرر کیا۔ پھر جب وہ مصر سے نکل کر افریقہ پہنچے تو خلیفہ نے ایک لشکر اور موسیٰ کے پاس بھیج دیا۔ موسیٰ نے اس کا سردار طارق بن زیاد کو بنا دیا۔

**فتوحات** | یہ دونوں قائد بربر لوگوں سے لڑتے، امویوں کا اقتدار بڑھاتے اور اس ملک کے علاقوں میں اسلام پھیلاتے

رہے۔ یہاں تک کہ یہ طنجہ پہنچے جو بربر لوگوں کا صدر مقام اور ان کے شہروں کی ناک تھا۔ انھوں نے اس کا محاصرہ کر لیا اور طنجہ کے مفتوح ہونے کے بعد وہاں کے باشندے اسلام لے آئے۔

اس طرح موسیٰ اور طارق ملک مغرب کا پورا علاقہ مسخر کرنے میں کامیاب ہو گئے اور ان کی مدد میں سبتہ کے مضبوط قلعوں کے سوا کوئی شے حاصل نہ ہوئی۔ یہ قلعے آبنائے کی گزر گاہ پر واقع تھے اور بحر روم کے دوسرے جنوبی ملکوں کی طرح یہ بھی شہنشاہ روم کے زیر نگیں تھے لیکن قسطنطنیہ سے دور ہونے کی وجہ سے انھیں اپنی معاشی ضروریات کے لئے حکومت ہسپانیہ کا منہ دیکھنا پڑتا تھا۔ اس اعتبار سے سبتہ حکومت کے لحاظ سے رومیوں کا تابع تھا لیکن حمایت اور مدد منت و غیرہ کے اعتبار سے درحقیقت بادشاہ طلب سے منسوب تھا۔ مگر اسپینی حکومت کی امداد سبتہ کے لئے کافی نہ تھی اور عرب فاختوں کا بڑھنا ہوا سیلاب اس کے روکے رک نہ سکتا تھا۔ جن کی فتوحات کا دائرہ مشرق میں چین کے شہروں سے لے کر مغرب میں برقل رقیص کے

علاقوں یعنی بحر اطلس کے سوا حل تک پھیل چکا تھا اور وہ ہر نقل کو الجھنوں میں مبتلا دیکھ کر اسپین کی دلائیتوں پر نظر ڈال رہے تھے۔

قوطیوں کے عہد میں | قوطیوں کا تھ قوم کے لوگوں کے آخری دور میں اسپین مصائب و بد بختی میں مبتلا ہو گیا تھا۔ متوسط طبقہ محصولوں کے بوجھ

سے دبا جا رہا تھا جنہیں لوگ دردت مندوں اور وہینی پشوراؤں کے لئے جمع کرنے پر مجبور تھے۔ امور حکومت میں ان لوگوں کا اثر و نفوذ بہت کم پایا تھا۔ وہاں کے یہودی جب بہت تنگ ہوئے تو انہوں نے کئی مرتبہ بغاوت کی آگ بھڑکانے کی کوشش کی۔ ادھر غلاموں کا اونے طبقہ ہمیشہ کے لئے معمولوں کی زمینیں جوتنے کے لئے وقف ہو گیا۔ دبار الگ پھیل گئی تھی جس میں اسپین کے نصف سے زیادہ باشندے موت کے گھاٹ اتر گئے۔

جس زمانے میں شمالی افریقہ کے لوگ عربوں کی حکومت اور ان کے عدل و انصاف کی وجہ سے امن چین کی زندگی گزار رہے تھے۔ عین اسی زمانے میں اندلس کے لوگ اس مہم کی تنگیوں اور بے چینیوں کا شکار بنے ہوئے تھے۔ اس لئے اگر اہل اسپین نے عموماً اور یہودیوں اور غلاموں نے خصوصاً قوطیوں کے پنجہ استبداد سے نجات پانے کی تمنا کی ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

پہلے اسپین کا تخت نشین وٹیکا تھا جسے عرب غنیمتہ | **لوڈریک** کے نام سے موسوم کرتے ہیں لیکن یہ جلد ہی معزول ہو گیا اور اخیلا اس کا جانشین ہوا۔ یہ بھی امرار قوط اور اکابر کنیہ کے ہاتھوں اسی سال تخت سے اتار دیا گیا۔ اب ان لوگوں نے اخیلا کی جگہ قوطی لشکر

کے سپہ سالار رڈریک کو دی جو عربوں میں لذریق کے نام سے مشہور ہے  
 لیکن یہ نیا بادشاہ جلد ہی نفسانی خواہشوں کا شکار بن کر عیش پرستی میں  
 پڑ گیا۔ اس نے لوگوں کے دل اس سے متنفر ہو گئے۔ اس طرح اخیلا کی  
 جماعت کے لئے راستہ ہموار ہو گیا جو بھر تخت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ جولیان  
 و جولین، جو توٹیوں کی طرف سے سبتہ کا حاکم تھا وہ بھی اس جماعت  
 سے مل گیا۔ بادشاہ سے اس کی عداوت کا سبب یہ تھا کہ اس نے جولیان  
 کی بیٹی سے بدسلوکی کی تھی۔ اس سے جل کر یہ سازشیوں سے جا ملا اور  
 رڈریک سے انتقام لینے کی کھٹان لی۔ اسے اپنی اغراض پوری کرنے اور  
 انتقام کی پیاس بجھانے کا بہترین ذریعہ شمالی افریقہ کے بربری اور عرب نظر آئے  
 اسی مقصد سے جولیان نے موسیٰ بن نصیر سے ملاقات کی اور ان سے  
 بیان کیا کہ اندلس کی حالت بہت کمزور ہے اور وہاں کے لوگوں میں دلیری  
 قوت کی کمی ہے ساتھ ہی وعدہ کیا کہ وہ مسلمانوں سے آئے گا اور لڑائیوں پر  
 ان کی امداد کرے گا لیکن موسیٰ کو اسپرٹینا نہ ہوا اور اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ مسلمانوں  
 کی افواج کو دھوکہ دینا نہ چاہتا ہو لیکن جولیان نے اپنی خیر خواہی اور سچائی ثابت  
 کرنے کا عزم کر لیا تھا اس لئے اسپین کے جنوبی علاقے جزیرۃ الحضر اور پر حملہ کر دیا

جزیرۃ الحضر پر جولیان کے حملہ کرنے کی تصدیق اور تاریخوں سے نہیں ہوتی۔ اندلس میں مسلمانوں نے جزیرۃ اندلس فتح کیا جسے جزیرہ طریف بھی کہا جاتا ہے اس کا حال خود مولف نے آئندہ سطور میں بیان کیا ہے۔ بہر حال جزیرۃ الحضر جبل الطارق کے پاس ایک چھوٹا سا شہر ہے جہاں موسیٰ بن نصیر  
 اول اول افریقہ سے اترے تھے جبل الطارق سے اس کا فاصلہ تقریباً ۱۲ میل ہے۔

(سفر نامہ اندلس باسٹرونی محمد ص ۶۹)

اور اموالِ غنیمت سے لدا پھندا واپس ہوا۔ اس طرح مسلمانوں کو اطمینان ہوا اور وہ اس پر اطمینان کرنے لگے۔

**ابتدائی فتوحات** | اس معاملہ میں موسیٰ نے خلیفہ ولید کی طرف رجوع کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا جس نے اول

تزو کیا اور پھر موسیٰ کو اس طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔ موسیٰ نے طریف بن مالک کو روانہ کیا جو بربروں میں سے تھا اور جزیرہ طریف جہاں اس نے پڑاؤ ڈالا اسی کے نام سے موسوم ہے۔ اس شخص نے پانچ سو سپاہیوں کے ساتھ جو لیاں کے چار چھاروں میں سمندر کو عبور کیا اور اس کی مدد سے جنوبی اسپین کی بعض سرحدوں پر حملہ کیا۔ اس کا اطمینان کرنے کے بعد کہ اہل اسپین میں ملامت کے ذرائع موجود نہیں ہیں، بہت سے اموالِ غنیمت ساتھ لے ہوئے فاتحانہ شان سے واپس ہوا۔

**طارق کا حملہ** | اس معرکے میں طریف کی کامیابی نے موسیٰ بن نصیر کے حوصلے بڑھا دیئے اور ان میں فتح اسپین کا غم پیدا ہو گیا۔ انھوں نے یہ زبردست ہم لپنے مولیٰ طارق بن زیاد کے سپرد کی جو ان کے لشکر کا سپہ سالار اور طنجبہ کا حاکم تھا۔ موسیٰ نے اس کا اندازہ اچھی طرح لگایا تھا کہ طارق کے اندر غم کی پختگی، اور خودواری و غیرت مندی و بہادری کے جوہر موجود ہیں۔ اس کے علاوہ قوتِ بیان، تاثیرِ کلام اور جہاد کی مخلصانیت کی صفات سے بھی آراستہ ہے۔ جس شخص کی یہ شان ہو اور سیرت و کردار کے لحاظ سے اتنا ممتاز و مشہور ہو وہی اس لائق ہو سکتا ہے کہ اتنی بڑی ہم سر انجام دے۔ پھر طارق افریقہ کے بربروں میں سے تھا اور اس کے تمام سپاہی بھی بربری تھے۔ اس میں اتنی قدرت پائی جاتی تھی کہ ان کے

دلوں میں گھر کرے اور دلوں پر اثر انداز ہو کر جد ہر چاہے کامیابی کے ساتھ  
ان کا رخ پھیر دے۔ وہ انہیں مقصد و رمی و کامیابی کی راہ پر ڈال کر ان  
سے بخوبی کام لے سکتا تھا۔

چنانچہ ماہ شعبان ۹۲ھ میں طارق نے جو لیان کے مہیا کئے ہوئے چار  
جہازوں میں اپنے سات ہزار سپاہیوں کے ساتھ سمندر کا سفر شروع کیا۔ اتنا  
راہ میں طارق کشتی پر بیٹھا ہوا عجائبات عالم پر عجز کر رہا تھا اور دل سے اللہ  
کی طرف متوجہ ہو کر آسمان کی طرف نظریں جانے ہوئے خدا سے امداد کی  
دعا کر رہا تھا۔ اس وقت لے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا آئے اور آپ  
کی ان تمام مشقتوں اور تکلیفوں کا خیال آیا جو حضور نے اشاعت اسلام کے  
لئے اٹھائی تھیں۔ اسی حالت میں آنکھ لگ گئی اور اس نے خواب میں  
دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہیں اور آپ کے ارد گرد وہا جرین  
اور انصار ہیں جو تلواروں کے پرتلے گلے میں اور کمانیں شانوں پر ڈالے  
ہوئے ہیں۔ آپ طارق سے فرما رہے ہیں: لے طارق! اپنی مہم میں بڑھے  
جاؤ! پھر اس نے آپ کو اور آپ کے صحابہ کو دیکھا کہ وہ اس کے سامنے اندلس  
میں داخل ہو گئے۔ اس بشارت کی خوشی سے طارق کی آنکھ کھل گئی  
اور دل قوی ہو گیا۔ اب اسے فتح نصیب ہونے میں کوئی شک نہ رہا۔  
جو شخص بھی اپنے دین میں مخلص اور عقیدہ میں مضبوط ہو اس کی  
یہی شان ہوتی ہے۔ ایسے لوگ اپنا مقصد پورا کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا  
نہیں رکھتے اور ان کی تمنا پوری ہو کر رہتی ہے۔

ہاں طارق اور اس کے سپاہیوں کی یہی حالت تھی جو ایک سیسہ پلائی

دیوار کی طرح ایک دوسرے کی اعانت میں ثابت قدم تھے۔ جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ جہاز جزیرۃ الخضر کے مقابل لنگر انداز ہوئے اور مسلمان اس مقام پر اترے جو جزیرۃ اسپین میں البجیرہ کے نام سے مشہور ہے تو اسپین کا بادشاہ لذریق تیزی کے ساتھ جنوب کی طرف بڑھا۔ وہ اس زمانے میں شمالی اسپانیہ کے مقام بلبونہ میں اخیلا کی شورش دفعہ کرنے میں مشغول تھا۔ مسلمانوں کی فوج کشتی کی خبر سنتے ہی اپنے ملک کے بچاؤ کے لئے چل کھڑا ہوا اور ایک شکر جزائر جمع کیا جو ستر ہزار اور بقول بعض ایک لاکھ سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ لیکن کامل ساز و سامان اور اسلحہ و سپاہ سے ایسی آراستہ اور کثیر التعداد فوج بھی طارق کو اس کے غم سے باز نہ رکھ سکی نہ اس کے ایمان میں کوئی کمزوری پیدا ہوئی۔ اس نے بڑھ بڑھ کے اندلس کے شہر اور قلعے فتح کرنے شروع کر دیئے۔ کہتے ہیں جزیرۃ الخضر کے لوگوں کی ایک بوڑھی عورت مسلمانوں کے ہاتھ پڑ گئی۔ جب اس بڑھیا کی نظر طارق پر پڑی تو اس نے کہا: میرا شوہر حوادثِ عالم کا عالم تھا۔ وہ لوگوں سے ایک امیر کا ذکر کیا کرتا تھا جو ان کے شہر میں داخل ہو کر اس پر غالب آئے گا۔ اس نے اس امیر کی صفت میں بیان کیا تھا کہ وہ یحیم و شحیم جسم والا ہو گا تم بھی ایسے ہی ہو۔ اور ایک نشان یہ بھی بیان کیا تھا کہ اس کے بائیں شانے پر تل ہو گا جس پر بال ہونگے اگر تم میں یہ نشانی پائی جاتی ہے تو وہ شخص کہتیں ہو۔ طارق نے اپنا کپڑا اٹھایا تو اس کے شانے پر جیسا تل بڑھیا نے بتایا تھا ویسا ہی موجود تھا۔ اس بات سے طارق اور اس کے ساتھیوں کو خوشی ہوئی۔



اس کے بعد طارق نے موسیٰ بن نصیر کے پاس قاصد بھیج کر مدد مانگی تاکہ  
 لذریق کے لشکر کے مقابلے میں ٹھہر سکے۔ موسیٰ نے پانچ ہزار سپاہی ملک کے لئے  
 بھیج دیئے۔ اس طرح طارق کے لشکریوں کی تعداد بارہ ہزار ہو گئی۔ جس وقت  
 مسلمانوں کو لذریق کے عظیم الشان لشکر کے قریب آنے کا حال معلوم ہوا  
 تو ان میں خوف اور اندیشہ پیدا ہو گیا مگر طارق پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا بلکہ اسکی  
 دلاوری اور بہادری اور ترقی کر گئی۔ اس نے اپنے ساتھیوں میں کھڑے ہو کر  
 پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی پھر ایک پر جوش تقریر کی جس میں انھیں  
 جہاد کرنے اور صبر و استقلال اختیار کرنے کی نصیحت کر کے خوش آئند امیدیں  
 دلائیں اور خوشخبری دی کہ تم لوگ عنقریب ملکوں کے فاتح بنو گے، اموال  
 غنیمت حاصل کرو گے اور دنیا و آخرت کی نعمتوں سے مالا مال ہو جاؤ گے۔

طارق نے اس موقع پر کہا۔

لوگو! تمہیں سوچو تمہیں اس جنگ سے کہاں  
 مضر ہے؟ سمندر تمہارے پیچھے ہے اور دشمن  
 تمہارے آگے۔ خدا کی قسم اس وقت صبر اور سچائی

طارق کی

معرکہ الاراء تقریر

کے سوا تمہارے لئے کوئی صورت نہیں۔ یہ سمجھ لو کہ یہاں تمہاری حالت ان  
 پتھروں سے زیادہ تباہ ہے جو کھجور سوس کی دعوت میں بلائے جاتے ہیں۔ یمن  
 اپنی فوج اور ہتھیاروں کے ساتھ سامنے آہنچا ہے۔ اس کے یہاں خوراک اور  
 رسد بکثرت ہے اور تمہارے پاس تمہاری تلواروں کے سوا کچھ نہیں۔ تمہارا  
 سامان خوراک تو وہی ہے جو تم اپنے دشمنوں کے ہاتھ سے چھینو گے۔ اگر تم نے  
 اس احتیاج کے عالم میں زیادہ دن گزارے اور کوئی کامیابی حاصل نہ کی تو  
 تمہاری سوا اکھڑ جائے گی۔ لوگوں کے دل تم سے مرعوب ہونے کی بجائے

تمہارے خلاف جرات پیدا کر لیں گے۔ اس لئے اس باغی سے لڑ کر اپنے سر  
 سے لیے انجام کی رسوائی کا بوجھ اتار پھینکو۔ اس کے ذریعے اس کا مضبوط  
 شہر تمہارے قدموں پر ڈال دیا گیا ہے۔ اس موقع پر اگر تم اپنی جانیں  
 نثار کرنے پر راضی ہو گئے تو اس پر قابو پانے کا امکان ہے۔ یاد رکھو میں  
 تمہیں کسی ایسے خطرے سے نہیں ڈرا رہا ہوں جس سے میں خود محفوظ ہوں۔ میں  
 نے تمہیں ایسی زمین پر حملہ کرنے کا مادہ نہیں کیا ہے جہاں جانیں بہت زیادہ  
 ارزاں ہیں۔ حملہ کا آغاز میں خود اپنی ذات سے کرونگا۔ تمہیں معلوم رہے  
 کہ اگر اس موقع پر تم نے تھوڑی سی سختی پر صبر کر لیا تو مدتوں خوش حالی سے  
 لطف اٹھاؤ گے۔ اس جزیرے میں یونان کی لڑکیوں کی ایسی حسین اور  
 خوب رو عورتیں پیدا ہوتی ہیں اور موتیوں اور مونگوں سے اور زر یعنی  
 لباسوں سے جس طرح آراستہ رہتی ہیں اور تا عبد بادشاہوں کے محلات  
 کی زینت بنی ہوتی ہیں تم نے ان کا حال سنا ہو گا۔ امیر المؤمنین ولید بن  
 عبد الملک نے تمہیں ان مہ جینیوں کا برا انتخاب کیا ہے اور وہ اس بات پر  
 رضامند ہیں کہ اس جزیرے کے بادشاہوں سے تمہارے کسریٰ رشتے قائم  
 ہوں اس لئے کہ وہ تمہاری جنگجوئی پر بھروسہ کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ  
 تم بہادروں اور شہسواروں کے ساتھ کیسی جوانمردی سے لڑتے ہو۔ اس مہم  
 سے ان کا مقصد یہ ہے کہ اس جزیرے میں اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو بلند اور اس کے  
 دین کو غالب کرنے کا ثواب تمہاری طرف سے ان کے حصے میں آئے اور اسکے  
 اموال غنیمت خالص تمہارے لئے رہیں جن میں ان کا اور تمہارے سوا اور نہیں  
 کا کوئی حصہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ایسی بات میں جو دونوں جہان میں تمہاری یادگاہ  
 بن جائے تمہاری مشکلات میں تمہارا کنیل و کار ساز ہو۔ میں تمہیں جس بات

کی طرف بلا رہا ہوں تم پر واضح رہے کہ سب سے پہلے میں اس کی طرف قدم بڑھاؤں گا  
 میں اس وقت دونوں جاعنتوں کے مقام اتصال پر کھڑا ہوں۔ اس قوم کے باغی  
 لذریق پر میں خود گلہ کروں گا اور انشاء اللہ تنائے اسے قتل کروں گا۔ اس لئے  
 میرے ساتھ تم بھی حملہ کرو۔ اگر میں اس معرکے میں لذریق کو ہلاک کرنے کے بعد  
 کام آجاؤں تو تمہاری طرف سے اس کا کام تمام کر چکوں گا پھر تم جس عاقل و  
 بہادر شخص کو اپنے معاملات سپرد کرو گے لذریق کے لئے اس کی احتیاج نہ  
 رہے گی۔ اور اگر اس تک پہنچنے سے پہلے ہی ختم ہو جاؤں تو میری اس  
 ہم میں کسی کو میرا جانشین بنا لینا اور سب مل کر اس پر حملہ کرنا اور اس کو  
 قتل کر کے اس جزیرے کی فتح مکمل کر لینا۔ کیونکہ لذریق کے بجاریہ سب نے لیل  
 و مغلوب ہو جائیں گے۔

طارق کے لشکریوں اور معاونوں کے دل پر اس کے اس بلیغ خطبہ کا طر  
 گہرا اثر پڑا۔ ان کی حمیت اور بہادری میں ایک دم جوش پیدا ہو گیا، اور انھیں  
 یقین ہو گیا کہ اگر وہ اس کی نصیحت پر عمل کریں گے تو دشمن پر غالب آ جائیں  
 گے، اپنے راستے کے تمام کانٹے صاف کر دیں گے اور طارق کے ذریعے انکی  
 امیدیں پوری ہوں گی۔ انھیں طارق جیسے سپہ سالار پر پورا بھروسہ تھا  
 اور اس سے انھوں نے اپنی ساری توقعات وابستہ کر رکھی تھیں اس لئے  
 مخاطب کر کے ایجاب رگی پورے جوش کے ساتھ بلند آواز سے کہا: ہم آپ کے  
 سامنے حاضر ہیں اور آپ کے ساتھ ہیں۔

دوسرے دن جب صبح ہوئی تو لذریق جنگ  
 کے میدان کی طرف روانہ ہوا۔ اس کا تخت  
 سواری کے دو جانوروں پر کسا ہوا تھا۔

واوی لکھ کی جنگ اور  
 لذریق کا خاتمہ

وہ اس پر بیٹھا تھا۔ اس کے سر پہ یا قوت از بر جدا اور موتیوں سے مرصع چتر  
 سایہ فگن تھا۔ آس پاس علم اور بڑے بڑے جھنڈے تھے۔ سامنے ان غلاموں  
 اور ضعیفوں کا جھرمٹ تھا جن میں نظم و ترتیب اور اخلاص کی کمی تھی  
 دوسری طرف سے طارق بڑھا جسے اس کے ساکتی خلوص و خیر خواہی سے  
 بھرے ہوئے دلوں کے ساتھ احاطہ کئے ہوئے تھے۔ ان کے جسموں پر زینیں  
 اور سروں پر سفید عمامے تھے۔ ہاتھوں میں عربی کمانیں لئے ہوئے تلواریں  
 سونتے ہوئے اور نیزے سیرھے کئے ہوئے بڑھ رہے تھے۔ لذریق کے  
 لشکر سے طارق کے لشکر کا مقابلہ وادی لکھ کے قریب ہوا جس کو خوب  
 وادی بکھ کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور اس کا پانی نرا اس طرف لالہ  
 (رٹانلگر) کے پاس والی آبنائے میں گرتا ہے۔ طارق اور اس کی سپاہ  
 نے دشمن پر حملہ کرنا شروع کیا۔ اسی اثناء میں طارق خود لذریق پر لوٹ  
 پڑا اور لے تلواروں کے وار سے قتل کر دیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ  
 لذریق زخمی ہو گیا تو اس نے اپنے آپ کو دریائے وادی لکھ میں لٹال دیا  
 جس میں وہ ڈوب گیا۔ وریا کا پانی اس کی لاش کو بہا کر سمندر میں لے گیا  
 اس طرح اس کا بھید آج تک نہ کھلا۔ لذریق کے لشکر کو شکست ہوئی اور  
 فوج کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔

اس موقع پر جن باتوں سے مسلمانوں کو فتح حاصل کرنے میں مددوار ان  
 میں سے ایک غنیمتہ کے بیٹوں کا طارق سے آمننا بھی ہے۔ یہ لوگ لذریق سے  
 اس لئے چلتے تھے کہ اس نے ان کے باپ کے مرنے کے بعد اندلس کا تخت  
 ان سے غصب کر لیا تھا۔ جب دونوں طرف مذاکے لشکر آمنے سامنے ہوئے  
 تو غنیمتہ کے بیٹوں نے لذریق سے غداری کی بھائی اور طارق سے اس

عہد و پیمانوں کے ساتھ امان مانگی کہ جب مقابلہ شروع ہو گا تو وہ اپنے ساتھیوں کو لئے ہوتے طارق کی فوج میں آئیں گے۔ اس کے بعد جب طارق فتحیاب ہو تو وہ اندلس میں ان کے باپ کی چھوڑی ہوئی پوری اراضی ان کے حوالے کر دے گا۔ غیٹشہ کی چھوڑی ہوئی تین ہزار منتخب زمینیں کھتیں جو بعد میں 'صفایا الملوک' کے نام سے موسوم ہوئیں۔ اسی طرح جو لیان بھی لذریق کے لشکر میں سے بہت سے سپاہ کو طارق کی طرف لانے میں کامیاب ہو گیا اور یہ بات بھی عربوں کا پتہ بھاری ہونے اور لذریق کے لشکر میں پراگندگی پیدا کرنے کا ایک سبب بن گئی۔

وادی لکہ میں مسلمانوں کو جو کامیابی نصیب ہوئی اس سے پورا اپنی مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا۔ بعض شہروں میں جو چھوڑی بہت مدافعت یا مزاحمت کی گئی اس کا خاتمہ کرنے کے لئے طارق کو ذرا سی جدوجہد کی بھی ضرورت نہ پڑی۔ دشمنوں کی شکست کسی ایک مقام پر موقوف نہ تھی بلکہ وہ شہر کے شہر اور قلعے کے قلعے مسلمانوں کے حوالے کرتے جا رہے تھے۔

طارق نے جو فتح حاصل کی تھی اور جیسے

### اسپین میں موسیٰ کا داخلہ

جیسے اموالِ غنیمت پر قبضہ کیا تھا اسکے

حالات سے موسیٰ کو مطلع کیا۔ موسیٰ کو رشک و حسد نے ستایا اور اس نے چاہا کہ فتح اندلس کا شرف خود سے حاصل ہو اور اموالِ غنیمت میں اسے حصہ ملے اس لئے اس نے طارق کو حکم بھیجا کہ اپنی جگہ سے آگے نہ بڑھو یہاں تک کہ ہم تم سے آئیں۔ پھر موسیٰ نے اپنے بیٹے عبدالمد کو اپنی جگہ قیروان کا حاکم مقرر کیا اور ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ ساتھ وہیں کوچ کیا۔

لیکن طارق نے اپنے لشکر کے سرداروں سے مشورہ کرنے کے بعد یہ

کہ اس موقع پر لڑائی موقوف کرنا مسلمانوں کو خطرے میں ڈال دینا ہے اس طرح قوطیوں کو اپنی منتشر قوتیں جمع کرنے اور متحد ہو جانے کا موقع مل جائے گا اس لئے طارق نے اسپین کے شہروں پر حملہ شروع کر دیا۔ اس لئے اپنی افواج کو تین حصوں میں تقسیم کر کے انھیں جزیرہ نما میں پھیلا دیا۔ یہ فوجیں اپنے سامنے کی اسپینی فوجوں کا تعاقب کرتی رہیں۔ یہاں تک کہ اسپین کے شمال مغرب میں جلیقیہ تک پہنچ گئیں۔

اس کے بعد موسیٰ بن نصیر آ پہنچا اور

## موسیٰ کی فتوحات

اس کی فتوحات مشرق میں برشلونہ

تک وسط میں اربونہ تک، جنوب مغرب میں تاوس تک اور شمال مشرق میں جلیقیہ تک پہنچ گئیں۔ موسیٰ کی ملاقات طارق سے ضلع طلبیرہ کے ایک مقام پر ہوئی۔ موسیٰ نے طارق کی بے قدری کی۔ دل میں اس کے خلاف جو کینہ اور غصہ چھپا ہوا تھا اس کا اظہار کر دیا۔ یہاں تک کہ لے کوڑے سے مارا اور اپنی رائے کے خلاف عمل کرنے پر ڈانٹ ڈپٹ کر کے ان امرا، و نفاٹس کا مطالبہ کیا جن پر طارق قابض تھا اور اس کے بعد اسے قید کر دیا۔ طارق نے اپنی جدوجہد سے جو فتوحات حاصل کی تھیں اور حبسی شاندار کامیابی سے ہم کنار ہوا تھا موسیٰ نے اس کے خلاف لے وہ ہزادی جو چور کو دی جاتی ہے۔ بجائے اس کے کہ اس کے گلے میں ہار ڈالتا موسیٰ نے لے قید خانے میں ڈال دیا اور فتمند نازیوں کے ساتھ جو معاملہ کیا جاتا ہے اس کے برعکس مجرموں کا سا برتاؤ کیا۔

مگر طارق کو قید میں ہونے کے باوجود اس کا موقع مل گیا کہ خلیفہ دبید نکس اپنی شکایت پہنچا سکے جو ایک عادل شخص تھا اور لے سے توجہ دلائی کہ

ایک نیک کردار شخص کی بھلاتوں کا خیال رکھے اور اس نے اپنی قوم اور دین کے لئے جتنی خدمات انجام دی ہیں ان کے مطابق اسے بدلہ دے۔ چنانچہ ولید نے موسیٰ کو حکم دیا کہ طارق کو چھوڑو اور اسے پھر اپنی خدمات پر مامور کرے۔ اب طارق دوبارہ اس ملک کی فتح مکمل کرنے میں مصروف ہو گیا۔

یہاں موسیٰ بن نصیر جس نے طارق پر ظلم کیا تھا اسے بھی اپنے کئے کی سزا بھگتنی پڑی۔ خلیفہ ولید نے ۹۶ھ میں اسے دمشق میں طلب کیا مگر موسیٰ کے وہاں پہنچنے سے پہلے ولید بیمار پڑ گیا اور یہ بیماری بالآخر مرض موت ثابت ہوئی۔ ولید کے بھائی سلیمان نے موسیٰ کو لکھا کہ دمشق پہنچنے میں اتنی تاخیر کرو کہ ولید کا وقت آ کر ہو جائے۔ اس نے یہ بات اس طرح میں لکھی تھی کہ یہ قائد جو مخالف اور اموال غنیمت لے کر آ رہا ہے انہیں حاصل کر سکے مگر موسیٰ نے سلیمان کی خواہش پر توجہ نہ دی اس لئے نئے خلیفہ سلیمان نے موسیٰ سے کینہ نکالا اور اس سے اور اس کے خاندان سے انتقام لیا۔

عجیب بات ہے کہ اس بے مثل سپہ سالار اور بہادر اور خوش بیان خطیب اور فصیح و بلیغ کاتب شخص کی زندگی حسب طرح گناہی میں شروع ہوئی تھی اسی طرح ختم ہو گئی طارق نے مغرب میں درخود اپنی ولایت طنجہ میں جو شاندار فتوحات کیں اور جسے عظیم الشان کا نامے انجام دیئے ان کے برخلاف مورخین نے اسکی سوانح زندگی سے متعلق کوئی سیر حاصل بات نہ لکھی۔ زیادہ سے زیادہ بس اتنا ہی لکھا کہ اس نے فتح اندلس کے بعد اپنے آقا موسیٰ بن نصیر کے ساتھ شام کی طرف کوچ کیا۔ اس کے بعد اس کی کوئی خبر نہ ملی۔

## عبدالرحمن الداخل

صقر قریش (قریش کا شہباز)

نام و نسب وغیرہ | دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جنہیں زمانہ مسکراتا نظر آتا ہے اور جو زندگی کو سہل و خوشگوار پا کر عیش و آرام سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور ایسے بھی ہیں جو خوش حالی اور ناز و نعمت کا لطف اٹھانے کے بعد مصائب و تکالیف سے دوچار ہوتے ہیں اور اس کے بعد زمانہ پھر انہیں نوح ازما اور ان پر اپنی نعمتوں کی بوجھ کر تا ہے انہیں لوگوں میں عبدالرحمن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک الاموی ہیں جن کے باپ دادا کی سلطنت جانی رہی یہ موت کے چنگل میں پہنچے پہنچتے بچ گئے اور عباسیوں کے ہاتھ میں پڑنے سے بال بال بچے۔ پھر بہت سرگرداں رہنے کے بعد اپنی جدوجہد سے اس قابل بنے کہ ایک ایسی یادگار حکومت قائم کریں جس کی ثقافت و مدنیت یورپ کی جدید ثقافت و تہذیب کا سرچشمہ بن گئی اور جس کی بدولت تاریخ میں ایک ایسے شاندار صفحے کا اضافہ ہوا جس میں عبدالرحمن کا نام زندہ جاوید ہو گیا اور ان کا شمار بڑے بڑے بہادروں اور مصلحوں میں کیا گیا۔

اموی حکومت کا دور آخر | عبدالرحمن اسی اموی خاندان کی نسل سے ہیں۔ جو



تقریباً اتنی سال تک خلافت کر چکا تھا اور جس کے دور میں اموی حکومت کی حدود مشرق میں چین سے لے کر ہرقل کی سلطنت تک اور مغرب میں جبال برانس پیرنیز تک پھیل گئی تھیں۔ لیکن یہ درختاں حکومت تھوڑی ہی مدت کے بعد خطرات میں گھر کر تباہی کے کنارے پہنچ گئی۔ خصوصاً عبدالرحمن الداخل کے دادا ہشام بن عبدالملک کے زمانے میں حالات بہت بگڑ گئے۔ عربی قبائل میں یمینوں اور بنی مضر کے درمیان عصبیت کی آگ بھڑک اٹھی۔ عباسیوں کا خطرہ شدت پکڑ گیا۔ یمین اور حضرموت میں خوارج نے سر اٹھایا۔ خراسان میں جو شورشیں اٹھیں انھوں نے اس ملک پر ابو مسلم خراسانی کے تسلط میں مدد دی اور ۱۳۲ھ میں سیاہ علم جو عباسیوں کا امتیازی نشان تھا، دمشق کے قلعوں پر لہرانے لگا۔ اس طرح اموی حکومت کشت خون کے دریا میں غرق ہو گئی اور اس کے کھنڈروں پر ابوالعباس السفاح کے ہاتھوں حکومت عباسیہ کی عمارت قائم ہوئی۔

اس حادثہ و آلام سے بھری ہوئی مضطرب

باقی ماندہ بنی امیہ کا حال زار انصاف میں ہم دیکھتے ہیں کہ بنی امیہ کے بچے کچھ

لوگوں کی زندگی محفوظ نہیں ہے بلکہ جن لوگوں نے ان کے خاتمے پر کمر باندھ رکھا ہے ان کے ہاتھوں اپنی قسمت کا لکھا پورا ہونے کا انتظار کر رہے ہیں یہ بد بختوں جن کے خلافت زمانہ کی نگاہیں پھر چکی ہیں یہ بھی نہیں جانتے کہ تقدیر میں لکھا ہے کہ وہ کب سر پر آ پڑتا ہے۔ جس کی شام خیریت سے گزر گئی ہے وہ اس سے بھی واقف نہیں کہ آنے والا دن اسے نصیب ہوگا یا نہیں۔ صبح ہوتی ہے تو اس حال میں کہ شام تک کا بھروسہ نہیں ہوتا کیونکہ جاسوس پھیمے لگے ہوئے ہیں اور یہ جہاں بھی دم لیتے ہیں عباسی جھنڈے اپنی جھلک دکھا کر بھاگتے ہیں۔

ایسے حالات میں یہ بالکل ایک قدرتی امر ہے کہ عبدالرحمن اپنے اور اہل و عیال کے انجام کی فکر کرتے۔ ان کے سامنے اس وقت دو ہی صورتیں تھیں۔ یا تو عباسیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو جائیں اور ان کا بھی وہی حشر ہو جو ان کے عزیزوں اور حامیوں کا ہوا یا جو حصار ان کے لئے قائم کر دیا گیا ہے اس سے اپنے بچ نکلنے کی راہ پیدا کریں اور جہاں امن و سلامتی نصیب ہونے کی امید ہو سکتی ہو وہاں پہنچ کر اپنی جان بچائیں۔

عباسی بنو امیہ پر کس طرح حملہ کرتے تھے اور عبدالرحمن الداخل نے کس طرح اپنی جان بچائی، وہ دشت و بیاباں کو کیونکر طے کرتے اور خطرات سے کس طرح دو چار ہوتے رہے اس کا نقشہ خود عبدالرحمن نے ان الفاظ میں کھینچا ہے:

”ہمیں امان دی گئی اس کے بعد نہر ابی فطرس پر پھر اس عہد کو توڑ دیا گیا اور ہمارا خون مباح کر دیا گیا تو ہمیں اس کی خبر اس حال میں پہنچی کہ میں ایک دور مقام پر لوگوں سے علیحدہ تھا۔ مایوس ہو کر اپنے گھر کی طرف لوٹا۔ میں نے اپنی اور اہل و عیال کی مصلحت پر غور کیا پھر ڈرتا ڈرتا نکلا یہاں تک کہ فرات کے کنارے ایک گاؤں میں پہنچا جس میں درخت اور جھاڑیاں بہت تھیں۔ ایک دن اسی مقام پر میرا لڑکا سلیمان جو ان دنوں چار برس کا تھا میرے سامنے کھیل رہا تھا وہ میرے پاس سے چلا گیا۔ پھر گھر کے دروازے سے روتا اور پریشان حال اندر آیا۔ میں اسے ہٹا رہا تھا اور وہ مجھ سے چپٹا جاتا تھا۔ میں حال معلوم کرنے کے لئے باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ گاؤں پر دہشت طاری ہے کالے جھنڈے اس پر لہرا رہے تھے۔ میرا کم سن بھائی کہہ رہا تھا۔ ”بچے بچے، یہ کالے جھنڈے ہیں“ میں نے اپنے ساتھ دینار لے لئے اور میں نے اور میرے بھائی نے اس خطرے سے نجات پائی۔ اپنی بہنوں کو اپنی سمت سفر سے آگاہ کیا اور انھیں حکم دیا کہ وہ میرے غلام بدر سے جا ملیں

سواروں نے گاؤں کا محاصرہ کر لیا مگر میرا کوئی پتہ نہ پایا۔ پھر میں اپنے شناساؤں میں سے ایک شخص کے پاس گیا اور اس سے اپنی ضروریات فراہم کرنے کے لئے کہا۔ اس نے میرے لئے سواریاں اور مناسب حال سامان خرید دیا۔ گاؤں کے عامل عبداللہ نے عباسی سواروں کو میری نشان دہی کی اور میری تلاش میں چند سواروں کے ہمراہ روانہ ہو گیا۔ ہم پاپیادہ بھاگتے چلے جا رہے تھے اور سوار ہمیں دیکھ رہے تھے۔ ہم فرات کے باغوں میں داخل ہوئے اور فرات تک سواروں سے پہلے پہنچ گئے۔ ہم نے دریا میں تیرنا شروع کر دیا۔ میری جان توج گئی۔ سوار پکار پکار کر امان کا وعدہ کرتے رہے اور میں نہ پلٹا مگر میرا بھائی بیچ فرات میں پہنچ کر تیرنے سے عاجز ہو گیا اور عباسیوں کے وعدہ امان پر یقین کر کے کنارے کی طرف پلٹ گیا۔ انہوں نے اسے پکڑ کر قتل کر ڈالا اور میں دیکھتا رہ گیا۔ اس کی عمر تیرہ سال تھی میں اس کے غم کا بوجھ اٹھائے ہوئے اپنی راہ چلتا رہا اور گنجان جھاڑیوں میں پہنچ کر چھپ گیا۔ اب میری تلاش بھی موقوف ہو چکی تھی اس لئے میں نے یہاں سے نکل کر مغرب قصد کیا یہاں تک کہ افریقہ میں پہنچ گیا۔

عبدالرحمن اس زمانے میں نوجوان تھے۔ ان کی عمر اکیس سال سے زیادہ تھی۔ اس کے باوجود قد کی درازی، خوبصورتی اور قوت و شجاعت کی صفات سے موصوف تھے۔ اگر ان میں یہ خوبیاں نہ ہوتیں تو ان کے قویٰ میں ضعف پیدا ہو جاتا اور وہ عباسیوں کے ہاتھوں پڑ کر ختم ہو جاتے۔

لیکن عبدالرحمن کے افریقہ پہنچ جانے پر بھی خطرات نے ان کا پاپا **افریقہ میں** نہ چھوڑا۔ اس وقت ان کے ساتھ ان کے غلام بدر کے سوا کوئی نہ

تھا جو ان خطروں اور تنگیوں میں بھی ان کا ہاتھ بٹا رہا تھا۔ افریقہ میں عبدالرحمن نے محسوس کیا کہ ان اطراف کا عامل حبیب الفہری جو عباسیوں کی طرف سے مقرر

تھا۔ ان کی تلاش میں ہے اس لئے وہ بربریوں کے ایک قبیلے مکناہ کی طرف چلے گئے مگر ان لوگوں میں رہنا انھیں پسند نہ آیا اور طرح طرح کی سختیوں کا سامنا کرنا پڑا پھر قبیلہ زناتہ میں پہنچے۔ یہاں عبدالرحمن کے ساتھ اچھا سلوک کیا گیا۔ ایک روایت ہے کہ وہ طرابلس کے بربریوں سے قبیلہ نفاوہ کے یہاں چلے گئے جو جمہوں نے انھیں پناہ دی اور اعزاز و اکرام سے رکھا۔ مگر عباسیوں کی سپاہ نے انھیں اپنے مقاصد میں کامیاب ہونے اور افریقہ کی امارت پر قبضہ پانے کا موقع نہ دیا۔ اس لئے عبدالرحمن نے ملک اندلس کا رخ کیا جہاں ارباب حکومت میں پھوٹ پڑی ہوئی تھی اور ملک فسطاط کی مصیبت سے دوچار تھا۔ اندلس میں انھیں اپنے اموی نسب اور عالی ہمت ہونے کی بدولت کامیابی کا یقین نظر آیا۔

عبدالرحمن نے اپنے مولیٰ بدر کے ہاتھ اندلس کے اموی سرداروں کو خطوط بھیجے جن میں انھیں اپنی طرف توجہ دلائی اور طرح طرح کی خوش آہند امیدیں دلائیں۔ بدر نے دیکھا کہ وہاں کے یہ سردار بڑی رغبت اور اصرار کے ساتھ اس نوجوان امیر کی پیشوائی اور اس کی تائید پر آمادہ ہیں۔ جب وہ افریقہ واپس ہوا تو اسے عربی قبائل کی دوستی خصوصاً یمینیوں کی پرجوش تائید کا کامل اطمینان ہو چکا تھا۔

ادھر عبدالرحمن اس وقت بڑے عجز و انکسار کے ساتھ خدا سے یہ دعا کر رہے تھے کہ انھیں اس مہم میں کامرانی بختے اور نیکی کی توفیق عطا کرے۔ ابھی وہ نماز اور مناجات میں مشغول ہی تھے کہ اندلس سے آنے والی کشتی کے بادبان نظر آئے جس میں ان کا معتمد غلام بدر سوار تھا اور اس کے ساتھ ابو غالب تمام بھی تھا جو اندلس کے عربوں کی طرف سے نمایندہ بنا کر بھیجا گیا تھا۔ عبدالرحمن نے جب بدر اور اس کے ساتھی غالب سے ملاقات کی تو ان کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا

اور وہ چلا اٹھے : ہمارا کام پورا ہو گیا اور ہم اللہ تعالیٰ کی قوت و مدد سے غالب آگئے۔ اس میں کوئی تعجب کی بات اس لئے نہیں ہے کہ دوسرے امویوں کی طرح عبدالرحمن بھی مال اور شگون لینے کے قابل تھے۔ اور اس پر یقین رکھتے تھے۔

امارت اسپین کے لئے جدوجہد اب عبدالرحمن کشتی میں سوار ہو گئے ان کے اندلس میں داخل ہونے کی خبر پھیل گئی

یمنی قبائل تیزی کے ساتھ ان سے ملاقات کے لئے چلے اور اپنی خیر خواہی کا اعلان کیا۔ اس طرح اپنے حامیوں کی کثرت سے ان کے بازو قوی ہو گئے اور انہوں نے اپنی تدبیر شروع کر دی۔ لشکر جمع کیا اور ان سرداروں سے لڑنے کے لئے تیار ہوئے جنہوں نے ان کی تائید سے انحراف کر کے مخالفت ظاہر کی تھی۔ اس مہم میں بارش کے موسم نے انہیں بڑی مدد دی۔ جاڑے کی فصل میں لڑائی دشوار تھی۔ بہار کا موسم آتے آتے عبدالرحمن اس اہم مرحلے کے لئے مستعد ہو چکے تھے۔ ان میں اپنے دشمنوں سے مقابلے کی خاصی صلاحیت پیدا ہو گئی تھی اسٹیلیہ کے معرکے میں انہوں نے جیسی بہادری دکھائی اور جس طرح انہیں لوگوں نے خوش آمدید کہا اس میں کامیاب ہونے کے بعد ہی یہ قرطبہ پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

لیکن یوسف بن عبدالرحمن انہری بھی ان کی طرف سے غافل نہ تھا اس نے خطرے کے قوت پکڑنے سے پہلے عبدالرحمن الداخل اور ان کی افواج کا مقابلہ کرنے کے لئے قدم بڑھایا۔ اب یہ دونوں لشکر دریائے وادی البکیر کے دونوں کناروں پر ایک دوسرے کے مقابل چل رہے تھے۔ جیسے ہی یوسف دریا سے آگے بڑھا عبدالرحمن کی فوجیں اس پر ٹوٹ پڑیں اور اس کے لشکر کو درہم

برہم کر کے فاتحانہ شان سے قرطبہ میں داخل ہو گئیں۔ عبدالرحمن ایک برس سے بھی کم مدت میں اپنے حریفوں اور مخالفوں پر قابو پا کر اس قابل ہو گئے کہ پورے ملک اندلس کو اپنے جھنڈے تلے لاکر ایک سلطنت بنا دیں۔ انہوں نے قرطبہ کو اپنی امارت کا پایہ تخت بنایا۔ ان میں قدرت کی طرف سے عقل و تدبیر، عزم و ہمت اور سخت گیری کی جو صفات ودیعت ہوئی تھیں ان کی بدولت یہ اپنے راستے کی تمام مشکلات پر قابو پا گئے اور اس ملک کے تمام علاقوں میں امن و سلامتی کا دور دورہ ہو گیا۔

لیکن عبدالرحمن الداخل جن خطرات سے دوچار تھے **عباسی لشکر کی شکست** وہ صرف اندلس ہی کے بعض مسلمانوں تک محدود

نہ تھے بلکہ سمندر پار عباسیوں تک اور جبال برانس کے اس پار فرنگیوں تک بھی پہنچ چکے تھے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ابو جعفر المنصور کو عبدالرحمن الداخل کی طرف سے چین نہ تھا۔ اس نے ان کا قاتمہ کرنے کی تدبیر شروع کر دی اور علاربن المغیث السجیبی کو افریقہ سے روانہ کیا۔ اس نے سمندر کو عبور کر کے عباسیوں کے لئے کام شروع کر دیا۔ جو لوگ عبدالرحمن کی حکومت کے مخالف تھے وہ علار کے جھنڈے تلے سمٹ آئے۔ عبدالرحمن نے افریقہ پہنچ کر عباسیوں کے لشکر کو شکست فاش دی اور ان کے تقریباً سات ہزار آدمی قتل کر ڈالے۔ علار کو قتل کر کے بعض تاجروں کو سکم دیا کہ وہ علار اور اس کے مشہور سرداروں کے سر قیروان لے جائیں اور پوشیدہ طور پر انہیں بازار میں سپینک آئیں۔ پھر ان میں سے بعض لوگوں کے سر کے پہنچائے گئے۔ جہاں خلیفہ منصور فریضہ ریح ادا کر رہا تھا۔ منصور نے جب یہ دیکھا کہ یہ قرشی امیر اپنے طرز عمل میں اتنا شدید اور عباسیوں کو سزا دینے اور ان سے اپنے مقتول خاندان والوں اور حامیوں کا

بدلہ لینے میں اس قدر سخت ہے تو وہ مرعوب ہو گیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ خلیفہ منصور کی رائے معبد الرحمن کے متعلق اندلس جیسے زر خیز ملک کا

عباسیوں سے منقطع ہو جانا دولت عباسیہ کے حق میں ایک شدید ضرب کی حیثیت رکھتا تھا۔ ابو جعفر المنصور عبد الرحمن الداخل کی غیرت و قوت کے مقابلہ میں عباسیوں کی کھوئی ہوئی سطوت واپس لانے سے قاصر رہا اس لئے اس نے عبد الرحمن کو منانے اور ہموار رکھنے کا طریقہ اختیار کیا اور اس کے یہاں ایچی بھیجے۔ وہ عبد الرحمن کی اس مقدرت اور عزم کا اکثر ذکر کیا کرتا تھا کہ وہ ایسی حالت میں جبکہ جان بچانے کے لئے بھاگا بھاگا پھرتا تھا اس دور دراز ملک میں اتنی وسیع سلطنت قائم کرنے میں کامیاب ہوا۔ منصور جس طرح اس کی تعریف کیا کرتا تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ منصور نے اپنے مصاحبوں سے کہا: مجھے بتاؤ قریش کا شہباز کون ہے؟ انھوں نے جواب دیا: امیر المومنین ہی ہیں جنھوں نے ملک کو سدھایا، زلزلوں کو ساکن کیا، عداوتوں کا خاتمہ کیا اور دشمنوں کو برباد کر ڈالا۔ منصور نے کہا: تم نے کوئی بات نہ کہی، پھر ان لوگوں نے کہا: معاویہ ہے۔ منصور نے کہا: وہ بھی نہیں۔ پھر کہا: عبد الملک بن مروان ہے، کہا: نہ وہ ہے۔ پھر لوگوں نے پوچھا: آپ ہی فرمائیے امیر المومنین وہ کون ہے؟ منصور نے کہا: وہ عبد الرحمن بن معاویہ ہے جس نے سمندر کو عبور کیا، بیاباں طے کئے، اور ایک غیر ملک میں تنہا پہنچا، پھر شہروں کو شہر بنایا، فوجیں آراستہ کیں اور وفات و محکمت منضبط کئے اور اپنی سابقہ حکومت کے منقطع ہو جانے کے بعد اپنی خوش تدبیری و خوداری بدولت ایک سلطنت قائم کر لی۔ رہے معاویہ تو وہ ایسے گھوڑے پر سوار ہوئے

جس پر حضرت عمر و عثمان سوار ہو کر معاویہ کی مشکلات کو آسان کر چکے تھے۔ عبدالملک نے بیعت سے کامیابی حاصل کی جس کی بدولت اس کے مسائل قابو میں رہے۔

(تمہارے) امیر المؤمنین دوسروں کے مطالبہ اور اپنے گروہ کے اجتماع و اتفاق سے خلیفہ ہوئے۔ لیکن عبدالرحمن اپنی ذات سے اکیلے تھے۔ انھیں اپنی ہی رائے کی تائید اور اپنے ہی عزم کی رفاقت میسر تھی۔

ابوجعفر المنصور اکثر عبدالرحمن کا ذکر تعریف کے ساتھ کرتا اور اپنے آپ سے ان کا موازنہ کیا کرتا تھا۔ وہ کہتا تھا: اس کی طاقت اور اسباب کی قوت کے اتنا طول پکڑنے کے ساتھ ہمارے معاملات میں جو طول ہو رہا ہے اس پر تعجب نہ کرو۔ یہ قریش کے ایک ماہر و چالاک نوجوان کا معاملہ ہے جو اپنے تمام حالات میں اکیلا تھا اور اپنے گھر والوں اور عزیزوں کی اعانت و تسلی سے محروم تھا۔ اس نے صرف اپنے عزم و ہمت پر بھروسہ کیا۔ یہاں تک کہ اپنی عزت و شرف کی عمارت تعمیر کرنے کے لئے اپنے آپ کو ہلکے خطرات کی بھنور میں ڈال دیا اور ایک ایسے جزیرہ میں داخل ہوا جو بہت دور دراز مقام پر واقع تھا اور لوگوں کی نگاہ حرص و آرزو سے دور تھا یہاں کے سپاہیوں میں بڑی شدید عصیت تھی۔ اس نے اپنی خصوصیت سے کام لے کر ان میں فساد کرایا اور حیلے کی قوت سے بعض کو بعض کے ساتھ ٹکرا دیا۔ پھر اپنی سیاست کی بدولت وہاں کی رعایا کے دل مٹھی میں لئے۔ یہاں تک کہ ان میں سے جو لوگ باغی و سرکش تھے اس کے مطیع ہو گئے۔ اس کے بعد یہ جزیرہ پر غالب آکر وہاں کا بادشاہ بنا۔ اس نے اپنے دشمنوں کو مغلوب و مقہور کیا۔ حدود ملک کی حفاظت کی اور انھیں مستحکم و مضبوط بنایا۔ لوگوں کے دلوں میں اپنی ہیبت و رغبت پیدا کی یہ نشان ہے اس جواں بلکہ کامل، جوانمرد کی جس کی تعریف کرنے والے کو



جھٹلایا نہیں جاسکتا۔

یہ دونوں عربی امیر ایک دوسرے کے مقابلے  
 میں ڈٹے ہوئے مشرق و مغرب میں حکمرانی  
 کر رہے تھے۔ گوان کی مخالفت کا یہ انداز مسلمانوں

عباسیوں اور امویوں کی  
 رقابت اور اسکے نتائج

کے حق میں کمزوری پیدا کرنے کا باعث تھا۔ عباسی خلیفہ المنصور اپنے خطرناک  
 حریف کاہم پڑھتا۔ اس نے عبدالرحمن کے مقابلے میں اعانت حاصل  
 کرنے کے شوق میں بادشاہ فرانس کا دروازہ کھٹکھٹایا اور اس کے پاس اپنے  
 سفر ا بھیجے جو اس کے پایہ تخت میں کئی برس مقیم رہے۔ اس کے بعد اپنے ساتھ  
 فرانس کے سفر کو لئے ہوئے منصور کے پاس واپس آئے۔ پھر فرانس کے  
 سفر مشرق کے نفیس تحائف و ہدایا سے لدے ہوئے شاہ فرانس کے پاس  
 واپس لوٹے۔ لیکن اس گفت و شنید کا نتیجہ بجز اس کے کچھ نہ نکلا کہ عبدالرحمن  
 کے دل میں فرانسیسیوں کی طرف سے اندلس پر حملہ کا خوف پیدا ہو گیا۔ البتہ  
 شارلیمان بادشاہ فرانس کے عہد میں ابو جعفر المنصور کی یہ رغبت پوری ہو گئی  
 شارلیمان نے ایک لشکر روانہ کیا جو ملک اندلس کے شمالی صوبوں میں گھستا  
 ہوا سر قسطہ تک پہنچ گیا۔ مگر یہ فوج اپنا اقدام جاری رکھنے سے قاصر رہی اور  
 سپاہ ورسد کا زبردست نقصان اٹھانے کے بعد جلد ہی واپس آگئی۔ اس کا  
 سبب یہ تھا کہ شہباز قریش عبدالرحمن الداخل اس کی گھات میں تھا  
 رولان جیسا شخص جس کے گانے "نغمہ رولان" کے نام سے اسے جیات جاوا  
 بخش چکے ہیں اسی معرکے میں مارا گیا۔ ازمنہ وسطی کے فرانسیسی ادب میں یہ  
 پہلی گھمان کی جنگ تھی۔

اس طرح عبدالرحمن الداخل نے ان دو شہنشاہوں سے معرکہ آرائی کی

ایک مسلمان کا حلیفہ (مضویر) اور دوسرا اشار لیمان اعظم، مگر یہ دونوں اس منظم لشکر کے آگے کچھ نہ بنا سکے جو تنخواہ دار بربروں سے مرتب کیا گیا تھا، اس نے ان بربروں پر عطیات و العامات کی جو بارش کی تھی اس کی بدولت یہ اس کے مطیع و خیر خواہ تھے۔

**قرطبہ** | جب عبد الرحمن کے قدم جم گئے اموی عمارت کے ستون اندلس میں قائم ہو گئے اور انھیں مشرق و مغرب میں اپنے دشمنوں کے شر سے چین ملا تو انھوں نے شہر قرطبہ کو اپنی امارت کا پایہ تخت بنایا۔ یہیں اپنا قصر اور جامع مسجد تعمیر کی۔ عبد الرحمن کے قرطبہ کو پایہ تخت قرار دینے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ وہاں کھلے ہوئے پرفضا مکانات مرتب سڑکیں اور عمارات بکثرت ہیں۔ بہتی ہوئی نہریں، معتدل ہوا ہر سبز و شاداب میدان اور بکثرت درختوں والی زمینیں کافی تعداد میں پائی جاتی ہیں اور یہ مقام مشرقی و مغربی اندلس کے وسط میں واقع ہے۔

اس امیر نے قرطبہ کے قدیم قصر کو اپنی امارت کا مستقر قرار دے کر اس کی تزئین و زیبائش کا انتظام کیا اور اس میں کشادہ باغ بنوائے۔ جو پہاڑ اس شہر سے قریب تھے ان سے سیریں پانی کی نہریں نکلو اگر سیسے کے ٹکوں کے دریچے قصر و باغ کے ہر صحن میں جاری کروائیں۔ پانی دینے کے لئے خالص سونے خالص چاندی اور ملمع کئے ہوئے تانبے کے پائپ مختلف ننکلوں کے ڈھلوانے کئے تھے اور بڑی بڑی جھیلوں۔ خوشناتالابوں اور عجیب قسم کے منقش رومی سنگ مرمر سے بنے ہوئے حوضوں سے ان کا تعلق رکھا گیا تھا۔ اس قصر سے ملحق اور کئی بڑے قصر اور تروتازہ باغ بنوائے تھے جن کے نام الکامل المجدد، الحاکم، الروضہ، الزاہر، المعشوق، المبارک، الرستق، قصر السرور، التاج۔ اور

البدیع وغیرہ تھے ان کے علاوہ بھی عبدالرحمن نے قرطبہ میں بہت سے باغ بنوائے  
تھے بمثال کے لئے قصر الرصافہ کا ذکر مناسب ہوگا جس کے لئے عبدالرحمن نے انار  
کا درخت منگوایا اور اس محل میں اس کی کاشت کی جو پھولا اور پھلا۔ کہا جاتا ہے کہ  
عبدالرحمن کی بہن ام المصعب اسے شام سے انار کا درخت بھیجی کرتی تھی۔ یہ بات  
صحیح ہو تو کچھ عجیب نہیں لگے کہ یہ اموی امیر اپنے مقام پیدائش یا وطن کا بڑا مشتاق تھا  
اور اس کی یاد میں بے چین رہتا تھا۔ اپنے اصل وطن کی یاد تازہ رکھنے کے لئے  
عبدالرحمن نے قصر الرصافہ میں ایک کھجور کا درخت بویا تھا۔ یہ اشعار اسی کے کہے گئے  
ہیں جن میں اس نے وطن کی محبت کا گیت گایا۔

نشأت لئابین الرصافۃ نخلۃ  
نشأت بارض الخراب عن بلد النخل  
(ہمارے لئے رصافہ کے درمیان ایک کھجور کا درخت لگایا گیا۔ جو کھجوروں کے شہر سے دور سرزمین مغرب  
میں پیدا ہوا)

فقلت بیسی فی التقرب والنوی  
وطول ابتعادی عن بنی وعن اہلی  
دیں نے کہا کہ اے نزدیک اور اہل و عیال سے طویل و بعد میں میرے مماثل درخت  
نشأت بارض انت فیہا غریبۃ  
فممثلک فی الاقصاء والمنتأی مثلی  
(تو ایسی زمین میں پیدا ہوا ہے جہاں تو پر دلی ہے اس لئے بعد اور دوری میں تو بھی میری ہی طرح  
قرطبہ کی جامع مسجد جو عبدالرحمن نے ۶۸ھ میں بنوائی تھی فن تعمیر کا ایک  
امتیازی نمونہ تھی اس نے اس عمارت پر انسی ہزار دینار صرف کئے جو قوظیوں کے  
اموال عنینت سے حاصل ہوئے تھے۔

عبدالرحمن الداخل  
عبدالرحمن ظلم ولعدی (کے مقدمات) خود  
طے کرتا تھا اور طاقتور کے ہاتھوں جو زیادہ  
ہوتی اس میں کمزوری کی دادرسی کرتا۔ اس کا معنی  
کے معمولاً و اوصاف

تھا کہ جب کھانا کھانے کا وقت آتا تو دسترخوان پر اپنے مصاحبوں کے علاوہ ان لوگوں کو بھی بلا تا جو اپنی ضرورت سے اس سے ملنے کے خواہاں ہوتے۔ اس نے ملک اندلس پر تینتیس سال اور چار ماہ حکومت کی اور ۷۲۲ھ میں انتقال کیا۔ عبدالرحمن الداخل عباسی خلفاء میں المصنوع، المہدی اور الرشید کا ہم عصر تھا۔ یہ جس مقصد کے لئے کوشاں تھا اسے اس نے عین عنقوان شباب میں حاصل کر لیا۔ اس نے عربوں اور بربروں کو مطیع و منقاد بنا یا اور لوگوں کے درمیان عدل پیدا اس لئے رعیت بھی اس سے محبت کرتی تھی۔ ابو حیان نے اس کی تعریف میں کیا خوب کہا ہے :-

”عبدالرحمن کا حلم بڑھا ہوا اور علم وسیع تھا۔ اس کی فکر و فہم بہت روشن تھی۔ بڑا محتاط اور ارادے کا پکا تھا۔ عجز سے بری اور نقل و حرکت میں تیز تھا۔ چین سے نہ بیٹھتا تھا۔ یہم حرکت میں رہتا اسے کاپلی میں آرام نہ ملتا۔ وہ اہم معاملات غیروں کے سپرد نہ کرتا۔ مگر ان کو مضبوط اور پختہ بنانے میں خود رانی سے کام نہ لیتا۔ وہ بڑا دلیر و بہادر تھا اس کی نظر بہت گہری اور تیز تھی۔ اس میں بے فکری اور اطمینان کم تھا۔ بڑا مقرر فیض و بلیغ۔ احسان کرنے والا، فیاض اور خوش بیان شخص تھا۔ سفید کپڑے پہنا کرتا تھا اور سفید عمامہ باندھتا۔ سفید لباس کو ترجیح دیا کرتا، دوست اور دشمن دونوں کے دلوں میں اس کی ہیبت تھی۔ وہ جنازوں میں حاضر ہوا کرتا اور ان کی نماز ادا کرتا۔ جب موجود ہوتا تو جمعوں اور عیدوں کی نماز لوگوں کے ساتھ ادا کیا کرتا۔ منبر پر خطبہ دیتا۔ مرصیوں کی عبادت کرتا اور لوگوں کے ساتھ کثرت سے ملتا جلتا اور ان کے درمیان چلتا پھرتا تھا۔“

# مشاہد اسلام

اکٹر حسن ابراہیم حسن ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی، ڈی۔ لٹ  
 پروفیسر تاریخ اسلام فواد اول یونیورسٹی  
 (قاہرہ)  
 کی

## کتابِ اَعْلَامُ الْاِسْلَامِ

کا  
 اردو ترجمہ

پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی

(۳۰۔ نیوکراچی کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی۔ کراچی)

قیمت پانچ روپے (۵)